عشاق کے قافلے

14

فیڈل کاسٹرو

شاہ محمد مری

جملہ حقوق بحقِ سنگت اکیڈمی محفوظ ہیں

ضابطہ:

نام کتاب	فیڈل کاسترو
مصنف	شاہ محمد مری
موضوع	سوانح
پہلی اشاعت	2009
دوسری اشاعت	2017
تعداد	1000
قیمت	400روپے
پبلشر	سنگت اکیڈمی
فون نمبر	03003829300

ISBN:978-969-673-14-9

ملنے کا پتہ:

سنگت اکیڈمی

206،مری لیب،فاطمہ جناح روڈ،کوئٹہ۔

فون:+92-81-2843358

email: books@sangatacademy.net

Web: www.sangatacademy.net

انتساب

ادراک بخشتی،شعور جگاتی،اشرف بناتی،آشتی بڑھاتی
ہمدردی بکھیرتی،قربانی کرواتی،ذات کو کائنات میں ڈھالتی،
برابری دیتی،تخلیق کرواتی،رحمتیں اتارتی،
جھنکار سناتی،رنگ بانٹتی،خوشبو لڑھاتی،
مسکان بکھیرتی،لوری بُنتی،دل شوالے بناتی،من کعبے کرتی،
،نروان دیتی،صوفی بناتی،جوگی ڈھالتی
اورسوشلزم کہلاتی......

محبت

کے نام!!

قتل گاہوں سے چن کر ہمارے علم
اور نکلیں گے عشاق کے قافلے

فہرست

پیش لفظ	08
کاسٹرو کا اتالیق، جوزی مارٹی	14
فیڈل کاسٹرو	29
- پٹ وپیڑک	
یونیورسٹی: سیاست کی ماں	35
الیکشن کا راستہ بند	38
چھبیس جولائی	42
History Will Absolve Me	46
......اور عدالت نے سزا دی، تاریخ نے بری کر دیا	123
میکسیکو جلاوطنی	129
کیوبا کے انقلاب کی علامت' گرانما	133
کوہ اَنت بلوچانی کلات	137
عورتوں کی گوریلا تنظیم	143
انقلاب کا بگل بجتا ہے	149
اشرف عادتیں، کامیابی کی ضمانت	153
انقلاب نعمت ہے	161
- عوام کا اقتدار اعلیٰ	162
- زرعی اصلاحات	163
- نیشنلائیزیشن	165
امریکہ قہر میں آ گیا!	168
1- بے آف پگز کی لڑائی	168
2- انقلاب کے سوشلسٹ ہونے کا اعلان	169
3- کمیونسٹ پارٹی کا قیام	172
4- امریکی ریاستوں کی تنظیم (OAS)	173
5- میزائل بحران	175
6- بلاکیڈ	176
انقلاب کی نعمتوں کا دوام	180
صحت	180
تعلیم	183
روزگار	185
زچہ و بچہ	185
سائنس و ٹکنالوجی	185
سوشل سکیورٹی	186
رہائش	186
ثقافت، ادب و فنون	187
ماحولیات	187
شہری آزادیاں	189
جمہوریت	190
تعصّبات کو دور کرنا	191

انٹرنیشنل ازم کا جھنڈا، کیوبا 194

سپیشل پیریڈ 202

پورا براعظم انقلابی ہوگیا 207

زندگی نے بالآخر لڑکھڑانا ہی ہے 210

پیش لفظ

کیوبا کے بارے میں عام لوگ صرف اتنا جانتے ہیں کہ وہاں زبردست اور قیمتی سگار بنتے ہیں اور بہت سی شکر پیدا ہوتی ہے۔وہاں کا صحت کا نظام بہترین ہے اور وہاں کے ڈاکٹر مصیبت زدوں کی مدد کے لیے دنیا کے ہر کونے میں 24 گھنٹے کے اندر اندر پہنچ جاتے ہیں۔

پھر رکشوں ٹرکوں پر چے گویرا کی لگی تصویریں کیوبا کی دوسری پہچان ہیں۔ عقائد و قومیت کی تمیز کیے بغیر چے ہر خطہِ عالم میں اپنے بڑے بڑے بالوں، اپنی چھوٹی داڑھی، خوبصورت چہرے 'اور ٹوپی پر سرخ ستارے والی تصویر کے ساتھ موجود ہے، پوسٹروں پہ، انقلابی پمفلٹوں اخباروں پہ، ٹی شرٹوں پہ، کی چینوں پہ...........اور دلوں کے اندر۔ گوکہ یہ شناخت ایک فیصد سے بھی کم لوگوں کو معلوم ہے۔ باقی لوگ تو اس تصور کو جیمز بانڈ اور ریمبو ٹائپ کا امریکی فلموں والا ہیرو قرار دیتے ہیں۔ بس سیاسی کارکنوں کو یہ پتہ ہے کہ داڑھی بردار لیڈروں والا یہ ملک کیسا ہے۔اس کے لوگ کیسے ہیں اور وہاں طرزِ سیاست کیسی ہے۔

لاطینی امریکہ، مختلف ہسپانوی (سپین کی) زبان بولنے والے مما لک پر مشتمل ہے جن کو سپین نے فتح کیا اور ان کو اپنے نو آبادیاتی نظام میں ڈال دیا۔

انیسویں صدی کے شروع میں ان ریاستوں نے، جو اُس وقت سپین کے زیرِ حکمرانی

تھیں، اپنی آزادی کے لیے خونی جنگیں لڑیں۔ اپنی زبان اور کلچر کی آزادی کے لیے ان ممالک میں آزادی کی تحاریک اور لڑائیاں، ایک تسلسل کے ساتھ شروع ہوئیں۔ کچھ ریاستیں جنگوں کی وجہ سے اور کچھ حالات کی وجہ سے ایک دوسرے سے جڑی ہوئی تھیں۔ سپین کی بادشاہت کو بے شمار مزاحمتی جنگوں کے نتیجے میں ان ممالک کو آزاد کرنا پڑا۔ آزادی کی اِن جنگوں میں سپین کے باشندوں کی اُن اولادوں نے حصہ لیا جو لاطینی امریکہ میں پیدا ہوئی تھیں۔ ان عوام میں ایک بہت بڑی تعداد کاریگروں، تاجروں، مزدوروں، کسانوں اور مسٹی زد (یعنی دونسلی افراد جو غالبًا ہسپانوی اور ریڈ انڈین نسل کے تھے) اور سیاہ فام باشندوں کی تھی۔ ان لوگوں نے اپنی بڑی بڑی فوجیں تیار کیں جو پہاڑوں اور میدانوں پر پورے براعظم میں پھیل گئیں۔ انگلستان، امریکہ اور فرانس اس زمانے کی بڑی فوجی طاقتیں تھیں جنہوں نے ان ملکوں کو جنگیں لڑنے کے لئے قرضے اور ہتھیار دیے، یہاں تک کہ اپنے فوجی اڈوں اور فوجی دستوں سے ان کو کمک پہنچائی۔

انیسویں صدی کے دوسرے نصف میں، جہاں سپین نے اپنے سابقہ جنوبی امریکی کالونیوں کو دوبارہ فتح کرنے کا سوچا.......... کیوبا زبردست قومی اور حب الوطنی جذبات کا ٹھکانہ تھا۔ کیوبائی عوام نے لاطینی امریکہ کے دوسرے ممالک سے تقریباً 70 برس بعد اپنی آزادی کی لڑائی شروع کی۔ اُن کے پاس کوئی اسلحہ نہ تھا ماسوائے machetes کے جو کہ گنے کو کاٹنے کے لیے استعمال ہوتے تھے، اور کیوبن تیز رفتار گھوڑوں کے۔ تھوڑے ہی وقت میں کیوبائی محبّ الوطن بے خوف سپاہی بن گئے۔

تیس برس بعد، عرصے سے مصیبت زدہ یہ عوام ایک گلی سڑی مگر ہٹ دھرم اور ضدی یورپی طاقت کے خلاف بہادرانہ جدوجہد میں اپنی تاریخی مقاصد کو حاصل کرنے کے نکتے تک پہنچ گئے۔ اس کے باوجود کہ اُس کے پاس بے پایاں فوج تھی، اُس وقت تک سپنی آرمی جزیرے پر اپنے قبضے میں رکھنے کے لائق نہ تھی۔ وہ صرف بڑے شہری علاقوں پر قابو رکھتی تھی اور وہ زوال کے قریب تھی۔

یہی وقت تھا جب امریکہ نامی طاقتور ایمپائر نے یہ تلخ اعلان کر کے مداخلت کی کہ ’’کیوبا

کے عوام کو آزاد رہنے کا حق ہے‘‘۔

جنگ کے اختتام پر کیوبا کو امن مذاکرات میں حصہ لینے کے حق سے انکار کیا گیا۔ سپین کی حکومت نے کیوبا سے غداری کی اور اُسے اُن کے حوالے کر دیا جنہوں نے مداخلت کی تھی۔

امریکہ نے کیوبا کے قدرتی وسائل کو اپنے قبضے میں لے لیا، اس کی عمدہ ترین زمین پر، تجارت پر، بینکوں پر، سروسز پر اور ملک کی مرکزی صنعتوں پر۔ اس نے کیوبا کو جدید نوآبادی بنا دیا۔ ہمیں ساٹھ سال تک یہ سہنا پڑا مگر وہ ایک بار پھر آزاد ہو گئے!

بنی نوعِ انسان نے اپنے حق میں جتنے بھی بڑے بڑے فیصلے کیے اُن میں کیوبا کے اندر انقلاب بہت دیر تک یاد رکھے جانے والا فیصلہ تھا۔ اس انقلاب نے نصف صدی تک بہت ہی متحرک انداز میں عالمِ انسان کو متاثر کیے رکھا۔ اور اُس کے لیڈر دنیا بھر کے مظلوم ومحکوم انسانوں کے ہیرو رہے۔

کیوبا کا انقلاب انسانوں کی فلاح میں چند انسانوں کے مصمم ارادے کا نام ہے جن کے پاس کوئی تنظیم نہ تھی، کوئی وسائل نہیں تھے اور کوئی تجربہ نہ تھا۔ بس انسان کی نجات کا قصد تھا جس پر پکّارہ کر ان مٹھی بھر لوگوں نے عوام الناس کی حمایت وہمدردی بھی حاصل کی، لڑنے والے گوریلے بھی پیدا کیے، انقلابی جنگ کے ہر نشیب وفراز میں ڈسپلن بھی برقرار رکھا، اور تنظیم ووسائل بھی پیدا کیے۔۔۔ حتیٰ کہ ایک ستھرا نکھرا نظریہ بھی تشکیل دے دیا۔

جب 1959 میں انقلاب فتح مند ہوا، تو اس وقت یہ جزیرہ واقعتاً ایک یانکی کالونی تھا۔

امریکہ نے اس ملک کی لبریشن آرمی کو دھوکہ دیا تھا اور اُسے غیر مسلح کر دیا تھا۔ ایک ترقی یافتہ زراعت کی بات کوئی نہیں کرسکتا تھا، بلکہ یہ افرادی اور جانوروں کی محنت پر مبنی ایک وسیع شجرزار تھا جو کہ عمومی طور پر کھاد اور مشینری استعمال نہیں کرتا تھا۔ بڑی شوگر ملیں امریکہ کی ملکیت تھیں۔ ان میں سے کئی تو زمین کے ایک لاکھ ہیکٹر پر محیط تھیں۔ مجموعی طور پر ڈیڑھ سو شوگر ملیں تھیں۔

امریکہ کو دونوں عظیم جنگوں میں شکر کی سپلائی کیوبا سے ہوئی تھی اور اس نے اپنی منڈیوں میں اس ملک کو فروخت کا کوٹہ دے رکھا تھا........... معیشت کی دیگر فیصلہ کن سیکٹرز مثلاً پورٹ اور

آئل ریفائنریاں امریکہ کی ملکیت تھیں۔ اُن کی کمپنیاں بڑی بڑی بینکوں، صنعتی سہولتوں، معدنیات، docks، شپنگ اور ریل کی مالک تھیں۔ ٹیلی کمیونیکیشن اور بجلی کی مالک بھی وہیں تھیں۔

چے گویرا اپنی نظریاتی پختگی، بے کراں کمٹ منٹ اور سیاہ جگر بہادری پہ مشتمل اپنی مختصر زندگی گزار کر دنیا بھر کے انقلابی لوگوں کی آنکھ کا تارا بن چکا۔

مارکس، لینن، مارٹی اور بلیوار کے پیروکاروں کا یہ ٹولہ بلاواسطہ طور پر پورے لاطینی امریکہ کی سیاست و معیشت و سماجیات کو متاثر کر چکا تھا۔ چلی اور نکاراگوائے سے لے کر، بلیویا اور ایل سلواڈور تک درجن بھر ممالک انہی کیوبائیوں کی قائم کردہ سیاسی بنیادوں پر اپنے معاشرے کی سوشلسٹ تعمیر میں مصروف ہیں۔ بعد میں اِن دس ممالک میں وینزویلا اپنے شاویز کے ساتھ سب سے نمایاں ہوا۔

کیوبا کے انقلاب کے راہنما نہ صرف لاطینی امریکہ کے معمارانِ انقلاب ہیں بلکہ وہ تو افریقہ میں انسانی نجات کی جدوجہد میں بہ نفسِ نفیس شامل رہے اور وہاں کی انقلابی تحریکوں کی لیڈر شپ کی فہرست میں جائز طور پر اُن کے نامِ نامی بھی شامل ہیں۔

کیوبا کی انقلابی جدوجہد کو شروع کرنے، اسے دوام بخشنے اور اسے کامیابی تک پہنچانے کے بعد بھی اِن لوگوں نے عظیم سیاسی و نظریاتی کارنامے سرانجام دیے۔ انہی لوگوں نے امریکی سامراج کو پچاس برس سے زائد تک اُس کے پڑوس میں لگام دیے رکھا۔ بالخصوص پچھلی صدی کی نوے کی دہائی میں جب سوشلسٹ بلاک فوت ہوگیا اور سرمایہ داری کی فتح کے جشن کے ڈھولوں نے بنی نوعِ انسان کے کان بہرے کردیے تھے، تب انکار کی واحد ریاستی آواز اِسی کیوبا کی تھی............''سوشلزم یا موت'' کا نعرہ ریڈیو ہوانا سے بلند ہوتا رہا۔ ضعیفوں کمزوروں کے اِن دوستوں نے امید کی موت نہ ہونے دی، وقار کا پرچم نہ گرنے دیا، آزادی آبادی اور خیر کا باب بند نہ ہونے دیا..........صرف یہی احسان ہی دیکھا جائے تو کیوبا اور اس کے پڑوسی انقلابی ممالک کی عزت دلوں میں نقش ہوجائے اور ابد تک قائم رہے۔

اور اِس سب کا، لاطینی امریکہ کے مجموعے کا اعزاز مکمل طور پر جوزی مارٹی کو جاتا

ہے۔ اور سائمن بلیوار کو جاتا ہے جو لاطینی امریکہ کے انقلابات کی ماں، یعنی کیوبائی انقلاب کا مرشد ہے۔ کیوبائی انقلابیوں نے اپنی جدوجہد کے دوران ہر تاریخی مظہر کے لیے انہی کی تحریروں سے راہنمائی لی۔ مارٹی اور بلیوار دیسی اور مقامی تھے مگر بہ یک وقت وہ کبھی بھی مقامی نہ تھے محدود نہ تھے، وہ بین الاقوامی تھے۔ وہ لوگ عظیم تھے جنہوں نے ان دو استادوں کو پہچانا، ان کی تعلیمات گم ہونے نہ دیں اور اُن تعلیمات کے پیچھے چلے۔ انہی کی تعلیمات کی بدولت ایک پورا ابرِ اعظم انسانیت کے دسترخوان پہ بیٹھا۔۔۔۔ اور یہ تعلیمات ہیں کیا؟۔ یہ تعلیمات ہیں: سامراج دشمنی، فیوڈل دشمنی اور انسان دوستی۔

کیوبا والوں نے کچھ عجیب چیزیں ثابت کردیں۔ مثلاً یہ کہ ایک ملک تشدد اور منشیات کے بغیر زندہ رہ سکتا ہے۔ دوسرا یہ کہ وہ پڑوسی ہونے کے باوجود نصف صدی تک امریکہ سے تعلقات کے بغیر زندہ رہ سکتا ہے۔ حتیٰ کہ سوشلسٹ دنیا کی اچانک غائبی میں بھی ایک سوشلسٹ زندہ رہ سکتا ہے۔

پبلو نرودا سے لے کر محمود درویش تک اور نور محمد ترہ کی سے لے کر گارشیا مارکوئیز تک کتنے بڑے انسان دوست دانشور اور انقلابی اِسی عہد کی پیداوار ہیں!!۔ تاریخ میں انسانی آبرو کو قائم رکھنے والا عشاق کا قافلہ اپنے اِس پڑاؤ میں کتنا سربلند اور تعداد میں کس قدر اضافہ پا چکا ہے۔

حتمی بات ہے کہ یہ لوگ دیوتا نہیں ہیں، مگر وہ قبر والے مردے بھی نہیں ہیں۔ وہ مجرد اور مہمل کبھی نہ رہے بلکہ دنیا کا ہر انقلابی اعتماد سے کہہ سکتا ہے کہ وہ اور اُن کی تعلیمات یہیں کہیں ہیں، ہمارے آس پاس ہیں، ہماری راہنمائی کر رہی ہیں۔ کون ہے جو انہیں انسانوں سے خود کو جدا رکھ سکتا ہے، کون ہے جو انہیں مجسموں میں بدل سکتا ہے، کون ہے جو انہیں روزمرہ سے علیحدہ رکھ سکتا ہے۔ یہ لوگ یہیں ہمارے بلوچستان میں بھی موجود ہیں، بلوچی ہی میں سوچ اور بول لیتے ہیں۔ اُن کی بولی پرانی نہیں ہوسکتی۔ ان فن کاروں کے خیالات میں ماضی پن نہیں ہے۔ یہ لوگ ہماری جدوجہد کا حصہ ہیں، یہ ہمارے چیذغ، نشانِ منزل اور جدوجہد کا پرچم ہیں۔

بہت کوشش ہورہی ہے اور ہوتی رہی ہے کہ ان لوگوں کو اُن کی تعلیمات سے الگ تھلگ

کر کے پیش کیا جائے۔ حالانکہ اِن لوگوں کے برگ و بر، سایہ داری اور مٹھاس اُن کی تعلیمات ہیں۔ان کی تعلیمات اُن کا لباس ہیں، اُن کا پردہ ہیں۔اے اچھے انسانو! اِن اچھے انسانوں کو بیان کرتے وقت،انہیں بے لباس کرنے نہ دو!۔انہیں اِن کی تعلیمات سے الگ ہونے نہ دو!۔

عشاق کا یہی قافلہ تو انسانیت کا، آپ کا اور میرا نشانِ منزل ہے، ہمارا تسلسل ہے، سچائی پر رہنے کی ہماری گواہی ہے..........اپنی جڑیں تلاش کرنا، اور آنے والی نسلوں کو بتلا دینا مجھے اچھا لگتا ہے۔انہیں زندگی دینا، انہیں اپنے ساتھ پانا اور رکھنا مجھے اچھا لگتا ہے۔

شاہ محمد مری

ماوند

29 جنوری 2017

فیڈل کا استاد جوزی مارٹی

(1895—1853)

وطن انسانیت ہے!

-جوزی مارٹی

مس بگّی ایں گلا بے کِشاں
مس بگی ایں گلا بے کِشاں
جولائیا، جنوری ڈولا
پہ وتی ہماں سچوئیں دوستا
کہ وتی اخلاصیں دستا مناں دا

او ہماں ظالمیں مڑدا پہ دِہ
کہ منی دِلہ دِنّی
مس نئیں تہ چغڑ داں کِشاں، نَیں کُنٹغاں
مس بگی ایں گلا بے کِشاں

(مارٹی کی ایک نظم کا بلوچی ترجمہ)

گبریل گارشیا مارکویئز کے بقول ''جوزی مارٹی'' فیڈرل کاسٹرو کے سرہانے کے نیچے رکھا ہوا مصنف ہے''۔ مارٹی نہ صرف کاسٹرو کا پسندیدہ مصنف ہے بلکہ وہ تو اس کا آئیڈیل لیڈر بھی ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ جوزی مارٹی صرف کاسٹرو کا ہی نہیں بلکہ سارے کیوبائی اور بین الاقوامی انقلابیوں کا ہیرو ہے۔ مارٹی' کیوبائی انقلاب کا ڈائریکٹ اتالیق تھا۔ اس کی تحریریں کاسٹرو اور اُس کے کامریڈوں کی ہمہ وقت رہنما رہیں۔ جوزی مارٹی کیوبا ہی کا نہیں وہ تو پورے امریکہ کا تھا، امریکہ کی پوری بیسویں صدی کا تھا۔

مارٹی واضح طور پر سوشلسٹ تو نہ تھا لیکن وہ کارل مارکس کا احترام کرتا تھا اس لئے کہ مارکس نے بہت شاندار انداز میں خود کو ضعیف اور کمزور لوگوں کے پلڑے میں ڈالا تھا۔ مارٹی نے گوئٹے مالا پر لکھی اپنی کتاب میں لکھا: ''بے تحاشا دولت ناانصافی ہے۔ اسے تو بہت سارے لوگوں کے ہاتھ میں ہونا چاہیے............ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں جو واقعی اس کے حقدار ہوں۔ چھوٹی زمین رکھنے والے بہت تعداد میں ہوں تو قوم امیر ہوتی ہے۔ جس قوم میں چند امیر لوگ ہوں وہ قوم امیر نہیں ہوتی۔ قوم وہی امیر کہلاتی ہے جس کا ہر باشندہ مشترک دولت کا حصہ دار ہو''۔

مارٹی ایک بھرپور مفکر اور سچا سامراج دشمن انسان تھا۔ وہ پیسہ، سرمایہ، کمپنی ۔۔۔۔ ان سب کو سامراج کا بڑا ہتھیار گردانتا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ جب کوئی شخص کہتا ہو' معاشی اتحاد' تو وہ در اصل کہہ رہا ہے سیاسی اتحاد۔ مارٹی کا ایمان تھا کہ جن اقوام کو آزاد رہنے کی خواہش ہو' انہیں تجارت میں آزاد ہونا ہوگا۔ (آئی ایم ایف تو بہت بعد میں نمودار ہوا)۔

فلسفہ کی دنیا میں خدا کے تصور پہ بے شمار نظریات موجود ہیں۔ مارٹی بہت بڑا انسان تھا جو ابھی محض 18 برس کا تھا جب اس نے ایک مضمون لکھا تھا جس کا عنوان تھا: ''کیوبا میں سیاسی قید''۔ یہ دراصل اس کا اپنا قصہ تھا جب اسے 16 برس کی عمر میں پاؤں میں جولان چڑھائے بہت ہی متشددانہ انداز میں قید کرلیا گیا تھا۔ اِس مضمون میں وہ لکھتا ہے: ''خدا موجود ہے، البتہ اچھے نظریات میں ۔۔۔۔ جو اچھا ہے وہ خدا ہے''۔ ہمارے عہد کے انقلابی استاذ سائیں کمال خان شیرانی کا

دعویٰ ہے کہ ''خدا'' پشتو کا لفظ ہے۔ جو دراصل ''خہ' دائے'' کی بگڑی ہوئی شکل ہے یعنی ''اچھا، ہے'' خہ' دائے ۔۔۔۔۔ حیرت ہوتی ہے کہ مارٹی سے لے کر کمال خان تک ہر اچھے اور نجیب انسان کو' میکارتھی سے لے کر پاکستانی میکارتھیوں نے ''بے خدا'' قرار دیا تھا۔ مارٹی نے صرف یہ نہیں کہا کہ '' جو اچھا ہے، وہ خدا ہے'' بلکہ وہ تو سماج میں موجود اخلاقی اصولوں پر سختی سے کاربند رہتا تھا۔ بھلا اخلاقی اصولوں کے بغیر کسی انقلاب کا سوچا جاسکتا ہے؟۔

اسی طرح مارٹی کی حب الوطنی متاثر کن تھی۔ وہ انسانی وقار اور عزت کو سب سے اہم سمجھتا تھا۔

جوزی جولیان مارٹی پیریز 28 جنوری 1853 میں ہوانا میں پیدا ہوا۔ وہ ماریانو مارٹی نامی ایک ہسپانوی شخص کا بیٹا تھا، جو کہ ریٹائرمنٹ کے بعد چوکیداری کرنے لگا تھا۔ اس کی ماں کا نام لیونار پیریز کابریرا تھا۔ وہ اپنی سات بہنوں کا سب سے بڑا بھائی تھا۔ اس کا ملک سپین کا غلام تھا ،لہٰذا وہ سپین سے اپنے ملک کی آزادی چاہتا تھا۔ چونکہ اس کے ملک میں غلام داری باقاعدہ موجود تھی ،وہ اس کے خاتمے کا بھی پیامبر تھا۔ بہت دلچسپ ہے کہ اپریل 1865 میں امریکہ کے صدر ابراہیم لنکن کے قتل کی خبر سن کر امریکہ دشمن مارٹی اور اس کے ساتھی طالب علم مل کر ماتم کرنے لگے ۔۔۔۔ اس لئے کہ اُس شخص نے اُن کے پڑوسی ملک میں غلامی ختم کرنے کا فرمان جاری کیا تھا۔

سپین کی چارسو سالہ غلامی سے کیوبا کی جدوجہد آزادی' دنیا کی رزمیہ تاریخ میں عظیم ترین کہانی ہے۔ مارٹی اپنی مختصر زندگی میں سپین کے خلاف بھی لڑا اور امریکہ کے خلاف بھی۔ دونوں ہی کیوبا کے لئے سامراج تھے۔ دراصل' امریکہ سپین کو ہٹا کر کیوبا کو اپنی غلامی میں لینے کے چکر میں تھا۔ مارٹی اُس کے عزائم خوب سمجھتا تھا۔ وہ امریکی عزائم کے خلاف تندوتیز مضامین لکھتا رہا۔ ایک بار اُس نے کہا تھا: ''میں اِس عفریت (امریکہ) کے اندر رہ چکا ہوں، اور اِس کی آنتوں کے پھیلاؤ سے واقف ہوں''۔

مارٹی آزادیِ وطن ،شہری آزادیوں اور انسانی عظمت کے لئے لڑاکا مجاہد تھا۔ اس نے 15 برس کی عمر ہی میں آزادی کی لڑائی شروع کی اور جلد ہی سارے عوام کی عزت اور محبت پائی۔

آیئے اس کا ایک قول پڑھتے ہیں: ''پہاڑ پر سے لڑھکتے پتھروں کی طرح عمدہ نظریات تمام رکاوٹوں اور بندشوں کے باوجود اپنے مقاصد تک پہنچ ہی جاتے ہیں۔ان کی رفتار تیز اور کم تو کی جا سکتی ہے مگر انہیں روکنا ناممکن ہے''۔۔۔۔بلاشبہ جدوجہد انسان کو فلاسفر بناتی ہے!!

اور اے میرے قاری! اگر آپ خود کو سخت معیار پر تولنے پہ بہت ہی بضد ہیں تو مارٹی کا یہ قول آزما لیں:

''جو شخص ایک بری حکومت کی تابعداری کرتا ہے، وہ ایماندار نہیں''۔

اچھا چلیں یہ فقرہ دیکھیں:

''کہنے'' کا بہترین طریقہ ''کرنا'' ہے۔

1869 میں اس نے اپنی پہلی سیاسی تحریر اخبار کے لئے لکھی۔اسی سال اس نے اپنا محبِّ وطن منظوم ڈرامہ ''ابدالا'' چھاپا۔اور اسی برس اس کا مشہور سونیٹ بھی شائع ہوا۔ یہ سب تحریریں آزادی کی خواہش اور اُس کے لئے جدوجہد پہ مبنی تحریریں تھیں۔

جوزی مارٹی انسانی آزادیوں کا بہت بڑا طرفدار تھا۔کتنا خوبصورت ارمان ہے اُس کا: ''اے آزادی، تم جن کے پاس ہو وہ تمہیں جانتے نہیں۔اور جن کے پاس تم نہیں ہو انہیں تمہارے بارے میں بات نہیں کرنی چاہیے، بلکہ تمہیں حاصل کرنا چاہیے''۔

جوزی مارٹی اپنی باغیانہ تقریروں اور تحریروں کی وجہ سے نوآبادیاتی حاکموں کے لئے ایک ناپسندیدہ اور خطرناک شخص بن چکا تھا۔اِس لئے کہ وہ React کرتا تھا، جواب دیتا تھا، اظہار کرتا تھا۔مثلاً جنوری 1869 میں کیوبا کے ایک طالب علم کو محض اس جرم میں موت کے گھاٹ اتار دیا گیا تھا کہ اس نے ایک سپینی فوجی افسر کے راستے سے ہٹنے میں دیر کر دی تھی۔اگلے ہی دن مارٹی کی ایک باغیانہ نظم شائع ہوئی۔

اکتوبر 1869 میں سپین کی حکومت نے غدار کہہ کر اسے جیل میں ڈال دیا۔مارٹی نے تسلیم کیا کہ وہ کیوبا پر سپین کی حکمرانی سے نفرت کرتا ہے۔اسے چھ برس کی قید با مشقت ہوئی۔حالانکہ قانون کے مطابق 16 سالہ شخص ''کم سن'' تصور ہوتا تھا مگر جبر میں کیا قانون، کیا حکومت؟۔

جب جولانوں نے پیر چھلنی کر دیئے اور وہ سخت بیمار پڑ گیا تو اسے جیل سے نکال کر ایک جزیرے میں جلاوطن کر دیا گیا اور پھر اسے سپین کو بدر کر دیا گیا۔

وہاں سپین میں اس نے قانون کی تعلیم حاصل کی۔۔۔وہ کیوبا پر سپین کی حاکمیت کے خلاف مضامین لکھتا رہا۔قانون کی ڈگری لینے کے بعد وہ فرانس چلا گیا جہاں اس کی ملاقات عالمی شہرت یافتہ ادیب وکٹر ہیوگو سے ہوئی۔وہاں سے وہ میکسیکو اور گوئٹے مالا چلا گیا' کیوبا داخلے پر پابندی جو لگی ہوئی تھی۔ان جگہوں پر وہ کیوبا کی آزادی کے لئے تقریریں کرتا رہا، لکھتا رہا، اور بولتا رہا۔1877 میں وہ ایک فرضی نام ''مارٹی'' کے ذریعے خفیہ طور پر کیوبا میں داخل ہوا۔اور وہاں تاریخ اور ادب کے استاد کی نوکری لی۔1879 میں وہ ایک بار پھر گرفتار ہوا اور اسے سپین جلاوطن کیا گیا۔

نوآبادیاتی حاکموں کے خلاف سازش کے الزام والا یہ جلاوطن' سپین کو چھوڑ کر امریکہ چلا جاتا ہے۔ آپ نے ہاکی میچ پر رواں تبصرہ سنا ہوگا۔۔۔سمیع اللہ، سمیع اللہ سے گیند شہناز کو، شہناز سے چھینی فلاں نے، اور فلاں سے گیا فلاں کو۔۔۔یہی حال جوزی کی جلاوطنیوں کا تھا۔۔۔امریکہ سے وینزویلا، وہاں سے آمریت نے ملک بدر کر دیا اور پھر وہ نیو یارک آیا' 1881 میں۔ یہاں وہ 1895 تک ٹکا رہا۔

نیو یارک ایوننگ پوسٹ کے ایڈیٹر کے نام 22 مارچ 1889 کو اس نے ایک خط لکھا:

''جناب والا، میں یہ خط اس مضمون کے حوالے سے لکھ رہا ہوں، جو پہلے ''مینوفیکچرر آف فلاڈیلفیا'' میں شائع ہوا، اور کل آپ کے اخبار میں۔اِس مضمون میں کیوبا کی تحریکِ آزادی کا منفی اور متعصّبانہ انداز میں تجزیہ کیا گیا ہے، اور امریکی انتظامیہ کو ترغیب دی گئی ہے کہ وہ سپین کو کیوبا سے بے دخل کر کے خود اس پر قبضہ کر لے۔کوئی باحمیت، کیوبن اس صورت حال کو قبول نہیں کرے گا کہ اس کے ملک پر ایک ایسا ملک (امریکا) قبضہ کر لے، جس کے لیڈر اسے حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔کوئی بھی خوددار اور دیانت دار کیوبن ایسے لوگوں کی اطاعت قبول نہیں کرے گا، جو اس کی اہلیت تسلیم نہیں کرتے، اس کی تذلیل کرتے ہیں اور اس پر کیچڑ اُچھالتے ہیں۔ہوسکتا ہے، کیوبا کے چند لوگ اپنی لاعلمی کے سبب کیوبا کو امریکہ کی تحویل میں دینے پر رضامند ہوں، لیکن جو لوگ

آزادی کی جنگ لڑ چکے ہیں، جلاوطنی میں زندگی بسر کررہے ہیں، اور یہاں اپنی ذہنی اور جسمانی محنت کے ذریعے بنجر زمینوں کو شاداب کررہے ہیں، کیوبا پر امریکا کا قبضہ قبول نہیں کریں گے۔ انہیں اس کی ضرورت نہیں ہے۔

''وہ اس قوم کے مداح ہیں کہ کس طرح اِس نے اپنی آزادی کی عمارت کھڑی کرلی، لیکن وہ اُن برائیوں کو ناپسند کرتے ہیں، جو اس عظیم مملکت کے اندر دل میں پھیلنے والے مہلک جراثیم کے مانند اپنی تباہ کاریوں میں مصروف ہیں۔ وہ اس ملک کے نام وَر فرزندوں کو اپنا سمجھتے ہیں، اور امریکی دولت مشترکہ کی کامیابی کو انسانیت کی کامیابی گردانتے ہیں۔ وہ یہ نہیں مان سکتے کہ حد درجہ خود پسندی، دولت کی چاہت' اور صبر آزما جدوجہد کے ذریعے حاصل کردہ آزادی کے بارے میں طویل عرصے سے جاری فخر ومباہات کا سلسلہ امریکا کو ایک ایسی مثالی آزاد قوم میں تبدیل کرسکتا ہے، جہاں کوئی بھی نقطۂ نظر لالچ پر مبنی نہیں ہوگا، اور انصاف اور نکوکاری کو پامال کرکے فتح اور منفعت حاصل کرنے کی تمنا پروان نہیں چڑھے گی۔ ہم لنکن کے ملک سے اسی قدر محبت کرتے ہیں، جس قدر اے کے کٹنگ (ایک امریکی صحافی جو امریکی انتظامیہ کو میکسیکو پر قبضہ کرنے کی ترغیب دیتا تھا) کے ملک سے خوف کھاتے ہیں۔

''ہم مفلس، آوارہ گرد، بداخلاق بونے نہیں ہیں، جیسا کہ ''مینوفیکچرز'' نے کہا ہے۔ نہ ہی ہم کھوکھلے باتونی اور بےعمل لوگ ہیں۔ ہم نے بہت جبر سہا ہے، ہم نے آزاد ہونے کے لئے دلیروں کی طرح جنگ کی ہے، بعض اوقات دیوؤں کی طرح۔ ہم مُہرِ سکوت توڑ چکے ہیں، ہماری بدقسمتی ہے کہ وہ لوگ ہمارا احترام نہیں کرتے، جنہوں نے ضرورت کے وقت کبھی ہماری مدد نہیں کی۔

''اس مضمون کے آخر میں یہ کہا گیا ہے کہ'' ہم مردانگی اور وقار سے محروم ہونے کے باعث ہی اتنے طویل عرصے سے سپین کی غلامی میں ہیں، اور ہماری بغاوتیں بھی اس حد تک غیر موثر رہی ہیں کہ انہیں تماشا ہی قرار دیا جاسکتا ہے۔ تاریخ اور کردار سے لاعلمی کا اس سے زیادہ عبرت ناک مظاہرہ شاید ہی کہیں سامنے آیا ہو، جتنا کہ اس سُوقیانہ اور گھٹیا الزام میں سامنے آیا ہے..........ایک تماشا! بیرونی مبصرین نے ہماری جدوجہد کو ایک عظیم رزمیے سے تعبیر کیا ہے۔

ہمارا پورا ملک اُٹھ کھڑا ہوا ہے۔ آزادی کے لئے لوگوں نے اپنا مال ومتاع نچھاور کردیا ہے۔ جن خطوں میں ہم آزاد ہوئے، ہم نے وہاں غلامی کا نظام ختم کردیا۔ اپنے شہر اپنے ہاتھوں سے جلا ڈالے، جنگلوں میں اپنے گاؤں بسائے اور فیکٹریاں تعمیر کیں۔ ہماری جدوجہد ختم نہیں ہوئی ہے۔ نئی نسل اپنے عظیم المرتبت اجداد کی جانشینی کا حق ادا کرنے کی پوری اہلیت رکھتی ہے۔ جب سے جنگ جاری ہے، سینکڑوں لوگ جیلوں کی تاریکیوں میں موت کا نشانہ بن چکے ہیں۔ آزادی کی یہ جنگ ہماری آخری سانسوں تک جاری رہے گی۔ ہم آزادی کی قیمت ادا کرنے کو تیار ہیں۔ ہمارے شہیدوں کا خون، اور ہماری مقدس یادیں رائیگاں نہیں جائیں گی اور خون میں ڈوبے ہمارے خرابے ہوس کار قابضین اور غیر ملکی کارخانوں کے لیے زمینیں فراہم کرنے کا وسیلہ نہیں بنیں گے''۔

جوزی مارٹی اِس شہر' سے اُس شہر' کیوبا کے جلاوطنوں اور تارکینِ وطن کو ڈھونڈتا رہا اور ''کیوبائی انقلابی پارٹی'' بناتا رہا۔ اسی پارٹی نے تو سپین کے خلاف تیسری اور آخری جنگِ آزادی کو منظّم کرنا تھا۔ یہ جنگ 1895 میں شروع ہوئی۔ مارٹی اور اُس کی پارٹی نے 1898 میں سپین کی فوج کو تو شکست دی مگر سپین کی جگہ امریکہ نے کیوبا کی ملکیت سنبھالی۔ اس طرح انیسویں صدی ختم ہوئی تو کیوبا کا مالک تبدیل ہوچکا تھا اور کیوبا کا جھنڈا اپنے دارالحکومت پہ نہ لہرایا جاسکا۔ اور 1902 نے بالآخر کیوبا کو آزادی دلائی تھی۔

جیسے کہ ہم بتا چکے ہیں کہ مارٹی اُسی زمانے میں بھی' جب وہ سپین کے خلاف کیوبا کی تحریک آزادی چلا رہا تھا، امریکہ کے عزائم سے بےخبر نہ تھا۔ اس کی زیرک آنکھوں نے دیکھ لیا تھا کہ امریکہ کو اپنی صنعتی پیداوار کے لئے نئی منڈیوں کی سخت ضرورت اور تلاش ہے۔ اُس کے معاشی بحران نے اُس کے میڈیا کے منہ میں ڈال رکھا تھا کہ امریکہ سپین سے کیوبا کو خرید لے یا اُس کو سپین سے چھین لے۔ اس لئے کہ کیوبا تو ایک منافع بخش، زرخیز ملک تھا جسے خلیجِ میکسیکو میں ایک سٹریٹجک پوزیشن حاصل تھی۔ حتیٰ کہ 1889 میں واشنگٹن کے اندر ایک کانگریس منعقد ہوئی جس میں اس بات پر بحث ہوئی کہ آیا کیوبا کو خریدا جائے یا اس پر قبضہ کیا جائے۔

مارٹی اس توسیع پسندی کے شدید ترین مخالفین میں سے تھا۔ وہ اپنی اِسی بات پر ڈٹا رہا:''

کیوبا کی مکمل آزادی چاہیے اور کچھ نہیں''۔اس کے خیال میں کیوبا کے مستقبل کا مفاد لاطینی امریکہ کے دوسرے برادر ممالک کے ساتھ تھا' نہ کہ امریکہ کے ساتھ۔ اس لئے کہ امریکہ اور کیوبا کے مفادات ایک دوسرے سے متضاد تھے۔

1895 میں وہ اُس کیوبائی جنگ میں خود کو جھونکنے کے لئے امریکی ساحلوں سے روانہ ہوا جسے وہ اب تک باہر بیٹھ کر بہت محنت سے منظّم کرتا رہا تھا۔ چنانچہ وہ کیوبا کے آزادی پسندوں کے ساتھ اس جنگ میں جُت گیا۔ جنگ جو کہ بارود اور گولہ کا کھیل ہوتی ہے۔مگر یہ شخص اپنے نظریے اور مقصد کے ساتھ اس قدر سختی سے جڑا ہوا تھا کہ ہٹنے کا تصور تک نہ ہوتا۔ اس مقصد سے ہٹنا خود اس کے بقول ''اُس وقت ممکن ہے جب شمال کا سمندر جنوب کے سمندر سے ملے یا عقاب کے انڈوں سے سانپ کے بچے پیدا ہوں''۔ کیوبا روانگی سے قبل مارٹی نے یکم اپریل 1895 میں اپنی ''ادبی وصیت'' لکھی۔ ہمارا یہ لاغر مارٹی، پرعزم مارٹی، دانشور مارٹی، یہ گوریلا 42 سالہ مارٹی جنگِ آزادی کی قربان گاہ کیوبا میں ایک چھوٹی کشتی میں سوار اترا۔ اپنی ڈائری میں موسیقی بھرے انداز میں لکھتا ہے: ''چاند سرخ ہوتا ہوا آتا ہے.......... ہم ایک چٹانی ساحل پر اترتے ہیں۔۔۔۔اور شہید ہوتے ہیں۔''

انہیں تین دفعہ گولی ماردی گئی۔

عشق کی نگرانی میں انسانی آزادی کے لئے لڑتا یہ مقتول ابدی زندگی پا گیا۔اُس کی ایک نظم کی کچھ سطریں یوں تھیں:

مجھے تاریکی میں دفن نہ کرنا
ایک غدار کی سی موت کی طرح
میں ایک صاحبِ کردار آدمی ہوں
اور ایک بہادر آدمی کی طرح
چاہتا ہوں کہ جب مروں تو
میرا چہرہ سورج کی طرف ہو

بلوچستان کے مارٹی' یوسف عزیز نے کہا تھا: ع:

سفرِ عشق نہ منزل نہ مقامے دارد

سچے معنوں میں انسانوں کو متحد کرنے والے قومی ہیروؤں کی ضخیم کتاب کے المناک باب میں مارٹی کا نام جلی حروف میں ملے گا۔ کیوبا کا یہ شہید نہ صرف صدی کا سب سے بڑا مقرر اور ادبی شخصیت تھا۔ بلکہ وہ حقیقی شان و وقار کا حامل، ایک شاعر بھی تھا۔ وہ صحافی، تجزیہ نگار اور عمل کا آدمی تھا۔ اُس کی تکریم محض اس لئے واجب نہیں کہ وہ سپین سے کیوبا کی آزادی کی جنگ میں سیاسی تنظیم کار تھا۔ بلکہ وہ تو اِس سے بڑھ کر ہے۔۔۔۔۔ کہ وہ ایک شہید ہے۔

سپین' سامراجی سپین، نوآبادکار سپین جس کے خلاف مارٹی لڑا اور اس حد تک تلخ انداز میں لڑا کہ بالآخر ماردیا گیا اور اُس کی لاش تک حوالے نہ کی بلکہ سپین کے فوجیوں نے لاوارثی میں اسے 7 مئی 1895 میں ہوانا میں دفن کردیا۔۔۔۔۔مگر مارٹی کی نظم کا ترجمہ تو دیکھیے۔ وہ اصل سپین کی کس قدر عزت کرتا ہے۔ نظم کا عنوان ہے: سپین کی رقاصہ۔(ترجمہ کی کمزوریاں میری!!)

میری لرزان و ویراں روح
رات پڑتے ہی تنہا ہوتی جاتی ہے
ایک شو ہو رہا ہے چلیئے دیکھ آتے ہیں
سپین کی رقاصہ نے پرفارم کرنا ہے

اچھا ہوا کہ اُتار دیا انہوں نے
جھنڈا' جو کہ دروازے پہ لگا ہوا تھا
اسلئے کہ میں نے عہد کیا تھا کہ مزید
وہاں نہ جاؤں گا جہاں یہ جھنڈا لہراتا ہو

سپین کی رقاصہ داخل ہوتی ہے

اِس قدر باوقار اس قدر پیلی
''کیا وہ گیلیشیا سے آئی ہے؟''
نہیں غلط کہتے ہیں وہ، وہ تو آسمان سے آئی ہے

اس نے بُل فائٹروں والا لباس پہن رکھا ہے
اور گہرے سرخ رنگ کی ٹوپی بھی
خوشنما لہردار کپڑے لونگ کی خوشبو
اور ابرو بہت بھلے لگتے ہیں
ایک حبشی جیسے سیاہ دلفریب ابرو
اور حبشی جتنی سیاہ ہیں پروقار آنکھیں اُس کی
اور اس کے کان ایسے سفید جیسے برف
روشنی، جھلملاتا مدھم ساز
اس کی آمد ہوئی شال میں چوغے میں
مقدسہ مریم کی اپنی شبیہہ
ہواؤں میں رقص کرنے

اس کا سر چیلنج کے انداز میں تنا ہوا
کاندھوں پہ بے آستین قبا پھیلی ہوئی
محرابی بازو سر پر فریم بنائے ہوئے
وہ اپنے پیر پر جوش انداز میں زمین پر تھپتھپاتی ہے
اس کی نپی تلی تھپ تھپاہٹ کثافت کو چیرتی ہے
جیسے کہ ہر ایڑی ایک خنجر ہو

اور سٹیج کی پچی کاری کرتی ہوئی
مردوں کے ٹوٹے دلوں کے ساتھ

جشن کا احساس روشن ہے
اس کی آنکھوں کی آگ میں
سرخ چھوٹی نقطوں والی شال اڑتی ہے اب
ہوا میں
کہ وہ گھومتی ہے

ایک فوری لپک سے وہ نیچے جھولتی ہے
گرداب بن جاتی ہے، وہ پیچھے ہٹتی ہے اور پھر جھپٹتی ہے
کشمیری شال کو پھیلاتے ہوئے
اپنا سفید چوغہ دکھانے کو

اس کا سارا بدن جھولتا ہے دیکھنے والے کی جان لے لیتا ہے
اس کا کھلا دھن ورغلاتا ہے
وہ رقصاں، ایک گلاب اس کے منہ میں
ہمہ وقت اپنی ایڑیاں تھپتھپاتی ہے

پھر مڑتی ہے، آہستگی سے، ہوا میں
لمبی اور سرخ نقطوں والی شال
اور سب کی طرف آنکھیں بند کرتے ہوئے

ایک گہری سانس میں سب کو چھوڑ جاتی ہے۔۔۔۔

سپین کی رقاصہ نے خوب کیا
سرخ اور سفید تھی اس کی لمبی شال
وہ لرزاں تمہاری روح
پھر واپس ہوئی اپنی کوٹھڑی میں

سپین!! تم تاریخ کے بہت بڑے مجرم ہو۔ تم نے نہ صرف مارٹی جیسے بڑے انسان کا قتل کر دیا بلکہ پھر اُس کیوبا کو خود رکھ بھی نہ سکے۔ مارٹی کو شہید کرنے کے فوراً بعد تم نے کیوبا کو امریکہ کے صدر کے ہاتھ بیچ دیا۔ تھرڈ کلاس نوآبادکار!!

لیکن مارٹی کو تمہارے اِس دیوالیہ پن کا پتہ تھا۔ اس لیے اُس نے اپنے وطن کی آزادی کی تحریک کے دو مقاصد رکھے:

نمبر1: تم سے آزادی اور امریکہ کی بڑھتی ہوئی طاقت سے کیوبا کو دور رکھنا۔

نمبر 2: اپنے آزاد کردہ ملک میں سماجی انصاف اور منصفانہ معاشی نظام کا قائم کرنا۔

مارٹی، کیوبا کی آزادی کا پیامبر اپنے فریضے کو یوں بیان کرتا تھا:

”میرا فریضہ ہے کہ کیوبا کی آزادی سے امریکہ کو ویسٹ انڈیز تک پھیلنے سے روکا جائے اور اسے ہمارے براعظم کے دوسرے علاقوں پر قبضہ کرنے نہ دیا جائے۔ میں نے اب تک جو کچھ کیا ہے یا جو اُس کے بعد کروں گا وہ اسی مقصد کے لئے ہے............“

مارٹی کا پاک ارمان تو ملاحظہ کریں: ”ہم تنور جلاتے ہیں تا کہ ہر ایک اس میں روٹیاں پکا سکے۔ اگر میں زندہ رہا تو اس تنور کے سامنے تمام عمر صرف کرنے کو تیار ہوں، تا کہ اس بات کو یقینی بنا سکوں کہ کسی کو روٹی سے محروم نہیں کیا جا رہا، خاص کر اُن لوگوں کو جو آٹا نہیں لا سکتے“۔

جوزی مارٹی انسانوں میں محبت، اتحاد اور یگانگت کا پر جوش حامی تھا۔ وہ نیکی کو فیشن بنا دینے کا حامی تھا۔ وہ ہمہ وقت نوآبادیت، غلامی اور ناانصافی کے خلاف ایک منصفانہ اور لازمی جنگ

شروع کرنے اور منظم کرنے میں لگا رہا۔ کیوبا کی آزادی کی خاطر اس کا خون اولین تھا جو بہا، اور اس کی زندگی اولین تھی جو ایثار اور ذات کی قربانی کی علامت بنی۔

مارٹی 19 مئی 1895 میں کرہ ارض کے سارے باسیوں کے جینے کے حق کی خاطر قتل ہوا۔ اس نے اپنے دوست کو لکھے گئے خط میں کہا: ”میں اپنے وطن اور اپنے فرض کی خاطر ہر روز اپنی زندگی سے محروم کر دینے کے خطرے میں ہوں۔ اس لئے کہ میں اپنے فرض کو سمجھتا ہوں اور اسے سرانجام دینے کی جرات رکھتا ہوں“۔

زبردست آدمی تھا مارٹی، ایک انقلابی فلسفی، ایک پروفیسر، ایک پبلشر، ایک صحافی، ایک سیاسی مفکر، شاعر، لیڈر!!۔ اس کی تمام تصانیف میں آزادی، جمہوریت اور انصاف کے تصورات آپ کو اٹوٹ انداز میں بغلگیر ملیں گے۔ وسیع تجربے اور وسیع علم نے اس کی تحریروں کو بہت غنی، بہت ابدی بنا ڈالا۔

ابدیت کی بات ہو رہی ہے تو یہ فقرہ دیکھیے جو اس نے آج سے ڈیڑھ سو برس قبل لکھا تھا اور جو ابھی تک عملی ہے: ”اپنی زندگی قربان کر دینا آپ کا حق ہے، مگر صرف اُس وقت جب آپ اسے خودغرضی سے پاک ہو کر قربان کر دیں“۔۔۔۔۔ اس کا تو یہاں تک کہنا تھا کہ ”ایک خودغرض آدمی چور ہوتا ہے“۔

اس بے لوث، اور خودغرضی خودستائی سے پاک مارٹی کو جب قتل کر دیا گیا تو اس کے بعد سپین نے سب کچھ کچل ڈالا اور ایک بار پھر تباہی مچا دی۔ پڑوسی ملک ریاستہائے متحدہ امریکہ اور سپین کی کیوبا پر قبضہ کیلئے باہمی لڑائیاں ہوتی رہیں۔ کبھی سپین حاکم، کبھی امریکہ۔ کیوبا جا کر 1902 میں آزاد ہوا۔

جوزی مارٹی دنیا بھر میں قومی آزادی کی تحریکوں کے لئے مشعلِ راہ ہے۔ وہ اس بات کو غیر فطری قرار دیتا تھا کہ ایک الگ شناخت اور ثقافت والے ملک کو دوسرا ملک اپنا مقبوضہ بنائے۔

جوزی مارٹی سماج میں عورتوں کو برابری کی حیثیت دیتا تھا۔ اس کا عقیدہ تھا کہ قوموں کی چلائی ہوئی تحریک صرف اُس وقت کمزور ہوتی ہے جب اُن کی عورتوں کے دلوں میں تحریک کی

حمایت کم ہو۔مگر جب عورتیں حرکت میں آ جائیں ، جب عورتیں جو کہ فطرتاً پرسکون اور کنٹرول والی ہوتی ہیں ، حوصلہ افزائی کریں ، جب نیک اور فہمیدہ عورتیں اپنی میٹھی محبت کے ساتھ اس کام کو وقار بخشیں ، تب یہ نا قابلِ تسخیر ہو جاتی ہے۔

مارٹی کو ووٹ پر، الیکشن وانتخابات پر بہت پختہ یقین تھا۔اس نے ووٹ کے بارے میں لکھا تھا: ''یہ آنکھ کھولتا ہے، لرزتا ہے، سو جاتا ہے، اپنا بدن بیچتا ہے، غلطیاں کرتا ہے، اس کا بلادکار ہو جاتا ہے، اسے فروخت کیا جاتا ہے۔ ووٹر جانوروں میں تبدیل ہو جاتے ہیں، پولنگ بوتھوں کا محاصرہ کرلیا جاتا ہے، بیلٹ باکس چھین لیے جاتے ہیں' نتائج بدل دیے جاتے ہیں، اعلیٰ عہدے ہتھیا لیے جاتے ہیں...........ان تمام باتوں کے باوجود اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ ووٹ ایک حیران کن اور نا قابلِ تسخیر ہتھیار ہے۔انسان نے اپنے معاملات چلانے کیلئے جو آلات بنائے ہیں، ان میں ووٹ سب سے موثر اور نتیجہ خیز آلہ ہے''۔

2008 میں مارٹی کا مجموعہِ تصانیف 16 جلدوں میں چھپ چکا ہے۔اس کی بہترین اور محترم تحریریں بچوں کے لئے لکھی گئی کتابیں ہیں۔ان میں ''سنہرا زمانہ'' کو سب سے زیادہ پڑھا جاتا ہے۔اس کے اخباری مضامین بہت دلچسپی سے پڑھے جاتے تھے۔مارٹی نے 22 سال کی عمر میں صحافت میں قدم رکھا۔اسی طرح اس نے بہت بڑی تعداد میں خطوط لکھے تھے۔اس کی شاعری بھی بہت مقبول ہے۔اس نے شاعری کے دو مجموعے اپنی زندگی میں چھپوائے تھے۔ پورے لاطینی امریکہ میں اس کی شاعری کو بہت اچھی موسیقی کے ساتھ گایا جاتا ہے جو بہت ہی مقبول ہے۔

کہتے ہیں کہ اس نے ایک ناول بھی لکھا تھا۔

پورے لاطینی امریکہ' اور دنیا بھر میں انسانی آزادیوں کے پرچارک ، جوزی مارٹی کو اپنی قومی آزادی اور سوشلزم کا ہیرو قرار دیتے ہیں۔ بالخصوص کیوبا میں تو لوگ اس کے سیاسی ونظریاتی مرید ہیں۔ وہ کیوبا کی مارکسسٹ انقلابی حکومت کے لئے نظریاتی فیض کا اہم ترین سرچشمہ ہے۔ آج' اُس کی تحریریں پورے لاطینی امریکہ میں امریکی سامراج کے خلاف نظریاتی ہتھیار کا کام دے رہی ہیں۔

کیوبا کے علاوہ پورے لاطینی امریکہ میں مارٹی کے بہت بڑے مجسمے نصب نظر آتے ہیں۔کیوبا میں ہوانا کے سب سے بڑی ہوائی اڈے کا نام ''جوزی مارٹی انٹرنیشنل ایئرپورٹ'' ہے۔ اُس کی جائے پیدائش لاہبانا کا ہوائی اڈہ بھی اُسی کے نام سے منسوب ہے۔اس کے نام پر ایک پورا شہر ''مارٹی'' بسایا گیا ہے۔کیوبا کے مختلف شہروں میں مارٹی کے نام کی سڑکیں ہیں۔

مارٹی ہر اچھے انسان کے دل میں موجود ہے۔

فِیڈل کاسٹر

Fidel Castro

''سوشلسٹ حکومت میں کسی شہری کو اپنی تقدیر کے
حوالے ہونے کے لئے اکیلا نہیں چھوڑا جاتا......''

- کاسٹرو

پٹ وپیرُک

آپ لاکھ کوشش کر کے بتا دیں کہ اُس کا نام ''فِیڈل کاسٹرو'' ہے مگر کسی نہ کسی محفل میں ضرور سنیں گے کہ اُس نام کو پھر ''فیڈل'' سے ''فیڈرل'' بنا دیا جاتا ہے۔

اسی طرح کی ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ خود کیوبا والے اپنے کیوبا کو کیوبا نہیں بلکہ ''کوبا'' کہتے ہیں۔۔۔آیئے ہم ''کوبا'' کے ''فِیڈل'' سے متعلق کچھ باتیں کریں۔

کیوبا اور فیڈل کی تاریخ بہت متحرک، رنگین، بہت ناہموار، اور بہت بھرپور رہی ہے۔کیوبا میکا رتھی، بُش، اور ریگن والے ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی عین کھڑکی پہ واقع ہے۔اسے 1492 میں سپین کے کرسٹوفر کولمبس نے دریافت کیا تھا اور اس پر جھٹ سے سپین کا دعویٰ کر دیا۔جیسے بچے کھلونا دیکھ کر اس پر اپنا قبضہ جماتے ہیں۔

1492 میں کولمبس نے اِس سرزمین پر قدم رکھا تو اِسے جزیرے کے بجائے پورا برِ صغیر سمجھ کر اپنے شہنشاہ کو ایک طویل وعریض مملکت کی خوشخبری دینے لوٹ گیا۔ چند برس کے بعد ہسپانیہ کی ''مسیحی'' فوج کیوبا میں اتری۔

یہ ایک پورا ملک تھا اور اس جزیرے پر ہزاروں سالوں سے آبادی موجود تھی، جو کہ کھیتی باڑی اور شکار پر گزارہ کرتی تھی۔مگر سامراجیت بڑی ظالم چیز ہوتی ہے۔ایک پورا ملک دیکھ لیا اور بچوں کی سی ضد میں کہہ دیا ''یہ ہمارا ہوا''۔ویسے بھی کسی سپر پاور اور ایک ضدی بچے میں کوئی فرق ہوتا بھی نہیں۔طاقت انسان کو بچہ بنا دیتی ہے۔''یہ ہمارا ہوا''۔یعنی پورا کیوبا ''کولمبس خان'' کا ہوا، سپین کا ہوا۔

لفظ کوبا کا مطلب ہے ''مرکزی جگہ''۔چنانچہ سپین نے براعظم امریکہ میں اپنی تمام نو آبادیوں کی طرح اس مرکزی جگہ، کیوبا کو بھی ''اپنا'' بنا ڈالا۔(یہ اپنا بنانا تو عام انسانی زبان میں بہت ہی مقدس معنے دیتا ہے۔مگر سامراجی لغت میں اِس کا مطلب ہے ''میرا غلام''، ''میرا کھلونا''، ''میری نو آبادی''!)...........اور سامراجی سپین نے اُن بقیہ نو آبادیوں کی طرح اس ملک پر بھی ظلم کے پہاڑ گرائے۔اس نے مقامی انسانوں کو غلاموں میں بدل دیا اور پوری آبادی کو جبر، تشدد اور قتل وغارت سے برباد کر ڈالا۔

اگلے برس یہاں کی کوتاہ پیشانیوں اور سپاٹ سروں والے پس ماندہ بھولے بھالے باشندوں کو ثوابِ دارین کی خاطر چُن چُن کر ٹھکانے لگا دیا، پھر یہ مہذب اور دین دار فرنگی افریقا سے بے شمار نیگر و غلام پکڑ لائے۔اتنی بڑی تعداد میں کہ وہ آبادی کا ایک بہت بڑا حصہ بن گئے۔بلوچستان انگریز کا محض 80 برس تک غلام بنا رہا۔مگر کیوبا 388 برس تک سپین کی نو آبادی بنا رہا۔اس سے بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے کہ سپینی نژاد نو آباد کاروں کا ایک زمیندار گروہ سماجی اور معاشی طور پر وہاں کا مقتدرہ بنا ہوگا جس کے زیرِ قدرت چھوٹے کسانوں، مزدوروں اور غلاموں کی محنت ہمہ وقت دستیاب وموجود تھی۔اُن افریقی غلاموں کا خون پسینا ایک کر کے اُن سے گھنے جنگل کٹوائے، زمینیں کاشت کروائیں اور شہر آباد کرائے۔بہت سے آقاؤں نے غلاموں کی عورتیں بھی گھر میں ڈال لیں۔اُس اختلاط سے کیوبن قوم پیدا ہوئی لیکن کوئی ساڑھے تین سو برس تک اُن پر راج

کرنے کے لیے گورنر اور افسر بہ دستور ہسپانیہ سے آتے رہے۔

تقریباً چار سو برس بعد 1868 میں آزادی کی باقاعدہ لڑائی شروع ہوئی اور دس سال بعد سپین نے کیوبا کو ذرا سی خودمختاری دینے کا وعدہ کیا۔۔۔مگر سامراج کا کیا وعدہ، اور کیا ایفا؟۔ بہر حال یہاں 1886 میں کہیں جا کر غلام داری ختم کی گئی۔

1895 میں تیس برس کی طویل اور خوں ریز جدوجہد کے بعد امریکی فوجیں باغیوں کی کمک کو پہنچیں اور کیوبا میں ہسپانوی اقتدار کا خاتمہ ہو گیا لیکن ساتھ ہی یہ بھی ہوا کہ مشہور محاورے کے مطابق کیوبا کی امریکی سہیلی آگ لینے آئی اور گھر والی بن بیٹھی۔ دراصل امریکی حکمران اُس سے تقریباً نصف صدی پہلے کیوبا پر اپنی ہوسِ تسلط کا اعلان کر چکے تھے۔ یہ 1848 کی بات ہے جب امریکا نے دس کروڑ ڈالر کے عوض یہ جزیرہ ہسپانیہ سے خریدنے کی کوشش کی اور ہسپانیہ کے انکار پر امریکی اربابِ اختیار نے ایک بیان مشتہر کیا۔ اُس بیان میں یہ کہا گیا کہ جغرافیائی اعتبار سے کیوبا امریکی ریاست ہائے متحدہ کا جزو ہے۔ اگر ریاست ہائے متحدہ کو اُس کی خرید سے باز رکھا گیا تو ہر دینی اور دنیوی قانون کی رو سے ہمیں حق پہنچتا ہے کہ ہم اُسے بہ زورِ شمشیر فتح کر لیں۔

اِسی ''دینی اور دنیوی قانون'' کے ماتحت 1899 میں امریکی بحری فوجیں کیوبا میں داخل ہوئیں اور کیوبا کے دستور میں جبراً ایک نئی شق کا اضافہ کروایا۔ اِس شق کا مفہوم یہ تھا کہ امنِ عامہ یا امریکی مفادات کے تحفظ کے لیے امریکی حکومت جب چاہے کیوبا میں اپنی فوجیں اتار سکتی ہے۔ اِس اختیار کو سہولت سے برتنے کے لیے امریکا نے کیوبا میں ایک مستقل فوجی اڈہ قائم کرنے کا اجارہ بھی حاصل کر لیا۔ چنانچہ گوانتا موبے کا 45 مربع میل کا ٹکڑا امریکہ نے ہڑپ لیا۔ زور آور نے ابھی تک کیوبا کے اس حصے پر قبضہ جما رکھا ہے۔

حصولِ آزادی کے بعد اہلِ کیوبا کو بار بار فوجی مداخلت کا سامنا کرنا پڑا۔ 1899 میں پہلی بار امریکا نے فوج کشی کی۔ پھر 1909 اور 1920 میں، غرض جب بھی طبع نازک برہم ہوئی اہلِ کیوبا کو سرِ تسلیم خم کرنا پڑا اور اُن حزیمتوں کے داغ لوگوں کے دلوں پر اب تک نقش ہیں۔

یہاں سرمایہ داری نظام تھا، ملک کے اندر اور باہر امیر لوگوں کی مراعات تھیں عام انسان

کے بنیادی ترین حقوق بھی سلب تھے۔ دولتمندوں مقتدروں کو فاقہ، جہالت، بے روزگاری، اراضی کے مسائل، تعلیم اور صحت کے بارے میں کسی طرح کی کوئی پریشانی نہ تھی۔

انجیل کاسٹرو، ہمارے اِس ممدوح کے والد کا نام تھا۔ وہ ایک غریب آدمی تھا۔ نور محمد ترہ کی کے ناول ''سنگسار'' کے ہیرو کی طرح فیڈل کاسٹرو کے والد کو بھی کسی امیر آدمی نے خود فوج میں جانے کے بجائے معاوضہ دے کر اپنی جگہ فوج میں بھیج دیا۔

ہمارے بلوچستان میں اِس کے الٹ ہوتا ہے۔ ہمارے ہاں لازمی فوجی سروس نہیں ہوتی۔ لیویز کی نوکریاں ملتی ہیں۔ وہ بھی بڑے لوگوں کو۔ وہ اپنی اس نوکری پر کسی غریب کو رکھ لیتے ہیں جسے ''باز گیر'' کہتے ہیں۔ وہ باز گیر لیویز کی نوکری کرتا ہے اور مہینے کے آخر میں جب تنخواہ لیتا ہے تو اس کا ایک حصہ نوکری کے مالک کو دیتا ہے جسے ہم ''کاٹ'' کہتے ہیں۔

سپین کے اس باز گیر فوجی سپاہی کو کیوبا بھیج دیا گیا۔ فیڈل کے والد کا بچپن بھی بہت بد قسمتی میں گزرا تھا۔ گیارہ برس کی عمر میں اُس کی والدہ مر گئی تھی۔ اُس کے باپ نے دوسری شادی کر لی۔ بچہ، قسمت کے حوالے!!

معاوضے پر رکھے گئے یہ سپاہی جنگ کے اختتام پر 1898 میں واپس سپین بھیج دیے گئے۔ مگر اگلے ہی سال وہ بے روزگاری کے ہاتھوں مجبور ہو کر دوسرے لوگوں کے ساتھ محنت مزدوری کرنے کیوبا آ گیا۔ نہ جیب میں آنہ، نہ سر چھپانے کو ٹھکانہ۔

پھر امریکی کمپنیوں نے کیوبا کی زمین پر گنا کاشت کرنا شروع کیا۔ یہ کمپنیاں جنگلوں کی کٹائی کر کے وہاں کھیت بناتی تھیں۔ کاسٹرو کے والد نے یہی مزدوری شروع کی۔ کچھ عرصہ بعد وہ اِن کمپنیوں کو مزدور سپلائی کرنے کا ٹھیکیدار بنا۔ وہ دوسرے غریب لاطینی امریکہ کے ممالک سے آئے بے روزگاروں کو اِن کمپنیوں کو مزدوروں کی حیثیت سے سپلائی کرتا تھا۔ اس طرح وہ امیر ہوتا گیا۔ اس نے پٹے پر زمین حاصل کرنا شروع کر دیا۔ بعد میں تو اُس نے خود اپنی زمینیں خریدنی شروع کر دیں۔ اور کرتے کرتے وہ ایک بہت بڑا زمیندار بن گیا۔ کہتے ہیں کہ اس کے پاس آبائی اور بارانی ملا کر 25 ہزار ایکڑ سے زیادہ زمین تھی۔

فیڈل کی ماں کیوبائی تھی۔ نانا بیل گاڑی چلاتا تھا۔ فیڈل کی ماں مکمل طور پر ناخواندہ تھی۔ اس نے محنت کر کے پڑھنا اور لکھنا سیکھ لیا۔ اُس کی والدہ نے کُل سات بچے جنے۔ فیڈل کی ماں تو اصل میں انقلاب کی ماں بنی۔ وہ انقلاب کی فتح کے ساڑھے تین سال بعد تک زندہ رہی۔ چھ اگست 1963 میں اس کا انتقال ہو گیا۔

بلاشبہ ہر انسان طبعی طور پر اپنی ماں باپ کی اولاد ہوتا ہے مگر اس کی شخصیت بنانے میں حالات و واقعات، حوادث و سانحات، اور جدوجہد بھی تو والدین جیسا کردار ادا کرتے ہیں۔ کاسٹرو کے ساتھ ایسا ہی ہوا' اس کے یارِ غار چے گویرا کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا۔

امیر شخص اینجل کاسٹرو کا یہ بیٹا ہر 13 اگست کو عمر میں ایک سال بڑا ہوتا جائے گا۔ وہ 1926 کو پیدا ہوا۔ اُس کا مشہورِ عالم سیاست دان و انقلابی سگا بھائی راؤل اُس سے ساڑھے چار برس چھوٹا ہے۔

اُس کا نام تین حصوں پر مشتمل ہے: فِیڈل، کاسٹرو، رُز۔ جس میں محض فیڈل اُس کا اپنا نام ہے۔ اینجل کاسٹرو نامی اپنے باپ کے نام سے اس نے لفظ کا''سٹرو' لے لیا اور' لینا رُز گونزالیز' نامی ماں سے لفظ ''رُز'' لے لیا۔ اس طرح وہ اپنے نام کو تکمیل دینے والا ''فِیڈل کاسٹرو رُز' بنا۔ فیڈل کا نام خاندان میں سے کسی کا نہ تھا۔ اُس پر دراصل فیڈل کا نام والد کے ایک لکھ پتی دوست فیڈل پینو سانٹوس کے نام پر رکھا گیا تھا۔

فیڈل کے بقول : ''میرے ننھے سے گاؤں بیرین میں نہ تو ڈاکخانہ تھا، نہ تار گھر کی تاریں تھیں اور نہ ہی چھوٹے سے پبلک سکول تک میرے باپ کی رسائی تھی''۔(1) ۔ فیڈل کو چار سال کی عمر میں مقامی سکول بھیج دیا گیا۔۔ اور دو سال بعد اسے شہر ''سنٹیا گو'' بھیج دیا گیا۔ وہ وہاں گھر سے بہت دور ایک واقف کار کے گھر میں رہتا تھا جو کہ سکول ٹیچر تھی۔ گو کہ اُس واقف کار کو اُس کے پیسے ملتے تھے۔ مگر اس نے اپنی غربت اور فیوڈل روایت کے تحت اس بچے پر ظلم کے پہاڑ گرا دیئے۔

یہ گھرانہ بہت غریب تھا۔ گھر میں مفلسی کا راج تھا۔ بھوک کا راج۔ فیڈل کم خوراکی میں تین برس تک وہاں رہا۔ واہیات اخلاقیات کے نام پر اُس پہ عام بچوں والی تفریح کے دروازے بند

تھے، اُس خاندان کی غربت کی وجہ سے یکساں اور کم خوراک اس کا مقدر بنی۔ وہ سوکھ کر کانٹا ہوا۔ ماں باپ کو پتہ ہی نہ چلا کہ اسے تعلیم بھی نہیں دی جاتی تھی۔ اُس کا وقت برباد ہوا، اور اسے کم عمری میں بدترین زمانہ بھگتنا پڑا۔ اس واقف کار نے فیڈل کے والدین سے ملنے والے معاوضے کی رقم کو روزگار بنا لیا اور بچے پہ کچھ بھی خرچ نہ کیا۔ بدترین استحصال!! ۔ ایک امیر ماں باپ کا بیٹا پیسہ بھیجے جانے کے باوجود ہر نعمت سے محروم تھا۔

اور جب والدین کو اصل صورت حال معلوم ہوئی تو انہوں نے اسے سنتیا گو کے امیروں کے سکول میں ایک بورڈنگ سٹوڈنٹ کے بطور داخل کر دیا۔ یوں اس کی ابتدائی تعلیم امیروں کے کیتھولک سکولوں میں ہوئی۔ سارے ٹیچر سپین کے تھے اور انتہائی رجعت پرست تھے۔

سکول میں چھوٹا بھائی راؤل بھی ساتھ تھا۔ ایک لحاظ سے فیڈل اُس کا انچارج تھا۔ اور وہی اس کی پڑھائی اور دیگر چھوٹی موٹی ضرورتوں کو پورا کرتا تھا۔

سکول میں فیڈل ایک اچھا پڑھنے والا بچہ تھا۔ کوئی بہت زیادہ نمایاں پوزیشن والا تو نہیں لیکن اچھا گزارا کرنے والا۔ اس بچپن و لڑکپن کے زمانے میں بھی اُسے نا انصافی پسند نہ تھی۔ اسے اتھارٹی اچھی نہیں لگتی تھی۔ وہ ظلم سے نفرت کرتا تھا۔ چنانچہ سکول انتظامیہ سے کبھی کبھی اَن بن بھی ہو جاتی تھی۔ فیڈل باغی تو نہیں بن رہا تھا مگر وہ انصاف پسند ضرور بنتا جا رہا تھا۔ علم نہیں بلکہ تجربہ اُسے اچھے انسان کے بطور ڈھال رہا تھا۔

مسلسل تعلیمی کامیابیاں اُسے ''ہوانا'' لے گئیں۔ وہ ہائی سکول کی تعلیم کیلئے 1942 میں ہوانا میں یسوعیوں کے ادارے ''کالیجو ڈی۔ بلن'' میں داخل ہو گیا۔ یہ ملک کا بہترین سکول تھا۔

حوالہ

1۔ کاسترو، فیڈل ہفت روزہ عوامی جمہوریت، لاہور۔ اپریل 2014

یونیورسٹی: سیاست کی ماں

جی ہاں یونیورسٹی، سیاست کی ماں ہوتی ہے۔کاسٹرو اعلیٰ تعلیم کیلئے ہوانا یونیورسٹی گیا اور قانون کے شعبے میں داخلہ لیا۔اس وقت تک وہ سیاست سے نا بلد تھا۔ یہاں یونیورسٹی میں طاقت، خوف اور اسلحہ کی حکمرانی تھی ۔ گینگ بنے ہوئے تھے اور گینگ لیڈر عہدوں، رشوتوں ، ملازمتوں اور دیگر سہولتوں کے مالک تھے۔اسی زمانے میں وہاں کیوبائی پیپلز پارٹی (آرتھوڈوکس پارٹی) موجود تھی جس کی سربراہی چِباؔ کی بغاوت کے نظریات کرتے تھے۔کاسٹرو پہلے ہی سال سیاست میں گھس گیا۔ظاہر ہے وہ آرتھوڈوکس پارٹی کی سیاست سے منسلک ہوگیا کہ افتادِ طبع ہی ایسی تھی۔اس نے خفیہ اخبار نکالنا شروع کردیا۔1950 میں اس نے 24 سال کی عمر میں گریجویشن کرلی۔

فِیڈل کی یونیورسٹی پڑھائی کی دلچسپ بات یہ ہے کہ اس نے لیبر قوانین میں نمایاں پوزیشن حاصل کی جبکہ ملکیت وجائیداد کے قوانین میں محض بہ مشکل پاس ہی ہوا۔جبکہ بعد میں اس کی پوری عملی زندگی کو اسی ملکیت وجائیداد کے خلاف لڑائی کے لئے وقف ہونا تھا۔

اس دوران اس کا انقلابی ساتھی اور چھوٹا بھائی راؤل کاسٹرو یونیورسٹی میں سوشیالوجی پڑھ رہا تھا اور کمیونسٹوں کے قریب آرہا تھا۔

دیکھا جائے تو کاسٹرو کو تو ہر لحاظ سے ایک رجعت پرست شخص بننا تھا۔ایک وجہ تو یہ کہ وہ ایک بڑے جاگیردار کا بیٹا تھا۔دوئم یہ کہ وہ دینی سکولوں میں پڑھا جن میں امیروں کے بچے پڑھتے

تھے۔اس کے رجعتی ہونے کے امکان کی تیسری وجہ یہ تھی کہ وہ اس کیوبا میں رہتا تھا جہاں سارے علوم ، اشاعتوں،اور ابلاغِ عامہ پر ''میڈ اِن یو ایس اے'' لکھا ہوتا تھا۔اور تیسری دنیا کے لیے سامراجی امریکہ کی تعلیم رجعت ومیکارتھی والی تھی۔

ہوانا یونیورسٹی میں موجود ہزاروں طالب علموں میں سے صرف 30 طلبا سامراج دشمن تھے۔اور کاسٹرو اُن میں سے ایک تھا۔اس نے بورژوا علم المعیشت پڑھنے کے بعد اِس مروج سماجی نظام پہ عدم اعتماد کرنا شروع کردیا۔اس نے اس نظام میں خامیاں دیکھیں۔اور چونکہ وہ زمیندار کا بیٹا تھا اس لئے اس کا واسطہ دیہات اور کسانوں سے پڑتا تھا۔کسانوں سے گھلتا ملتا تو اُن کے مسائل کے بارے میں جانکاری پاتا۔اس طرح اُسے باریکی سے اُس استحصالی نظام کو جاننے کا موقع ملتا رہا۔اُس کے دل میں اس کے خلاف ایک ناپسندیدگی پیدا ہوتی گئی۔

اسی طرح قانون کے شعبے کی تعلیم کے دوران اس کے اندر کچھ مثبت چیزیں پیدا ہونے لگیں۔۔۔۔نیکی کیا ہے؟ بدی کا تصور کیسا ہوتا ہے؟ اور انصاف کیا ہوتا ہے؟۔بس ایک عمومی رجحان اس میں پیدا ہونے لگا۔اسے انسانوں پہ زیادتی ناپسند لگنے لگی۔

یونیورسٹی خواہ جس قدر رجعتی ہو، بہر حال نئے خیالات کی آماجگاہ ہوتی ہے۔یونیورسٹی کا نصاب خواہ کیسا بھی ہو، اس میں انسان سوچنا شروع کرتا ہے، بحثیں کرتا ہے اور نتائج نکالتا ہے۔کاسٹرو جیسا حساس ذہن اچھے اچھے خیالات کو بڑی تیزی سے جذب کرتا جارہا تھا۔وہ انسانی سماج کا تجزیہ کرنے لگا اور یوں وہ ایک یوٹوپیائی کمیونسٹ بننے لگا۔

اور اگر دیکھا جائے تو سوائے مارکسزم اور مارٹی کی کتابوں کے، کاسٹرو کا کوئی سیاسی استاد نہ رہا۔اُس کی زندگی کے تجربات اور اُس کے ملک کے عوام کی درد بھری زندگی ہی اس کے استاد رہے۔جدوجہد ہی اسے پڑھاتی لکھاتی سکھاتی رہی۔

اس وقت تک وہ مارکس، اینگلز اور لینن سے اچھی خاصی شناسائی پیدا کرچکا تھا۔کمیونسٹ مینی فیسٹو کے علاوہ، فرانس میں خانہ جنگیاں، اٹھارویں برومیئر، گوتھا پروگرام کی تنقید جیسی کتابیں پڑھ چکا تھا۔فیڈل لینن کی تصانیف ''ریاست اور انقلاب'' اور'' سامراج، سرمایہ داری کا اعلیٰ ترین

مرحلہ'' بھی پڑھ چکا تھا۔ وہ بالخصوص اینگلز کی دو کتابوں سے متاثر تھا۔ ایک تھی: انگلینڈ میں مزدور طبقے کی تاریخ'' اور دوسری ''فطرت کی جدلیات''۔(1)

زمیندار کا بیٹا فیڈل کاسترو کیوبا کے امیر گھرانے میں شادی کر کے ایک آرام دِہ زندگی گزار سکتا تھا۔ اسی طرح وہ اپنے قانون کی ڈگری کو کیوبا کی اشرافیہ کے بیچ ایک آرام دہ زندگی کیلئے استعمال کر سکتا تھا۔ مگر وہ اس طرف نہیں گیا۔ 21 برس کی عمر میں ہی وہ ایک ایسا شخص بن چکا تھا جس سے امید کی جا سکتی تھی کہ وہ سماجی تبدیلی کیلئے عوامی تحریک کی قیادت کر سکے گا۔

فِیڈل کو تاریخ، جغرافیہ اور ہیروؤں کی کہانیاں پسند تھیں بالخصوص محبِّ وطن مارٹی کی۔ اسی جوزی مارٹی نے فیڈل کاسترو اور اس کے ساتھیوں کا آئیڈیل بنا تھا۔ بلکہ ایک زمانہ ایسا آیا کہ جوزی مارٹی کو پورے لاطینی امریکہ نے اپنا ہیرو بنا لیا اور اُس کے فرمودات کے مطابق مختلف ممالک میں انقلابی تحریکیں چلتی رہیں۔ جوزی مارٹی انقلابیوں کے لئے ایک اثاثہ بنا۔ وہ فِیڈل کے لئے زندگی بھر ایک ہیرو، ایک راہنما اور ایک جواز بنا رہا۔

حوالہ

1- کاسترو، فیڈل۔ مائی لائف۔ ایڈیٹر اگناشیو رامونیٹ۔ پنگوئن۔ 2008۔ صفحہ 90

الیکشن کا راستہ بند

ہسپانوی گورنر رخصت ہوا تو اُس کے بجائے مقامی امرا کا خودساختہ جرنیل اور نوسرباز سیاست دان ملک کی دولت اور سیاست دونوں پر قبضہ جما کر بیٹھ گیا۔ جس کے ہاتھ میں فوجی طاقت کی لاٹھی آ گئی یا امریکنوں نے تھما دی۔ اُسی نے دستور اور جمہور دونوں کو گائے بھینس کی طرح آگے لگا لیا اور من مانی کرتا رہا۔ بتستا ایک سابق آرمی سارجنٹ تھا۔ مارچ 1952 میں فوجی کودتا کر کے وہ ملک کا صدر بن بیٹھا۔ اس کے دور میں کرپشن عام تھی اور بتستا اس کا سب سے بڑا فائدہ لینے والا تھا۔ وہ امریکی کٹھ پتلی تھا۔ جتنا ڈالر وہ لپک کے چھین سکتا تھا وہ سب چُنتا رہا جبکہ اپنے خلاف پے در پے سازشوں کو عیاری سے دباتا رہا۔ ملک کے جنوب مشرقی ساحل پر گوانتانامو کے مقام پر پہلے ہی امریکہ کا ایک فوجی اڈہ تھا جو انہوں نے 1930 میں سپین کے خلاف کیوبائی جنگِ آزادی کے دوران مداخلت کرنے کے بعد قائم کیا تھا۔ یہ 2000 ڈالر سالانہ لیز پہ حاصل کیا گیا تھا۔ کیوبا، امریکہ کے لیے درآمد شدہ چینی، رَم، سگار اور پیشہ ور کھلاڑیوں کا منبع تھا۔ امیر سوداگر اور دولتمند غنڈے بدمعاش آف شور بینکنگ سہولیات، رنڈیوں اور کسینو کے لیے ہوانا آتے رہتے تھے۔ کیوبائی بالخصوص افریقی غلاموں کی آل اولاد جو کہ گنے کی کاشت کرتے تھے، ایک بھاری قیمت ادا کرتے تھے۔ غربت عام تھی۔ کیتھولک ملاؤں کو سماجی انصاف سے کوئی غرض نہ تھی۔ بندوق کے زور پر جرائم عروج پر تھے۔ حصولِ تعلیم، دولتمند اقلیت کے ماسوا سمجھو نا پیدا تھا۔(1)

1952 میں اس بتستا نے آئینی صدر بننے کی ٹھانی اور انتخابات میں امیدواری کا اعلان

کر دیا۔ دو اور امیدوار بھی میدان میں تھے۔

اُدھر کاسٹرو یونیورسٹی کے زمانے میں اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ ایک انقلابی تحریک منظّم کرنے کی ضرورت ہے۔ چونکہ اُسی زمانے میں عام انتخابات کا اعلان ہو چکا تھا، تو کاسٹرو نے عام انتخابات میں حصہ لینے کا فیصلہ کر لیا۔ چنانچہ وہ الیکشن مہم میں بہت محنت اور جوش سے لگ گیا۔ اس نے ایک ایک شام میں چار چار تقریریں بھی کیں۔ اس نے ایک لاکھ شخصی خطوط لکھے، وہ روزانہ ریڈیو پر آتا۔ اپنی پوری الیکشن مہم میں وہ سرکار اور بدمعاشوں کے گینگز کو مسلسل بے نقاب کرتا رہا۔ اسی وجہ سے اُسے ایک زبردست مقبولیت نصیب ہوئی۔

اس کا جیتنا بالکل یقینی تھا۔۔۔ یکم جون کو صدر کا انتخاب طے تھا۔ مارچ کے پہلے ہفتے میں بعض مقامی اخبارات نے تینوں امیدواروں کے بارے میں رائے عامہ کے اندازے شائع کیے، جن سے پتہ چلا کہ بتیستا کا نمبر سب سے آخر میں ہے۔ چنانچہ 10 مارچ کو بتیستا نے فوج کی مدد سے دستوری حکومت کا تختہ الٹ دیا اور جملہ اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لیے۔ ظلم وستم، بددیانتی اور بدقماشی میں بتستا کی حکومت کا جواب کیوبا میں کبھی پیدا نہیں ہوا تھا۔ جنرل بتستا نے اقتدار پر قبضہ کر کے یہ الیکشن منسوخ کر دیے۔ یہ دلچسپ بات ہے کہ جب بھی کہیں کوئی نیشنل عوامی پارٹی جیتنے لگتی ہے تو کوئی ایوب خان بتستا بن کر مارشل لا لگاتا ہے، اور الیکشن منسوخ کرتا ہے!!

کتنا عجیب ہے کہ لاطینی امریکہ میں، مادرِ انقلاب کیوبا کے لیے تو الیکشن کا راستہ بند کیا گیا تھا اس ڈر سے کہ انقلابی کاسٹرو جیت جائے گا۔ مگر، سامراج نے بقیہ علاقے میں الیکشن نظام جاری رکھا کہ اس طرح انقلابی پارٹیاں ہاریں گی اور اُس کا نظام بدستور جاری رہے گا۔ مگر انقلاب تو بہت ڈائنامک ہوتا ہے۔ انقلاب اپنی آمد کے لیے محض ایک دو دروازے ہی نہیں چُنتا۔ انقلاب دس ہزار طریقوں سے دس ہزار راستے بناتا ہے اور پھر سب سے موزوں راستے سے داخل ہو جاتا ہے۔

چنانچہ جہاں الیکشن کا راستہ بند کر کے سامراج اپنے لیے کاسٹرو نامی موت لایا تھا، وہیں بعد میں پڑوس میں الیکشن کا راستہ کھول کر اپنے اپنے شاویز، اور ٹیگا اور لُولا نامی دس اموات لایا ہے۔ (آج لاطینی امریکہ میں دس ممالک میں انقلابی حکومتیں ہیں جن میں اکثریت الیکشنوں سے جیت

کر اقتدار میں آئی ہے)۔ یہ ایک مزید انوکھی بات ہے کہ جب ساری دنیا میں سوشلزم کو روس کا دھچکا لگ چکا ہے مگر لاطینی امریکہ ایک کے بعد ایک کر کے سوشلزم میں داخل ہو رہا ہے............اور وہ بھی مقبولِ عام انتخابات کے ذریعے۔

بہرحال، فیڈل نے حالات پر بہت غور کیا۔ اسے اُس وقت موجود تمام سیاسی گروہوں میں سے ایک بھی ایسا نہ لگا جو الیکشن منعقد کروانے میں سنجیدہ ہو، یا وہ آمریت کے خلاف واقعتاً کچھ کرنے کا ارادہ رکھتا ہو۔ ایک آدھ شخصیت نے دارالحکومت ہوانا کی چھاؤنی پر حملہ کرنے کی باتیں کیں مگر وہ حملہ تو کبھی نہ ہوا البتہ فوج کو خبر مل گئی۔ فوج ہشیار بھی ہوگئی اور بہت سارے لوگوں کو گرفتار بھی کرنے لگی۔ اس لیے فیڈل نے دارالحکومت ہوانا کی چھاؤنی پر حملہ کا امکان سراسر مسترد کر دیا۔ اُس کی نگاہیں دوسری بڑی چھاؤنی سنتیا گوڈی کیوبا پر تھیں۔

کاسٹرو نے حالات کا گہرا جائزہ لیا۔ اُس وقت کیوبا میں طبقاتی شعور نام کو نہ تھا۔ امریکہ کے کمیونسٹ دشمن میکارتھی ازم کا نظریہ اُس سُپر پاور کا سرکاری نظریہ بن چکا تھا۔ دنیا کا ہر سربراہ کمیونزم کے خوف میں مبتلا تھا۔ ہر جگہ کمیونزم کے لیے سیاست کرنے والی پارٹیوں پر قیامت ڈھائی جا چکی تھی۔ فیڈل نے دوسرا طریقہ ڈھونڈا۔ اس نے غیر منظّم کمیونسٹ پارٹی (جو 1925 میں قائم ہو چکی تھی) پر تکیہ کرنے کے بجائے نئی فورس کھڑی کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اُس نے دو چار اور راہنماؤں کے ساتھ مل کر ''آرتھوڈوکس یوتھ'' نامی تنظیم میں سے 1200 نوجوان چُن کر انہیں منظّم کیا اور خوب تربیت دی۔ اس نے بہت سوچ سمجھ کر ہر علاقے کے نوجوان چُن لیے۔ اُن کا پس منظر، تبدیلی کے لیے ان کی خواہش کی گہرائی، اور عوام الناس کے ساتھ اُن کی کمٹ منٹ جیسی باتوں کو اہم جان کر لوگ بھرتی کر لیے۔ عمومی طور پر انصاف پسند لوگ، چوری اور کرپشن کے خلاف لوگ، بے روزگاری کے خلاف لوگ .... اس نے انہیں خوب لیکچر زدیے۔ اور سماجی برائیوں کی اصل وجہ نظام کو قرار دیا۔ آرتھوڈوکس کے اِن نوجوانوں کو سرمایہ داری نظام کی برائیاں خوب ذہن نشین کروائیں۔

وہ لوگ بتستا آمریت کے خلاف تو تھے ہی، اب وہ سامراج دشمن بھی بن گئے۔ کچھ چُنے ہوئے اچھے نوجوانوں کے سیل بنا کر کاسٹرو انہیں کمیونزم پڑھاتا رہا۔ اِن سیلوں میں جو کتاب پڑھائی

جاتی تھی وہ فرانز مہرنگ کی لکھی ''کارل مارکس کی داستانِ حیات'' تھی۔کم از کم' سیلوں کے سارے انچارج مارکسسٹ تھے۔مگر اصل جوہر ڈسپلن تھا۔آہنی ڈسپلن۔ایک زیرِ زمین انقلابی ڈسپلن!!۔ مقصد ایک ہی تھا کہ دس مارچ 1952 سے قبل کی حالت میں واپس جایا جائے۔یعنی مسلح قوت سے بتستا حکومت ختم کر دی جائے اور آئینی حکمرانی بحال کی جائے۔

حوالہ

1۔رابرٹ سروس۔کامریڈز۔2008۔میک ملن لمیٹڈ۔صفحہ 342

چھبیس جولائی

بتستا کی آمریت قائم ہوئے چند ہفتے گزرے تھے کہ ایک چھبیس سالہ وکیل ہوانا کی عدالت عالیہ میں پیش ہوا اور یہ درخواست پیش کی کہ بتستا اور اُس کے حواری ملکی قانون کی چھ دفعات کے تحت مجرم اور سزاوار ہیں۔اِس لیے اُن سے جواب طلبی کی جائے اور اگر الزامات درست ہوں تو انہیں حسبِ قانون ایک سو آٹھ برس قید تک کی سزا دی جائے۔

اِس نوجوان وکیل کا نام فیڈل کاسٹرو تھا۔ظاہر ہے کہ اِس کی درخواست فوراً مسترد کر دی گئی،لیکن یہ سر پھرا شخص جان کی خیر منانے کے بجائے شنوائی کے دوسرے وسائل ڈھونڈنے میں جُت گیا۔

قومی اور سیاسی تحریکوں میں ہوانا کے طلبا ہمیشہ پیش پیش رہے۔1870 میں کیوبا کی پہلی تحریک آزادی کے دوران سات میڈیکل کے طلبا کو ہسپانوی حکم رانوں نے سرِ بازار گولی سے اڑا دیا تھا اور 1934 کے بعد ہوانا یونیورسٹی کی سیڑھیاں بارہا طلبا کے خون سے لال ہوتی رہیں۔اُن ہی طلبا میں سے کاسٹرو نے رضا کار بھرتی کیے۔

26 جولائی 1953 میں' فیڈل کاسٹرو نے 18 سے 25 سال عمر کے نوجوان مردوں عورتوں کے ایک گروہ کو ساتھ لیا،انہیں بتستا فوج کی یونیفارم پہنا دی اور رات کے پچھلے پہر پانچ بجے کیوبا کے دوسرے بڑے شہر''سنتیا گو ڈی کیوبا'' کے فوجی قلعے''مونکیڈا چھاؤنی''پر حملہ کر دیا۔اِن لڑکوں لڑکیوں کو اِس شہر کے راستے تک معلوم نہ تھے۔کاسٹرو کی عمر اس وقت 26 سال

تھی۔ان کے پاس نہ ضروری ہتھیار تھے،اور نہ تجربہ تھا۔اُن کے پاس محض ایک مشین گن تھی اور چند پرانی رائفلیں۔بس ان لوگوں کا خود پہ اعتماد،اپنے کاز پہ اعتماد تھا۔ان لوگوں کو یقین تھا کہ کوئی مشکل نا قابلِ حل نہیں،اور کوئی راہ اس قدر کانٹوں والی نہیں کہ انجام تک پہنچنے نہ دے۔

اس نے تین مقاصد کے حصول کے لیے اس قلعے پر حملہ کر دیا تھا:

* ایک تو یہ کہ اُس پر قبضہ کیا جائے۔
* دوسرا یہ کہ اس قلعے میں موجود بھاری اسلحے پر قبضہ کیا جائے جس کی اُسے اور اس کی انقلابی فوج کو ضرورت تھی۔اس اسلحہ کو عوام میں تقسیم کیا جائے جو اپنی آزادی کے لیے لڑنے کی عظیم روایت رکھتے تھے۔
* اس حملے کا تیسرا مقصد یہ تھا امریکہ کی طرف سے کیوبا پر مسلط کردہ جنرل بتستا کے خلاف ایک مقبولِ عام بغاوت ابھاری جائے۔

اس انقلابی کمانڈر نے جب مونکیڈا پر حملہ کیا تھا تو اس کے پاس کامیابی کی صورت میں ایک انقلابی پروگرام تحریری طور پر موجود تھا۔اس نے ایک پانچ نکاتی انقلابی قانون جاری کرنے کا فیصلہ کر رکھا تھا۔پروگرام یہ تھا کہ اِس چھاؤنی (مونکیڈا چھاؤنی) پر قبضہ کرنے کے فوراً بعد اِس انقلابی قانون کو لاگو کر دیا جائے گا۔اُسے ریڈیو پر نشر کرنا تھا۔

اس انقلابی قانون کا پہلا نکتہ یہ تھا کہ اقتدار فوجی آمر سے چھین کر عوام کے حوالے کیا جائے گا۔اور 1940 کے آئین کو بحال کیا جائے گا تاوقتیکہ عوام اس میں کوئی ترمیم یا اضافہ نہ کریں۔چونکہ سارے ادارے فوجی آمر نے تباہ کر دیے تھے اور کوئی انتخابی ادارہ موجود نہ تھا اس لیے انقلابی تحریک ہی اقتدار سنبھال لے گی اور ماسوائے آئین کی تبدیلی کے اختیارات کے' باقی سارے اختیارات سنبھال لے گی۔

دوسرا نکتہ یہ لاگو کرنا تھا کہ ساری زمین کسانوں میں بانٹ دی جائے گی۔

انقلابی قانون کی تیسری شق یہ تھی کہ ساری بڑی صنعت،تجارت،اور معدنیات کے منافعے کا 30 فیصد مزدوروں کا ہوگا۔

چوتھے قانون کے تحت گنّا کاشت کرنے والوں کو چینی کی پیداوار کا 55 فیصد حصہ دیا جانا تھا۔

پانچواں قانون یہ نافذ ہونا تھا کہ پچھلی حکومتوں سے جن لوگوں نے مفادات حاصل کیے تھے وہ سب کے سب ضبط کیا جائیں گے۔

یہ ارادہ بھی تھا کہ مندرجہ ذیل مسائل کے حل کے لیے فوری اقدامات کیے جائیں گے:

صنعتکاری کا مسئلہ،ہاؤسنگ کا مسئلہ،بے روزگاری کا مسئلہ،تعلیم کا مسئلہ،اور عوام کی صحت کا مسئلہ۔

تحریری ضمانت تھی کہ حکومت سنبھالتے ہی شہری آزادیاں اور سیاسی جمہوریت بحال کی جائیں گی۔

مگر یہ حملہ ناکام ہوا۔کاسترو کے آدھے ساتھی لڑائی میں کام آئے۔بہت سے پکڑے گئے جنہیں بتستا کے سپاہیوں نے طرح طرح کے عذاب دے کر موت کے گھاٹ اتار دیا۔عوام کو سبق سکھانے کے لیے قتلِ عام کا حکم ہوا اور بیسیوں بچے،بوڑھے،عورتیں،مرد گولی سے اڑا دیے گئے۔خود کاسترو پہاڑوں میں روپوش ہو گیا مگر ایک رات سوتے ہوئے وہ بھی پکڑا گیا۔اس نے اپنا نام تو دوسرا بتایا مگر ساتھ ساتھ بہ آواز بلند یہ اعلان کرتا رہا کہ ''ہم جنگِ آزادی کی سپاہ کے وارث ہیں''۔سپاہیوں نے اس پر بندوقیں تان لیں مگر اُن کے لیفٹیننٹ نے یہ کہتے ہوئے انہیں منع کیا:'' نظریات قتل نہیں کیے جاسکتے' نظریات قتل نہیں کیے جاسکتے''۔

وہ شریف آدمی فیڈل کو موت سے بچا گیا۔اور اس کی شرافت دیکھ کر شریف کاسترو نے اکیلے میں اُسے اپنا اصلی نام بتا دیا۔تب اس افسر نے کہا تھا''کسی اور کو نہ بتانا''۔وہ لیفٹیننٹ اسے اعلیٰ حکام تک،یا فوجی چھاؤنی تک لے جانے کے بجائے اسے عدالت کے زیرِ کنٹرول ایک سول تھانے پہنچا گیا۔جہاں اسے بغیر مقدمہ چلائے شوٹ نہیں کیا جا سکتا تھا۔بلکہ مقدمہ تو عدالت میں چلتا ہے۔............یہ لیفٹیننٹ نہ تو کمیونسٹ تھا اور نہ سیاسی۔بس ایک پڑھا لکھا شریف انسان تھا۔

کاسترو نے عدالت میں اپنا مقدمہ خود لڑا۔اپنے محبوب لیڈر مارٹی کے اقوال اور کیوبا کے پینل کوڈ کی مدد سے،بغیر لکھی ہوئی اپنی پانچ گھنٹہ طویل اس تقریر میں اس نے انتہائی مدلل انداز میں بات کی۔اس نے فوجی آمریت کو مسترد کر دیا............واضح رہے کہ اس لڑائی میں کاسترو کے

ساتھیوں کے سامان میں سوویت یونین سے چھپی ہوئی لینن کی ایک کتاب بھی ملی جو کاسٹرو نے ہوانا سے خریدی تھی۔ عدالت میں اس کتاب کو گوریلوں کے خلاف ایک ہتھیار کے بطور سامنے لایا گیا۔ اور یہیں پر کاسٹرو نے یہ آفاقی جملہ کہا تھا: ''جس کسی نے لینن کو نہیں پڑھا، وہ جاہل ہے''(1)۔ (میرے اچھے قاری! آپ نے لینن کو پڑھا ہے؟)۔

فوجی آمروں کے تحت عدالتیں تو بس نام کی عدالتیں ہوتی ہیں۔ بلکہ اگر غور سے دیکھیں تو جمہوریت میں بھی عدالتیں پیسے والوں کی ہی ہوتی ہیں۔ جہاں آئین ہی پیسے والے ممبروں نے بنایا ہو،اور جہاں بڑے بڑے وکیل پیسے پر ملتے ہوں وہاں بے پیسہ شخص تو بےعدالت رہے گا ہی۔

اور یہاں تو کاسٹرو کو بدترین آمریت والی عدالت کا سامنا تھا۔ لہٰذا انصاف پر مبنی فیصلہ تو ممکن ہی نہ تھا۔ وہ کمرۂ عدالت میں کیوبا کے لیے انقلابی تبدیلی کے حق میں دلائل دیتا رہا۔ یہ شخص اِس چھوٹی عمر میں اس قدر عالمانہ تقریر کرتا ہے کہ انسان پڑھ کر حیران ہوجاتا ہے۔

اُس بیان میں کاسٹرو نے بغاوت کے اسباب وعوامل بیان کیے۔ بتستا کے مظالم اور جرائم گنوائے۔ عوام کی ناگفتہ بہ غربت اور بے سروسامانی' اور ملکی صنعت وزراعت کی پسماندگی پر روشنی ڈالی۔ پھر 26 جولائی کے معرکے کی تفصیلات بیان کیں اور اُن مظالم کا ذکر کیا جو اُس کے ساتھیوں پر ڈھائے گئے تھے۔

وہ مانٹیسکو، اور قدیم چین، قدیم انڈیا، یونان کی شہری ریاستوں، اور قدیم روما وغیرہ کے بہت قدیم اقوال دہراتا ہے۔ وہ جون سالسبری، سینٹ تھامس آ کیناس، مارٹن لوتھر، فرانسیسی مصنف فرانکوئس ہاٹمین، سکاٹ لینڈ کے اصلاح پسند جان نوکس، 1668 کے انقلابِ انگلستان، 1775 کے امریکی انقلاب اور 1789 کے انقلابِ فرانس کے حوالے دے دے کر دلیلیں دیتا ہے۔ کاسٹرو کی علمیت کا اندازہ اس کم عمری میں بھی اِس عدالتی بیان کو پڑھ کر بخوبی ہوسکتا ہے۔ یہ طویل اور پرمغز عدالتی بیان History Will Absolve Me (تاریخ مجھے بری کردے گی) کے نام سے مشہور ہے۔ دنیا کی ہر بڑی زبان (ماسوائے بلوچی اور اردو کے) میں اس کے تراجم ہوتے رہے ہیں۔

History Will Absolve Me

تاریخ مجھے بری کردے گی!

''معزز جج صاحبان!

کسی وکیل کو اس قدر مشکل حالات میں اپنے پیشے کی پریکٹس نہیں کرنی پڑی ہوگی۔ کبھی بھی ایک الزام زدہ شخص کے خلاف اس قدر بے قاعدگیاں نہ کی گئی ہوں گی۔ اس کیس میں وکیل اور مدعا علیہ دونوں ایک ہی ہیں۔ اٹارنی کے بطور اُسے فردِ جرم پہ ایک نظر بھی ڈالنے کا موقع نہ ملا۔ بطور ملزم گذشتہ 76 دنوں سے اُسے قیدِ تنہائی میں بند رکھا گیا ہے، اور ہر انسانی اور قانونی حق کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اُسے مکمل اور حتمی تنہائی میں رکھا گیا ہے۔

وہ شخص جو آپ سے بات کررہا ہے، اپنے پورے وجود کے ساتھ چھچھورے پن سے نفرت کرتا ہے۔ نہ ہی اس کا میلانِ طبع کمرہ عدالت میں خود کو علامہ ظاہر کرنے کی طرف ہے، نہ ہی کسی طرح کی جذبات انگیزی کی طرف ہے۔ مجھے اس عدالت کے سامنے دو وجوہات کی بنا پر اپنا دفاع خود کرنا پڑرہا ہے: اول مجھے قانونی مدد سے مکمل طور پر محروم رکھا گیا ہے۔ اور دوم: صرف وہی شخص اِس جیسے موقع پر بول سکتا ہے جو کہ اس قدر گہرا زخمی ہوا ہو، جس نے اپنے ملک کو اس قدر نظر انداز کردہ دیکھا ہو اور اِس کا انصاف اس قدر پامال کردہ دیکھا ہو، ایسے الفاظ کے ساتھ بول سکتا

ہے جو اس کے دل کے خون سے اور دل کی گہرائیوں کے سچ سے اچھل آتے ہیں۔

ایسے سخی کامریڈوں کی کوئی کمی نہ تھی جو میرا دفاع کرنے کی آرزو رکھتے تھے۔ ہوانا بار ایسوسی ایشن نے ایک جرات منداور باصلاحیت ماہر قانون ڈاکٹر جارج پیگلیئری کو نامزد کیا کہ وہ اس کیس میں میری نمائندگی کرے۔لیکن اُسے اس کا فرض ادا کرنے نہ دیا گیا۔ جب بھی اس نے مجھ سے ملاقات کرنے کی کوشش کی تو اُس کے لیے جیل کے گیٹ بند کیے گئے۔ ڈیڑھ ماہ کے بعد کہیں جا کر، اور وہ بھی عدالت کی مداخلت سے' اُسے ملٹری انٹیلی جنس ایجنسی (SIM) کے ایک ایجنٹ کی موجودگی میں مجھ سے دس منٹ ملاقات کی اجازت دی گئی۔ عام دستور تو یہ ہے کہ وکیل کو اپنے موکل سے علیحدگی میں ملنے کا حق حاصل ہوتا ہے، اور اس حق کا پوری دنیا میں احترام کیا جاتا ہے، ماسوائے ایک ایسے سنگ دل آمر کے ہاتھوں میں ایک کیوبائی قیدی کے کیس کے، جو کہ کسی بھی قانون کو نہیں مانتا خواہ وہ لیگل ہو یا انسانیت والا۔ نہ ڈاکٹر پیگلیئری اور نہ میں ٹرائل کے لیے دفاع کے اپنے ذرائع پہ اس طرح کی گندی جاسوسی برداشت کرنے کو راضی تھے۔ شاید وہ اُن دروغوں کے ناقابلِ یقیں جال کو مٹی کی حد تک کم کرنے کے لیے ہمارے طریقوں کے بارے میں جاننا چاہتے تھے جو انہوں نے مونکیڈا بیرکوں کے گرد بُنے تھے۔ ہم کس طرح وحشت ناک سچائی کو بے نقاب کرنے والے تھے جسے وہ اتنے طویل عرصے تک چھپاتے؟۔تب ہی ہم نے فیصلہ کرلیا کہ، بطور وکیل کے اپنے پیشہ ورانہ حقوق کا فائدہ لے کر میں اپنے دفاع کا کام خود سنبھالوں۔

ہمارے اس فیصلے کی بات سارجنٹ نے سنی اور اُس نے اپنے بالا حکام کو رپورٹ کردی۔ اس خبر نے اُن پر ایک ہیبت طاری کردی۔ یوں لگتا تھا کوئی چھوٹا مسخرہ انھیں بتا رہا تھا کہ میں اُن کے سارے منصوبوں کو تباہ کرنے والا ہوں۔

معزز ججو! آپ جانتے ہیں کہ کیوبائی روایت کے میرے اس حق کو چھیننے کے لیے مجھ پر کتنا دباؤ ڈالا گیا۔ عدالت اس طرح کی فتنہ پردازی کو برداشت نہیں کرسکتی تھی، اس لیے کہ اس طرح تو الزام لگے ہوئے شخص کو مکمل بے دفاعی کی حالت میں ترک کردیا جاتا۔ ملزم جو کہ خود اپنا دفاع کرنے کا حق استعمال کر رہا ہے کسی بھی صورت وہ کچھ کہنے سے باز نہ آئے گا جو کچھ اُسے کہنا

چاہیے۔ میں شروع ہی میں یہ وضاحت کرنا، خوفناک تنہائی کی وجہ بتانا لازمی سمجھتا ہوں جس میں کہ مجھے رکھا گیا ہے۔ مجھے خاموش رکھنے، مجھے قتل کرنے کے منصوبوں کے پیچھے کیا تھا، منصوبے جن سے عدالت واقف ہے۔عوام سے کیا کیا بڑے واقعات چھپائے جا رہے ہیں؛ اور ساری حیران کن چیزوں کے پیچھے سچائی جو کہ اس مقدمے کے دوران وقوع پذیر ہوئیں۔ میں یہ سب کچھ مکمل وضاحت کے ساتھ بیان کرنا چاہتا ہوں۔

آپ نے کھلے عام اس کیس کو اس رپبلک کی تاریخ میں اہم ترین کیس قرار دیا۔ اگر آپ سنجیدگی سے اس بات پر یقین رکھتے ہیں تو آپ کو اپنی اتھارٹی کو رسوائی کے ساتھ داغدار یا، کم کرنے نہیں دینا چاہیے تھا۔ پہلا عدالتی سیشن 21 ستمبر کو تھا۔100 مشین گنوں سے لیس سنگین بردار لوگ، عدالت کے کمرے پر حملہ آور ہوتے ہوئے۔سو سے زائد لوگ قیدی کے کٹہرے میں براجماں تھے۔جن میں سے بڑی اکثریت کا اِس بات سے تعلق ہی نہ تھا۔ وہ کئی دنوں سے امتناعی گرفتاری میں تھے۔ وہ متشدد یونٹوں کے چیمبروں میں ہر طرح کی زیادتیوں اور بے عزتیوں میں مبتلا تھے۔مگر بقیہ ملزمان، یعنی اقلیت بہادر اور مصمم تھی۔ وہ آزادی کی لڑائی میں حصہ لینے کے فخریہ اعتراف کو تیار تھی، وہ بے نظیر خود ایثاری کی مثال پیش کرنے کو تیار تھی، اور اُن لوگوں کو جیل کے پنجوں آزاد کرنے میں مصمم تھی جنہیں جان بوجھ کر بری نیت کے ساتھ اس مقدمے میں شامل کیا گیا تھا۔ وہ جو لڑائی میں ایک دورے کا سامنا کر چکے تھے دوبارہ ایک دوسرے کا سامنا کر رہے تھے۔ ایک بار پھر، ہماری طرف سے انصاف کے کاز کے ساتھ، ہم ایک بار پھر ذلت ورسوائی کے برخلاف سچ کی خوفناک لڑائی شروع کرتے۔یقیناً حکومت اپنے لیے رکھی ہوئی اخلاقی بربادی کے لیے تیار نہ تھی۔

کس طرح اپنے سارے جھوٹے الزامات کو برقرار رکھا جائے؟۔ جو کچھ اصل میں ہوا تھا اُسے کس طرح راز میں رکھا جائے؟۔اور وہ بھی اُس وقت، جب اتنے زیادہ نوجوان لوگ اس بات کے لیے ہر چیز خطرے میں ڈال رہے تھے۔ (قید، ٹارچر اور ضروری ہوا تو موت بھی) تاکہ اس عدالت کے سامنے سچ بتایا جائے۔

پہلے سیشن میں مجھے بطور گواہ بلایا گیا۔ دو گھنٹے تک پراسیکیوٹر اور 20 وکلا مجھ سے سوالات

کرتے رہے۔ میں صحیح صحیح اعداد و شمار کے ساتھ یہ ثابت کرنے میں کامیاب ہوا کہ کل کتنا پیسہ خرچ ہوا، یہ پیسہ کیسے جمع کیا گیا اور کیا کیا اسلحہ ہم جمع کر سکے۔ مجھے چھپانا نہ تھا اس لیے کہ سچ یہ تھا: یہ سب کچھ ان قربانیوں کی بدولت ہوا جس کی مثال ہمارے ملک کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ میں نے اُن اہداف کی بات کی جنہوں نے جدو جہد میں ہمیں انسپائر کیا اور اُس انسانی اور سخی سلوک کا بتایا جو ہم نے ہمہ وقت اپنے مخالفوں پہ نچھاور کیے رکھا۔ اگر میں انھیں یہ بتانے میں کامیاب ہوا کہ جن لوگوں کو اس مقدمے میں غلط طور پر شامل کیا گیا، وہ نہ بالواسطہ اور نہ بلاواسطہ شامل تھے، تو مجھے اپنے بہادر کامریڈوں کی مکمل حمایت اور پشت پناہی حاصل ہے۔ ہم جب تک جیل میں رہے مجھے ایک بار بھی اپنے اِن کامریڈوں سے بات کرنے کی اجازت نہیں دی گئی، پھر بھی ہم نے بالکل یہی کچھ کرنے کا منصوبہ بنایا۔ حقیقت یہ ہے کہ جب لوگ اپنے دلوں میں ایک جیسے تصورات رکھیں تو کوئی طاقت اُنھیں تنہا نہیں رکھ سکتی، نہ جیل کی دیواریں نہ گورستان کی گھاس۔ اس لیے کہ ایک واحد یاد، ایک واحد جذبہ، ایک واحد تصور، ایک واحد ضمیر، ایک واحد وقار اُن سب کو سنبھالے رکھتا ہے۔

اُس لمحے سے مونکیڈا بیرکوں کے واقعات سے متعلق رجیم کی طرف سے کھڑے کیے گئے دروغوں کے ڈھانچے تاش سے بنے گھر کی طرح منہدم ہونے شروع ہوئے۔ نتیجہ یہ کہ پروسیکیوٹر کو سمجھ آ گئی کہ اکسانے والوں کے بطور نامزد کردہ اُن سارے لوگوں کو جیل میں رکھنا مکمل طور پر لغو بات ہے، اور اُس نے اُن کی عبوری رہائی کی درخواست کی۔

اُس پہلے سیشن میں میرے بیان کے آخر میں، میں نے عدالت سے اجازت مانگی کہ مجھے کٹہرا چھوڑنے اور دفاع کے لیے وکیلوں کے بیچ بیٹھنے دیا جائے۔ یہ اجازت دے دی گئی تھی۔ اس موقع پر میرا وہ مشن شروع ہوا جسے میں اس مقدمے میں اپنا اہم ترین مشن کہتا ہوں: اُن بزدلانہ، تکلیف دہ اور فنکارانہ دروغوں کو مکمل طور پر بے اعتبار بنانا جو رجیم نے ہمارے لڑاکوں کے خلاف گھڑے تھے؛ اُن نفرت انگیز اور خوفناک جرائم کو ناقابلِ تردید ثبوتوں کے ساتھ بے نقاب کرنا جو انہوں نے قیدیوں پر روا رکھے؛ اور قوم اور دنیا کو کیوبائی عوام کی بے انت بدقسمتی دکھانا جو وہ اپنی تاریخ کے سب سے زیادہ ظالمانہ اور سب سے زیادہ غیر انسانی استبداد کے ہاتھوں جھیل رہے ہیں۔

دوسرا سیشن 22 ستمبر کو منگل کے دن ہوا۔ اُس وقت تک صرف دس گواہوں کی پیشی ہوئی اور انہوں نے پہلے ہی منزانیلّو علاقے میں ہونے والی قتل و غارت واضح کر دیا، بالخصوص وہ اُس پوسٹ کو کمان کرنے والے کیپٹن پر براہ راست ذمہ داری کو ریکارڈ پر لائے۔ تین سو مزید گواہوں کی پیشی ابھی ہونی تھی۔ کیا ہوتا اگر میں، شواہد اور حقائق کے ایک چکرا دینے والے انبار کے ساتھ آرمی کے اُن اشخاص پر سوال جواب کرتا جو کہ اُن جرائم کے لیے بلاواسطہ ذمہ دار تھے؟۔ کیا رجیم مجھے مقدمہ سننے کے لیے موجود وسیع سامعین کے سامنے ایسا کرنے کی اجازت نہیں دے دیتی؟ ۔سارے جزیرے کے صحافیوں اور قانون دانوں کے سامنے؟۔ اور اپوزیشن کے پارٹی لیڈروں کے سامنے جن کو انہوں نے احمقانہ انداز میں قیدی کی کوٹھڑی میں بٹھا دیا جہاں سے وہ ہر بات اچھی طرح سن سکتے ہیں؟۔ وہ تو اس کی اجازت دینے کے بجائے کمرہ عدالت کو سارے ججوں سمیت بم سے اڑا دیتے۔

اور یوں انہوں نے ایک منصوبہ بنایا جس کے مطابق وہ مجھے مقدمے سے ختم کر دیتے، اور انہوں نے یہی کرنے کا کام شروع کیا، manu militari (ایک ملٹری ہاتھ کے ساتھ) 25 ستمبر جمعہ کی رات کو مقدمے کے تیسرے سیشن کے موقع پر جیل کے دو ڈاکٹر میرے سیل میں آئے۔ اُن کی شرمندگی صاف نظر آ رہی تھی۔ ''ہم آپ کا معائنہ کرنے آئے ہیں''۔ انہوں نے کہا۔ میں نے ان سے پوچھا ''کون میری صحت کے بارے میں اس قدر پریشان ہے؟''۔ اصل میں جس لمحے میں نے انہیں دیکھا تو مجھے معلوم ہوا کہ وہ کس لیے آئے ہیں۔ وہ خود کو میرے سامنے زیادہ محترم پیش نہیں کر سکتے تھے، اس لیے انہوں نے اپنی تکلیف دہ صورت کی وضاحت کی۔ ''اِس سہ پہر کرنل شاویانو جیل میں آیا اور ہمیں بتایا کہ میں اس مقدمہ میں حکومت کو خوفناک نقصان پہنچا رہا ہوں''۔ کرنل نے ان کو کہا کہ وہ ایک سرٹیفکیٹ پر دستخط کر دیں جس میں اعلان ہو کہ میں بیمار ہوں، اور لہٰذا عدالت میں پیش نہیں ہو سکتا۔ ڈاکٹروں نے مجھے بتایا کہ وہ اپنی طرف سے استعفے دینے کو تیار ہیں اور خود پر مقدمہ چلانے کا رسک لینے کو تیار ہیں۔ انہوں نے معاملہ مجھ پر چھوڑ دیا کہ میں جو چاہوں فیصلہ کروں۔ میرے لیے ان لوگوں کو خود کو بلا جھجک تباہ کر دینے کا کہنا مشکل تھا۔ مگر میں کسی

صورت اُن احکامات کی تعمیل کی رضامندی بھی نہیں دے سکتا تھا۔معاملہ انہی کے ضمیر پر چھوڑ کر میں نے ان سے صرف یہ کہا: ''تمہیں اپنے فریضے کا خود پتہ ہوگا، میں یقیناً اپنے فرائض جانتا ہوں''۔

میرے سیل سے جانے کے بعد انہوں نے سرٹیفیکیٹ پر دستخط کر دیے۔ میں جانتا ہوں کہ انہوں نے ایسا اس اچھی نیت سے کیا ہوگا کہ وہ صرف اسی راستے سے میری زندگی بچا سکتے تھے، جو ان کے خیال میں سخت خطرے میں تھی۔ میں اپنی گفتگو کو راز میں رکھنے پر مجبور نہ تھا، اس لیے کہ میں صرف سچ کے ساتھ بندھا ہوں۔ اس موقع پر میرے سچ بتانے سے ممکن ہے کہ اُن اچھے ڈاکٹروں کے مادی مفاد کو زک پہنچتی ہو، مگر میں اُن کے وقار کے بارے میں سارے شکوک دور کر رہا ہوں جو کہ بہت اعلیٰ ہے۔ اُسی رات کو میں نے عدالت کو خط لکھ کر اس منصوبے کی مذمت کی ؛ یہ درخواست کی کہ عدالت اپنے دو فزیشنوں کو بھیج کر میری عمدہ صحت کا سرٹیفیکیٹ دے، اور آپ کو اطلاع ہو کہ اگر زندگی بچانے کے لیے مجھے اس طرح کے دھوکہ میں حصہ لینا پڑے تو میں ہزار بار اس کو ضائع کرنے کو ترجیح دوں گا۔اس سارے سڑے گلے منصوبے کے خلاف تن تنہا لڑنے کے اپنے مصمم ارادے کو دکھانے کے لیے میں نے استاد (مارٹی) کے ایک فقرے سے اپنی بات بڑھائی:

''ایک منصفانہ کاز حتیٰ کہ کسی غار کی تہہ میں سے بھی ایک فوج سے زیادہ کچھ کر سکتا ہے''۔

جیسا کہ عدالت جانتی ہے 26 ستمبر کو مقدمے کی تیسری پیشی پر ڈاکٹر میلبا ہرنانڈز کا خط پیش کیا گیا۔میں نے یہ خط بھاری گارڈ میں ہونے کے باوجود اُس تک پہنچایا۔ بلاشبہ اس خط نے فوری انتقام ابھارے۔ڈاکٹر ہرنانڈز کو قید تنہائی میں ڈال دیا گیا۔اور میں، جبکہ میں .... پہلے تنہائی میں تھا، اب مجھے جیل کے سب سے ناقابل رسائی علاقے میں بھیج دیا گیا۔اُس لمحے کے بعد سے سارے ملزموں کو عدالت میں لانے سے پہلے سر سے پاؤں تک بھرپور تلاشی لی گئی۔

27 ستمبر کو دو عدالتی ڈاکٹروں نے لکھ کر دیا کہ میں، درحقیقت، مکمل صحت میں ہوں۔ پھر بھی، عدالت کے بار بار کے احکامات کے باوجود مجھے دوبارہ کبھی عدالت نہیں لایا گیا۔اس پر طرہ یہ ، کہ روزانہ نامعلوم افراد سیکڑوں کی تعداد میں نقلی پمفلٹ بانٹتے تھے جس میں وہ جیل سے میرے فرار کا اعلان کرتے تھے۔ موقع سے غیر موجودگی کا یہ شاخسانہ اس لیے گھڑا گیا تا کہ وہ مجھے قتل

کر سکیں اور یہ دکھا سکیں کہ میں نے جیل سے فرار ہونے کی کوشش کی تھی۔ چونکہ میرے الرٹ دوستوں نے وقت پر اس منصوبے کو بے نقاب کر کے ناکام کر دیا تھا، اور جب پہلا بیانِ حلفی نقلی ثابت ہوا تھا، تب رجیم نے عدالت کی کھلی اور بے شرمانہ توہین کرتے ہوئے مجھے پیشی سے باہر رکھا۔

معزز ججو! یہ ایک ناقابلِ یقین صورتحال تھی۔ یہاں ایک ایسی رجیم تھی جو واقعتاً ایک ملزم کو عدالت میں پیش کرنے سے خوفزدہ تھی؛ خون اور دہشت کی رجیم جو ایک بے دفاع شخص (غیر مسلح، بدنام کردہ اور تنہائی میں ڈالے ہوئے شخص) کی اخلاقی سزا دہی کے خوف سے سکڑی بیٹھی ہے۔اور چنانچہ انہوں نے مجھے دوسری ہر چیز سے محروم کر کے، آخر کار مجھے مقدمے سے بھی محروم کر دیا، جس میں میں اہم ترین ملزم تھا۔ یاد رکھیے کہ یہ ایک ایسے دور میں ہوا جس میں بنیادی حقوق معطل کر دیے گئے تھے اور پبلک آرڈر ایکٹ، نیز ریڈیو اور اخبارات کا سنسر شپ بھرپور طاقت کے ساتھ نافذ تھے ۔ایک واحد ملزم شخص کی آواز سے اس قدر خوفزدہ رجیم نے کیا کیا ناقابلِ اعتبار جرائم کیے ہوں گے!۔

میں اس بے ادبی اور بے عزتی کو بیان کرتا ہوں جو فوجی لیڈروں نے ہمہ وقت آپ کے خلاف دکھائے رکھی۔ جس غیر انسانی تنہائی میں مجھے رکھا، جتنی زیادہ بار اس عدالت نے اس کو ختم کرنے کے احکامات دیے، جتنی زیادہ اس عدالت نے میرے بہت ہی بنیادی حقوق کی عزت کرنے کے احکامات دیے، جتنی زیادہ اس نے مجھے اپنے سامنے پیش کرنے کے احکامات دیے، اِس عدالت کے احکامات کی کبھی بھی تعمیل نہ کی گئی۔اُس سے بھی بری بات یہ ہے کہ عدالت کے رو برو پہلی اور دوسری پیشیوں میں میرے ساتھ ایک مجسٹریٹ گارڈ کھڑا کر دیا گیا تا کہ میں کسی اور سے کوئی بات نہ کر سکوں، حتیٰ کہ مختصر ترین وقفوں میں بھی۔ دوسرے الفاظ میں، نہ صرف جیل میں، بلکہ عدالت میں بھی اور آپ کے سامنے انہوں نے آپ کے احکامات کو نظر انداز کیا۔ میں اگلے سیشن میں عدالت کے لیے بنیادی عزت کے معاملے کے بطور، اس کا تذکرہ کرنے کا ارادہ رکھتا تھا، مگر مجھے دوبارہ کبھی لایا ہی نہ گیا۔اور اگر اس قدر بے عزتی کے بدلے میں، وہ ہمیں آپ کے سامنے لاتے ہیں تا کہ قانون کے نام پہ ہمیں جیل دی جائے جس کا وہ، اور صرف وہ دس مارچ سے خلاف

ورزی کرتے چلے آرہے ہیں، یقیناً غمناک ہے۔ وہ یہ کام آپ پر مسلط کرنا چاہتے ہیں۔ اس مقدمے کے دوران لاطینی مقولہ Cedant arma togae (ملٹری اقتدار سول اقتدار کو راستہ دے) کی یقیناً ایک بھی موقع پر تعمیل نہ کی گئی۔ میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ اُس صورتحال کو ذہن میں رکھیے۔

مزید برآں، یہ طریقے بہرصورت بے کار تھے، میرے بہادر کامریڈوں نے بے مثال حب الوطنی کے ساتھ مقدور بھر صورت میں اپنا فرض ادا کیا۔

''ہاں ہم کیوبا کی آزادی کے لیے لڑنے نکلے اور ایسا کرنے میں شرمندہ نہیں ہیں''۔ اُن میں سے ایک ایک نے گواہ کے کٹہرے میں کھڑے ہوکر اعلان کیا۔ پھر متاثر کن جرات کے ساتھ عدالت کو مخاطب کرتے ہوئے انہوں نے ہمارے بھائیوں کے جسموں پر کیے گئے وحشیانہ جرائم کی مذمت کی۔ گو کہ میں اپنے سیل میں، عدالت سے غیر حاضر، مقدمے کی ساری تفصیلات جان رہا تھا۔ اور میں اس کے لیے جیل میں موجود قیدیوں کا مشکور ہوں۔ ساری دھمکیوں کے باوجود اُن لوگوں نے اخباری تراشے اور اس طرح کی دوسری ساری اطلاعات مجھ تک پہنچانے کے ذہین طریقے ڈھونڈے۔ اس طرح انھوں نے اپنے خلاف روا رکھے گئے وارڈن تابوآدا، اور سپر وائزر لیفٹننٹ روزاباآل کی زیادتیوں اور بداخلاتیوں کا انتقام لے لیا، جنہوں نے انھیں طلوع آفتاب سے لے کر سورج ڈوبنے تک پرائیویٹ محلات تعمیر کرنے پہ دھکیلا اور جیل کے فوڈ بجٹ کو غبن کر کے انھیں بھوکا رکھا۔

جوں جوں مقدمہ آگے بڑھتا رہا۔ رول اور کردار الٹ ہونے گئے: وہ جو الزام لگانے آئے تھے انہوں نے خود کو ملزم دیکھا، اور ملزم کو مدعی۔ یہ انقلابی نہ تھے جن پر وہاں فیصلہ ہوا: بلکہ ایک بار اور ہمیشہ کے لیے اُس ایک شخص کا فیصلہ ہوا جس کا نام بتستا تھا..... ۔ اور اگر کل عوام ڈکٹیٹر کو اور اس کے حواریوں کو سزا دیں تو یہ کوئی اہم بات نہیں کہ ان بہادر اور قیمتی نوجوان لوگوں کو سزا دی گئی۔ ہمارے لوگوں کو آئزل آف پائنز کی جیل میں ڈال دیا گیا تھا جس کی چکردار راہداریوں اور غلام گردشوں کے قلعہ کا بھوت ابھی تک منڈلاتا ہے، اور جہاں بے شمار کشتہ لوگوں کی چیخیں ابھی تک

بازگشت کرتی ہیں: وہاں ہمارے نوجوان آزادی کے ساتھ اپنی محبت کا کفارہ ادا کرنے بھیج دیے گئے، ایک تلخ قید میں، سماج سے باہر، اپنے گھروں سے کاٹ کر الگ کیے ہوئے، اور اپنے ملک سے جلا وطن کیے ہوئے۔ کیا یہ آپ کے سامنے واضح نہیں کہ، جیسے کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں، کہ ایسی صورتحال میں وکیلوں کے لیے اپنے فرائض سرانجام دینا مشکل اور ناموافق ہوتا ہے؟۔

اتنی زیادہ مکدر اور غیر قانونی فتنہ پردازی کے نتیجے میں، اُن کی مرضی کی وجہ سے جو حاکم ہیں اور اُن کی کمزوری کی وجہ سے جو عدالت کرتے ہیں، میں یہاں سویلین ہسپتال میں اس چھوٹے سے کمرے میں موجود ہوں، جہاں مجھے خفیہ پیشی کے لیے لایا گیا، تاکہ میری بات باہر نہ جائے اور میری آواز دبائی جاسکے، اور تاکہ کوئی بھی اُن چیزوں کے بارے میں نہ جان سکے جو میں کہنے جا رہا ہوں۔ پھر ہمیں انصاف کے اُس مجبور محل کی کیا ضرورت ہے جسے بلا شک وشبہ معزز جج صاحبان زیادہ آرام دِہ پائیں گے؟۔ میں آپ کو خبردار کرتا ہوں: کہ ایک ہسپتال کے کمرے سے جس کے گرد سنگینوں والے سنتریوں کا محاصرہ ہو انصاف منظّم کرنا عاقبت نا اندیشی ہے۔ شہری یہ سمجھیں گے کہ ہمارا انصاف بیمار ہے۔ اور یہ کہ یہ قیدی ہے۔

میں آپ کو یاد دلاتا ہوں کہ آپ کے دستور العمل کا قانون یہ مہیا کرتا ہے کہ ٹرائیل کی سماعت ''کھلے عام'' ہوگی، مگر پھر بھی عوام کو عدالت کے اِس مقدمے سے مکمل طور پر دور رکھا گیا۔ جن سویلینوں کو یہاں اجازت دی گئی وہ صرف دو وکیل اور چھ رپورٹر تھے جن کے اخباروں میں لگی پریس سنسرشپ میرے کہے ہوئے ایک لفظ کو بھی چھپنے نہ دے گی۔ مجھے اس پورے چیمبر اور رہداریوں میں میرے واحد سامع تقریباً سو سپاہی اور اُن کے افسر نظر آرہے ہیں۔ جس شائستگی اور سنجیدہ توجہ سے وہ مجھے سنتے ہیں اس کے لیے میں اُن کا شکرگزار ہوں۔ میری اولین خواہش ہے کہ ساری آرمی میرے سامنے موجود ہو۔ میں جانتا ہوں کہ ایک روز، یہ آرمی غصے کے ساتھ خوفناک شرمناک خون کے دھبوں پر گھول جائے گی جو اقتدار کی شہوت وحرص میں موجودہ ناترس گروہ کی طرف سے فوجی یونیفارم پر خون کے چھینٹوں کے دھبوں کی صورت موجود ہیں۔ اُس روز، اُن امیر زادہ لوگوں کے لیے کیا کیا زوال منتظر ہے، بشرطیکہ عوام نے اُس روز سے بہت عرصہ قبل انھیں تخت

سے اتار نہ دیا ہو!۔

میں آخر میں یہ اضافہ کرنا چاہوں گا کہ مجھے اپنے سیل میں پنسل لا پر کسی کتاب کی اجازت نہ دی گئی۔ میرے پاس محض یہ چھوٹی سی کوڈ آف لا موجود تھی جو مجھے میرے فاضل وکیل ڈاکٹر بادیو کاسٹیلانوس نے مستعار دی تھی جو کہ میرے کامریڈوں کا بہادر وکیل ہے۔ اسی طرح انہوں نے مجھ پر مارٹی کی کتابوں کے حصول پہ پابندی لگائی۔ لگتا ہے کہ جیل خانے کی سنسرشپ اُن کتابوں کو بھی تخریب کار سمجھتی ہے۔ یا پھر اس لیے، کہ میں نے کہا کہ مارٹی 26 جولائی کی روح پھونکنے والا تھا۔ مجھ پہ اس مقدمے کے دوران کسی اور موضوع پر بھی ریفرنس کتابوں کی بھی پابندی تھی۔ مگر اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا!۔ میں استاد (مارٹی) کی باتوں کو دل میں لیے پھرتا ہوں، اور میرے ذہن میں اُن سارے انسانوں کے اشرف تصورات موجود ہیں جنہوں نے کہیں بھی عوام کی آزادی کا دفاع کیا ہو!۔

میں اس عدالت سے صرف ایک درخواست کرتا ہوں۔ اور مجھے یقین ہے کہ میری یہ درخواست اُن تمام زیادتیوں اور ناانصافیوں کے مداوا کے بطور قبول کی جائے گی جو ملزموں کو قانون کی حفاظت کے بغیر برداشت کرنی پڑیں۔ میں چاہتا ہوں کہ بغیر کسی پابندی کے اپنے مافی الضمیر کو کہنے کے میرے حق کا احترام کیا جائے۔ بصورت دیگر انصاف کی معمولی ترین مشابہت تک کو برقرار نہیں رکھا جاسکتا، اور اس مقدمے کی آخری قسط رسوائی اور بزدلی ہوگی۔

مجھے تسلیم کرنا چاہیے کہ میں کسی حد تک ناخوش ہوں۔ میں نے توقع کی تھی کہ معزز پرسیکیوٹر ایک سنگین الزام کے ساتھ آئے گا۔ میرا خیال تھا کہ وہ اپنی بحث اور اپنے دلائل کی آخری حد تک اس بات کا جواز پیش کرے گا کہ مجھے انصاف اور قانون کے نام پر 26 سال کی قید کی سزا دی جائے۔ مگر نہیں۔ اس نے خود کو سوشل ڈیفنس کوڈ کے دفعہ 148 تک محدود رکھا۔ اس کی بنیاد پر، بشمول بگڑتی ہوئی صورتحال کی بنیاد پر، وہ درخواست کرتا ہے کہ مجھے 26 سال کی طویل قید کی سزا ہو!۔ دومنٹ بہت کم وقت لگتے ہیں جس میں اس بات کا مطالبہ کیا جائے اور جواز پیش کیا جائے کہ ایک شخص کو چوتھائی صدی سے زیادہ کی جیل کی سزا دی جائے۔ کیا معزز پراسیکیوٹر عدالت سے

ناراض ہے؟۔ اس لیے کہ جیسا میں دیکھ رہا ہوں، کہ اس مقدمے میں اُس کا کوتاہ رویہ اُس متانت سے متصادم ہے جس کے ساتھ معزز ججوں نے اعلان کیا تھا، بلکہ فخر سے اعلان کیا تھا، کہ یہ ایک زیادہ اہمیت والا مقدمہ تھا۔ میں نے پراسیکیوٹر کو سادہ منشیات والے مقدمات میں محض چھ ماہ کی قید کے لیے دس گنا زیادہ ٹائم تک بولتے سنا ہے۔ معزز پراسیکیوٹر نے اپنی پٹیشن کی حمایت میں ایک لفظ تک پیش نہ کیا۔ میں ایک راست باز شخص ہوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ ریپبلک کے آئین کی وفاداری کا حلف لیے ہوئے ایک پراسیکیوٹر کے لیے یہاں ایک غیر آئینی، قانون سے متعلق ڈی فیکٹو (درحقیقت) حکومت جس کے پاس کوئی قانونی اور اس سے بڑھ کر کوئی اخلاقی بنیاد نہیں، کے نام پر یہاں آنا ایک نوجوان کیوبائی کو، اُسی کی طرح ایک وکیل، اور کو شاید اتنا ہی باوقار جتنا وہ خود ہے، کو 26 برس کے لیے جیل بھیجنے کا کہنا بہت مشکل ہو۔ مگر معزز پراسیکیوٹر ایک صلاحیتوں والا آدمی ہے اور میں نے بہت سارے کم صلاحیتوں والے آدمی دیکھے ہیں جو اس رجیم کے دفاع میں طویل گالیوں کی بوچھاڑ لکھتے ہیں۔ پھر میں کس طرح فرض کرسکتا ہوں کہ اس کے پاس دلائل کم ہیں جن سے اس کا دفاع کیا جائے، کم از کم پندرہ منٹ تک کے لیے، وہ خواہ کسی بھی شریف آدمی کے لیے کتنا قابل نفرت ہو؟۔ یہ واضح ہے کہ اس سب کے پیچھے بہت بڑی سازش ہے۔

معزز جج! مجھے خاموش کرنے میں اتنی دلچسپی کیوں؟۔ کیوں ہر طرح کی دلیل کو قبل از وقت ترک کیا جارہا ہے تاکہ کسی بھی ہدف کو پیش کرنے سے بچا جاسکے جس کے خلاف میں خود اپنی وضاحت کا رخ کرسکوں؟۔ کیا ایسا ہے کہ اُن کے پاس قانونی، اخلاقی یا سیاسی بنیاد موجود نہیں جس کی بنیاد پر معاملے کے ایک سنجیدہ ضابطہ کو سامنے لایا جائے؟۔ کیا وہ سچ سے اس قدر خوفزدہ ہیں؟۔ کیا اُنھیں امید ہے کہ میں بھی صرف دومنٹ بولوں گا، اور میں اُن نکات کو نہیں اٹھاؤں گا جنہوں نے کہ 26 جولائی سے کچھ لوگوں کو بے نیند راتیں دی ہیں؟۔ چونکہ پراسیکیوٹر کی پٹیشن کو محض سوشل ڈیفنس کوڈ کے ایک آرٹیکل سے پانچ لائنیں پڑھنے تک محدود کیا گیا، تو کیا اُن کا خیال ہے کہ میں بھی خود کو انہی پانچ سطروں تک محدود رکھوں گا اور انہی کے گرد اِس طرح دائرہ لگاؤں گا جس طرح ایک غلام ایک چکی گھماتا ہے؟۔ میں کسی طرح بھی ایسی زبان بندی قبول نہیں کروں گا، اس لیے کہ اس

مقدمہ میں محض ایک آدمی کی آزادی داؤ پر نہیں لگی ہوتی ہے۔ یہاں قانون کے بنیادی معاملات پر بحث ہو رہی ہے۔ یہ مقدمہ ''انسان آزاد رہنے کا حق رکھتے ہیں'' کا مقدمہ ہے، ایک مہذب اور جمہوری قوم کے بطور ہمارے وجود کی بنیادیں ترازو پہ ہیں۔ جب یہ مقدمہ ختم ہو جائے تو میں خود کو کسی غیر دفاع شدہ اصول، کسی غیر گفتگو شدہ سچ، کسی غیر مذمت کردہ جرم کے لیے اپنی سرزنش کرنا نہیں چاہتا۔

معزز پراسیکیوٹر کا مشہور چھوٹا آرٹیکل، میرے وقت کے ایک منٹ کا مستحق بھی نہیں ہے۔ میں اِس وقت خود کو اُس کے خلاف ایک چھوٹے لیگل جھگڑے تک محدود کروں گا، اس لیے کہ میں اُن سارے بے انت دروغوں اور عیاریوں، منافقت، رسم پرستی اور اخلاقی بزدلی کے خلاف حملہ آور ہونے کے لیے میدان صاف کرنا چاہتا ہوں جس نے اُس غیر مہذب کامیڈی کے لیے سٹیج سجایا ہے جسے دس مارچ سے (اور حتیٰ کہ اس سے بھی قبل) کیوبا میں ''انصاف'' کہا گیا ہے۔

یہ کرمنل لا کا ایک بنیادی اصول ہے کہ کسی الزام لگے جرم کو ہو بہو قانون کی طرف سے بیان کردہ جرم کی قسم کے مشابہ ہونا ہوگا۔ اگر مذکورہ نکتے پر کوئی قانون نہیں آتا تو کوئی جرم ہوا ہی نہیں۔

مذکورہ آرٹیکل یوں ہے: ''جرم کا ارتکاب کرنے والے کو کسی ایسے عمل پہ تین سے دس برس تک کی قید کی سزا ہوگی جس کا مقصد ریاست کے آئینی اختیارات کے خلاف ایک مسلح بغاوت لانا ہو۔ اگر وہ بغاوت واقعی عمل میں لائی جا چکی ہو تو سزا پانچ سے بیس برس تک ہوگی۔

معزز پراسیکیوٹر کس ملک میں رہ رہا ہے؟ اُسے کس نے بتایا کہ ہم نے ریاست کے آئینی اختیارات کے خلاف ایک بغاوت چاہی ہے؟۔ دو چیزیں واضح ہیں۔ سب سے پہلے، جو ڈکٹیٹر شپ قوم پر جبر و ظلم کرے وہ ایک آئینی اقتدار نہیں، بلکہ غیر آئینی ہے: یہ آئین کے خلاف قائم کی گئی تھی، آئین کے سر کے اوپر، ریپبلک کے جائز آئین کی خلاف ورزی کرتے ہوئے۔ جائز آئین وہ ہے جو ڈائریکٹ طور پر ایک بااختیار عوام سے صادر ہوتا ہو۔ میں ذرا دیر میں نا قابلِ جواز کو جائز قرار دینے کے بزدل اور غداروں کی طرف سے حیلہ کردہ سارے عذر اور بہانوں کو

مسترد کرتے ہوئے اس نکتے کی وضاحت کروں گا۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ آرٹیکل اختیارات کی بات کرتا ہے، جمع کے صیغے میں، جس طرح کہ ایک ریپبلک پر ایک آئین ساز اقتدار کا معاملہ ہو، ایک ایگزیکٹو پاور کا، اور ایک جوڈیشل پاور کا جو ایک دوسرے کو بیلنس اور نہ بیلنس کرتے ہوں۔ ہم نے ایک سنگل پاور، ایک غیر قانونی پاور کے خلاف بغاوت گرم کردی، جس نے کہ قوم کے آئین ساز اور انتظامی پاورز پر زبردستی قبضہ کیا اور انہیں ایک واحد میں ضم کر دیا، اور یوں اس پورے نظام کو برباد کر دیا جسے اُس ''کوڈ'' سے بالخصوص محفوظ کیا گیا تھا جس پر ہم بحث کر رہے ہیں۔ جہاں تک دس مارچ کے بعد عدلیہ کی آزادی کی بات ہے تو میں اس پر اشارہ نہیں کروں گا اس لیے کہ میں مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔۔۔۔ کوئی مسئلہ نہیں کہ کس طرح دفعہ 148 کو پھیلایا جائے، سکیڑا کیا جائے یا ترمیم کی جائے، 26 جولائی کے واقعات پر ایک ''کاما'' تک کا اطلاق نہیں ہوتا۔ آیئے ہم اس آئین کو چھوڑ دیں اور اُسے اُن لوگوں پر اطلاق کرنے کے موقع کا انتظار کریں جنہوں نے واقعی ریاست کے آئینی اختیارات کے خلاف ایک بغاوت ابھار دی ہے۔ میں بعد میں اس ''کوڈ'' پر واپس آؤں گا تاکہ کچھ حالتوں کے متعلق معزز پراسیکیوٹر کی یادداشت کو تازہ کروں جو وہ بدقسمتی سے نظر انداز کر گئے ہیں۔

میں آپ کو خبردار کرتا ہوں کہ میں اپنی بات ابھی شروع کر رہا ہوں۔ اگر آپ کے دل میں آپ کے ملک، انسانیت، اور انصاف کے لیے ذرہ بھر محبت بھی موجود ہے تو غور سے سنیے۔ میں جانتا ہوں کہ رجیم ہر ممکن طریقے سے سچ کو دبانے کی کوشش کرے گا۔ میں جانتا ہوں کہ مجھے گم نامی میں دفن کرنے کی ایک سازش ہوگی۔ مگر میری آواز کو نہ دبایا جا سکے گا۔ یہ حتیٰ کہ اُس وقت بھی میری چھاتی سے ابھرے گی جب میں انتہائی تنہائی محسوس کروں گا، اور میرا دل اُسے ساری آگ عطا کرے گا جو بے حس بزدل اُسے دینے سے انکار کریں گے۔

سوموار 27 جولائی کو پہاڑوں میں ایک معمولی جھونپڑی میں سے، میں نے ہوا میں ڈکٹیٹر کی آواز سنی جب حکومت کے خلاف ابھی ہمارے 18 آدمی اسلحہ اٹھائے ہوئے تھے۔ جن لوگوں نے اس طرح کے لمحے کبھی نہ دیکھے وہ اُس طرح کی تلخی اور طیش کو کبھی نہ جان پائیں گے۔

جس وقت اپنے عوام کو آزاد کرنے کی طویل پرورش کردہ امیدیں ہمارے پاس کھنڈر کی جائیں تو ہم نے اُن کچلی ہوئی امیدوں کو ایک آمر کی طرف سے ہمیشہ سے زیادہ بدکار، زیادہ متکبر، زیادہ لالچی سنا۔ دروغوں اور بہتانوں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ، جو اُس کی غیر مہذب، مکروہ، اور نفرت انگیز زبان سے جاری تھا، کا محض اُس نوجوان صاف خون کی نہ ختم ہونے والی ندی سے مقابلہ کیا جاسکتا ہے جو پچھلی رات سے جاری ہوئی تھی۔۔۔۔ جو اُس کی رضا کے ساتھ تھی، سازش کے ساتھ تھی اور منظوری کے ساتھ تھی۔۔۔ جو تصور کی حد تک ممکن قاتلوں کے غیر انسانی ترین گینگ کی طرف سے بہہ رہا تھا۔ اُس پر ایک لمحے کے لیے یقین کرنا ایک باضمیر آدمی کو اُس کی بقیہ ساری زندگی پشیمانی اور شرم سے ڈبونے کے لیے کافی ہوتا۔ اُس وقت میں اس کی بدنصیب پیشانی کو سچ کے ایک نشان سے برانڈ کرنے کی امید بھی نہیں کرسکتا تھا جو اسے بقیہ زندگی کے ایام کے لیے اور آنے والے سارے زمانوں کے لیے سزا دے۔ پہلے ہی ہمارے ہتھیاروں کے مقابلے میں سے ایک ہزار سے زیادہ طاقتور ہتھیاروں سے لیس اور ہماری لاشوں کو لانے کے اٹل احکامات کے ساتھ آدمیوں کا ایک دائرہ ہمارے گرد تنگ ہو رہا تھا۔ اب جبکہ سچ باہر نکل رہا ہے، اب جبکہ آپ کے سامنے بولتے ہوئے میں وہ مشن پورا کر رہا ہوں جو میں نے اپنے لیے مقرر کیا ہے، میں سکون اور اطمینان کے ساتھ مرسکوں گا ۔اس لیے میں اُن وحشی قاتلوں سے متعلق اپنے الفاظ چباؤں گا نہیں۔

حکومت نے خود کہا کہ بغاوتی حملہ میں اس طرح کی کمال درستگی اور پختگی تھی کہ ضرور کسی فوجی حکمتِ عملی کے ماہر نے اس کی منصوبہ بندی کی ہوگی۔ اس سے بڑا جھوٹ کوئی نہ ہوگا۔ یہ منصوبہ نوجوانوں کے ایک گروپ نے بنایا تھا، جن میں سے ایک کا بھی ملٹری تجربہ نہ تھا۔ میں اُن کے نام ظاہر کروں گا، صرف دو کا نام نہیں بتاؤں گا جو نہ تو جیل میں ہیں اور نہ مرے ہیں: ایبل سنٹا ماریا، جوزے لوئی تاسندے، رینا ٹو گٹارٹ روسل، پیڈرو میریٹ، جیزس مونٹانے، اور میں خود۔ اُن میں سے نصف مر گئے اور اُن کی یاد کو خراج تحسین پیش کرنے میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ گو کہ وہ ملٹری ماہر نہ تھے، مگر وہ اتنے زیادہ محبّ وطن تھے کہ اگر ہم اس قدر نقصان میں نہ جاتے تو وہ سارے جنرلوں کے مشترکہ انبار کو اچھی مار دے سکتے، 10 مارچ کے اُن جنرلوں کو جو نہ سپاہی ہیں اور نہ محبّ وطن۔ حملہ کی

منصوبہ بندی سے بہت زیادہ مشکل کام اس متشدد رجیم میں ہمارے لوگوں کی تنظیم کاری، ٹریننگ، موبلائزنگ اور انہیں مسلح کرنا تھا جس نے کہ جاسوسی، رشوت اور انفارمیشن سروسز پہ ملینوں ڈالر خرچ کر رکھے تھے،۔ بہر حال، یہ سب کام اُن آمیوں اور اُن جیسے دوسرے لوگوں نے ناقبل بیاں سنجیدگی، تمیز اور ڈسپلین کے ساتھ مکمل کر لیے۔ اس سے بھی قابل تعریف حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے اس فریضہ کے لیے جو کچھ اُن کے پاس تھا، دے دیا، حتیٰ کہ بالآخر اپنی جان تک۔

سارے ملک کے دور ترین قصبوں سے آتے ہوئے لوگوں کی اس صوبے تک آخری موبلائزیش زبردست درستگی اور پوری راز داری کے ساتھ مکمل ہوگئی۔ یہ بات بھی سچ ہے کہ حملہ عظیم الشان کو آرڈی نیشن کے ساتھ کیا گیا۔ یہ بآیا مو اور سنؔتیا گوڈی کیوبا، دونوں جگھوں میں ٹھیک صبح پانچ بج کر پندرہ منٹ پر شروع ہوا۔ اور پہلے ہی سے تیار کردہ ایک ایک کر کے منٹوں اور سیکنڈوں کے ٹھیک ٹھیک منصوبے کے ساتھ بیرکوں کے اردگرد عمارتیں ہماری فوجوں کے قبضے میں آتی چلی گئیں۔ البتہ، سچائی کے حق میں اور خواہ یہ ہماری فضیلت کو کم کر لے، میں پہلی بار ایک حقیقت کا انکشاف کرنے جا رہا ہوں جو مہلک تھی: ایک بہت ہی بدقسمت غلطی کے سبب، ہماری فورسز کا آدھا، اور بہتر طور پر مستحکم آدھا' شہر کے داخلے پر راستہ بھٹک گیا اور فیصلہ کن ساعت پر ہماری مدد کو دستیاب نہ تھا۔ آبیؔل سنتا ماریا، نے 21 آدمیوں کے ساتھ سول ہسپتال پر قبضہ کیا تھا۔ اس کے ساتھ ایک ڈاکٹر اور ہماری دو عورت کامریڈز زخمیوں کی دیکھ بحال کے لیے گئے۔ راؤل کاسٹرو نے دس آدمیوں کے ساتھ انصاف محل پر قبضہ کر لیا۔ اور بیرکوں پر حملہ کرنا بقیہ 95 افراد کے ساتھ میری ذمہ داری تھی۔ ہم نے آٹھ آدمیوں کے ایڈوانس گروپ سے پیش قدمی کی جنہوں نے گیٹ نمبر 3 کو فتح کیا تھا، اس کے بعد میں 45 آدمیوں کے پہلے گروپ کے ساتھ پہنچا۔ بالکل یہی جگہ تھی جہاں لڑائی شروع ہوئی ۔جب میری گاڑی کا مشین گنوں سے لیس ایک بیرونی گشت سے آمنا سامنا ہوا، توریزرو گروپ جو کہ تقریباً سارے کا سارا بھاری ہتھیاروں سے لیس تھا غلط گلی سے مڑا اور ناواقف شہر کی گلیوں میں راستہ بھول گیا۔ میں اس حقیقت کو واضح کرتا چلوں کہ مجھے ایک لمحے کو بھی اُن افراد کی جرات پر شک نہیں ہے۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ وہ راستہ بھول گئے ہیں تو انہیں عظیم روحانی اذیت اور سخت

نا امیدی ہوئی۔جس نوعیت کی کاروائی تھی اور چونکہ مخالف افواج نے ایک جیسی رنگت کے یونیفارم پہن رکھے تھے،تو ان لوگوں کے لیے ہمارے ساتھ دوبارہ رابطہ بحال کرنا آسان نہ تھا۔اُن میں سے بہت سے بعد میں گرفتار کر لیے گئے اور خالص جرأت کے ساتھ موت سے ملے۔

ہر ایک کو ہدایات تھیں۔اولین یہ کہ وہ جدوجہد کے دوران ملائم اور ہمدرد رہے۔دشمنوں کے ساتھ اس قدر دریادل کوئی اور مسلح گروپ نہ ہوا ہوگا۔ شروع ہی سے ہم نے بہت سے قیدی بنا لیے۔ تقریباً20۔(اور ایک موقع ایسا آیا جب ہمارے تین آدمی،رامیرو والدیس، جوزے سوآریز اور جیزس مونٹانے)ایک بیرک میں داخل ہونے میں کامیاب ہوئے اور ایک مختصر وقت کے لیے تقریباً50 سپاہیوں کو قید کر لیا۔اُن سپاہیوں نے عدالت کے سامنے بیان دیا،اور اُن سب کے سب نے مان لیا کہ ہم اُن کے ساتھ مکمل عزت کے ساتھ پیش آئے ،اور یہ کہ ہم نے انہیں حتیٰ کہ ایک طنز والا جملہ تک نہ کہا۔اس سلسلے میں اپنے کامریڈوں کے مقدمے میں اس ایک بات پر پراسیکیوٹر کا دلی شکریہ ادا کرتا ہوں؛ جب اُس نے اپنی رپورٹ بنائی تو وہ یہ تسلیم کرنے میں کافی منصفانہ رہا کہ ہم نے پوری جدوجہد کے دوران بہادری کے بلند سپرٹ کو برقرار رکھا۔

سرکاری سپاہیوں کے اندڈسپلن بہت کم زور تھا۔انہوں نے اپنی زیادہ تعداد کی بنا پر بالا آخر ہمیں شکست دی۔(پندرہ وہ،ایک ہم)اور قلعہ میں موجودگی کے سبب۔ ہمارے لوگ بہت بہتر نشانہ باز تھے،جس طرح کہ ہمارے دشمنوں نے خود تسلیم کیا تھا۔دونوں طرف بہادری اعلیٰ تھی۔

اِس افسوس ناک غلطی کے علاوہ جس کا ذکر پہلے کیا گیا،داؤ پیچ کی ہماری ناکامی کا تجزیہ کرتے ہوئے میرا خیال ہے کہ ہم نے اُس کمانڈو یونٹ کو تقسیم کر کے غلط کیا جس کی ہم نے بہت احتیاط سے تربیت کی تھی۔ ہمارے بہترین تربیت یافتہ آدمیوں اور لیڈروں میں 27 بایاموں میں تھے، 21 سول ہسپتال میں،اور دس انصاف محل میں۔ اگر ہماری فورس مختلف طریقے سے تقسیم ہوتی تو لڑائی کا نتیجہ مختلف ہوتا۔گشت کے ساتھ تصادم بالکل حادثاتی تھا،اس لیے کہ یونٹ اِس جگہ پر20 سیکنڈ پہلے یا20 سیکنڈ بعد میں ہوسکتا تھا)۔اس تصادم نے کیمپ کو خبردار کر دیا،اور اُسے متحرک ہونے کا وقت دیا۔وگرنہ یہ ایک گولی چلائے بغیر ہمارے قبضے میں ہوتا،اس لیے کہ ہم نے گارڈ

پوسٹ کو پہلے ہی قابو کر لیا تھا۔دوسری طرف 22. کیلبر رائیفلز کے ماسوا،جن کے لیے گولیاں بہت تھیں،ہماری طرف گولیاں بہت کم تھیں۔اگر ہمارے پاس ہینڈ گرنیڈ ہوتے تو آرمی پندرہ منٹ تک کے لیے بھی ہماری مزاحمت کرنے کے قابل نہ ہوتی۔

جس وقت میں قائل ہو گیا کہ بیرکوں پر قبضہ کرنے کی ساری کوششیں اب بے کار ہیں،تو میں نے اپنے آدمیوں کو آٹھ اور دس کی ٹولیوں میں واپس بلانا شروع کیا۔ ہماری پسپائی کو پیڈرو میریٹ اور فیڈل لبراڈور کی کمان میں چھ ماہر نشانہ باز گو ردے رہے تھے۔انہوں نے آرمی کی پیش قدمی کو بہادری سے روکے رکھا۔لڑائی میں ہمارا نقصان برائے نام ہوا۔ہماری ہلاکتوں کا 95 فیصد تو لڑائی کے بعد آرمی کی غیر انسانیت کی وجہ سے ہوا۔سول ہسپتال کے گروپ میں محض ایک ہلاکت ہوئی، بقیہ کو اُس وقت جال میں پھنسا دیا گیا جب فوج نے باہر جانے کا واحد راستہ بلاک کر دیا۔مگر ہمارے جوانوں نے اُس وقت تک ہتھیار نہ ڈالے جب تک کہ اُن کی آخری گولی ختم نہ ہوئی۔اُن کے ساتھ ابیل سنتا ماریا تھا،جو ہمارے جوانوں میں سب سے زیادہ عالی ہمت تھا،سب سے زیادہ محبوب تھا،اور اس کی شاندار مزاحمت نے کیوبائی تاریخ میں اُسے لافانی بنا دیا۔اُن کا انجام کیا ہوا ہم دیکھیں گے،اور کس طرح بتستا نے ہمارے نوجوانوں کی بہادری کو سزا دینے کی ٹھان لی۔

رجمنٹ پر حملہ ناکام ہونے کی صورت میں ہم نے پہاڑوں میں جدوجہد کو جاری رکھنے کا منصوبہ بنایا۔سیبونی کے مقام پر میں اپنی فورسز کی ایک تہائی جمع کرنے کے قابل ہوا،مگر اُن آدمیوں میں بہت سے اب حوصلہ ہار چکے تھے۔اُن میں سے تقریباً20 نے ہتھیار ڈالنے کا فیصلہ کیا۔بعد میں ہم دیکھیں گے کہ اُن کے ساتھ کیا ہوا۔ باقی 18 آدمی بچے کھچے اسلحہ اور گولیوں کے ساتھ میرے ساتھ پہاڑوں میں چلے۔علاقہ ہمارے لیے مکمل طور پر نا آشنا تھا۔ایک ہفتہ تک ہم نے گران پیڈرا کی چوٹیاں قبضے میں رکھیں جبکہ آرمی پہاڑ کے دامن پر قابض تھی۔ہم نیچے نہیں اتر سکتے تھے،وہ اوپر آنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے۔یہ اسلحہ کا زور نہ تھا بلکہ بھوک اور پیاس تھی جس نے بالآخر ہماری مزاحمت پر قابو پا لیا۔مجھے آدمیوں کو چھوٹے گروہوں میں تقسیم کرنا پڑا۔ان میں

سے کچھ آرمی کی صفوں میں سے پھسل نکلنے میں کامیاب ہوئے۔ باقیوں کو مانسگنور پیریز سیرانٹز نے گھیرے میں لے لیا۔ آخر میں دو کامریڈ میرے ساتھ رہ گئے (جوزے سوآریز اور آسکر الکالڈے) ۔ہم تینوں مکمل طور پر تھک چکے تھے، لیفٹنٹ ساریا کی قیادت میں ایک دستے نے صبح صادق کے وقت سوتے میں اچانک ہمیں آن لیا۔ یہ یکم اگست کا ہفتے کا دن تھا۔ اُس وقت تک ملک میں عوامی احتجاج کے نتیجے میں قیدیوں کا ذبیحہ رک گیا تھا۔ اس آفیسر اور باوقار شخص نے، ہمیں موقع پر ہلاکت سے بچایا جبکہ ہمارے ہاتھ پشت پہ بندھے تھے۔

یہاں مجھے اگالڈے کیریلو اینڈ کمپنی کے احمق بیانات کی تردید کرنے کی کوئی ضرورت نہیں جس نے خود اپنی بزدلی، نااہلی اور مجرمی کو چھپانے کی کوشش میں میرے نام کو داغدار کرنے کی کوشش کی۔ حقائق کافی واضح ہیں۔

میرا مطلب عدالت کو جنگی بیان سے بور کرنا نہیں ہے۔ جو کچھ میں نے کہا ہے، وہ، جو کچھ ابھی آنا ہے اُس کی جامع تفہیم کے لیے لازمی ہے۔ میں آپ کو دو اہم حقائق بتاتا ہوں۔ اس سے ہمارے رویے کی معروضیت کا سمجھنا آسان ہوگا۔ پہلا: ہم افسرانِ بالا کو گھروں پر قابو کر کے رجمنٹ پر آسانی سے کنٹرول کر سکتے تھے۔ اس امکان کو محض اس انسانی احساس کے سبب مسترد کیا گیا کہ ہم اُن کی فیملیز کی موجودگی میں ٹریجڈی سے پرہیز کرنا چاہتے تھے۔ دوم: ہم نے اُس وقت تک کسی ریڈیو سٹیشن پر قبضہ نہ کرنے کا فیصلہ کیا جب تک کہ آرمی کیمپ ہمارے قبضہ میں نہ آئے۔

یہ رویہ، غیر معمولی طور پر بڑے پن اور دوسروں کا خیال رکھنے والا تھا۔ اس رویے نے شہریوں کو ایک بڑی خونریزی سے بچایا۔ میں صرف دس آدمیوں سے ایک ریڈیو سٹیشن پر قبضہ کر سکتا تھا اور عوام سے بغاوت کرنے کا کہہ سکتا تھا۔ لڑنے کے لیے عوامی عزم پر کوئی شک ہی نہ تھا۔ میرے پاس CMQ ریڈیو نیٹ ورک پر ایڈوارڈو چباس کے آخری پیغام اور حب الوطنی کی نظمیں اور جنگی ترانوں کی ریکارڈنگ موجود تھی جو کسی غیر حساس ترین آدمی کو بھی ابھار سکتے تھے۔ بالخصوص اُن کے کانوں میں زندہ لڑائی کی آوازوں کے ساتھ۔ مگر میں نے انہیں استعمال کرنا نہیں چاہا حالانکہ ہماری حالت مایوس کن تھی۔

حکمران ٹولہ زوردار انداز میں دہراتا رہا کہ ہماری تحریک کو مقبول مدد حاصل نہ تھی۔ میں نے کبھی اس قدر احمقانہ اور بہ یک وقت اس قدر بری نیت سے بھرا دعویٰ نہیں سنا۔ حکمران ٹولہ عوام کی طرف سے تابعداری اور بزدلی دکھانا چاہتا ہے۔ وہ سب مگر دعویٰ کرتے ہیں کہ عوام آمریت کی حمایت کرتے ہیں: انہیں معلوم نہیں کہ بہادر، اعلیٰ، اور اشرف لوگوں کے لیے یہ کتنا توہین آمیز ہے۔ سنٹیاگو کا خیال تھا کہ ہمارا حملہ سپاہیوں کے دو گروہوں کے بیچ ایک مقامی جھگڑا ہے۔ کئی گھنٹے بعد انہیں معلوم ہوا کہ اصل میں ہوا کیا تھا۔ سنتیاگوڈی کیوبا کے باغی اور محبِّ وطن عوام کی بہادری، مہذب افتخار اور لامحدود بہادری پہ کوئی شک کر سکتا ہے؟۔ اگر مونکیڈا ہمارے قبضے میں آجاتا، تو حتیٰ کہ سنتیاگوڈی کیوبا کی عورتیں بھی اسلحہ اٹھا لیتیں۔ سول ہسپتال کی کئی نرسیں تو ہمارے لڑاکوؤں کے لیے لوڈڈ رائفلیں تھیں۔ وہ ہمارے شانہ بشانہ لڑیں۔ یہ ایک ایسی بات ہے جسے ہم کبھی نہیں بھولیں گے۔

ہم اچانک حیران کن حملے میں اُن پہ اور ان کے اسلحہ پہ قابو پانا چاہتے تھے۔ رجمنٹ کے سپاہیوں کے ساتھ جنگ کرنا کبھی ہمارا ارادہ نہ رہا۔ پھر ہم عوام کو ابھارتے اور سپاہیوں سے مطالبہ کرتے کہ وہ آمریت کے مکروہ جھنڈے کو ترک کر دیں اور آزادی کے جھنڈے کو گلے لگائیں ۔قوم کے عظیم مفاد کا دفاع کریں نہ کہ ایک چھوٹے سے گروہ کے حقیر مفاد کا۔ یہ کہ اپنی بندوقوں کا رخ موڑ دیں اور عوام کے دشمنوں پر فائر کریں نہ کہ عوام پر جن کے اندر اُن کے اپنے بیٹے اور باپ موجود ہیں۔ عوام کے ساتھ بھائیوں کی طرح جُڑ جائیں نہ کہ انہیں اپنا دشمن سمجھیں جس طرح کہ حکومت انہیں ایسا بنانا چاہتی ہے۔ اُس واحد خوبصورت تصور کے پیچھے مارچ کریں جس کے لیے اپنی زندگی قربان کی جا سکے، یعنی اپنے ملک کی خوشی اور عظمت۔ میں اُن لوگوں سے سوال کرتا ہوں جنہیں اس بات پر شک ہے کہ کئی سپاہی ہمارے ساتھ آجاتے: کون سا کیوبائی انسان شان کی پرورش نہیں کرتا؟۔ آزادی کے وعدے سے کون سا دل تابناک نہیں ہوتا؟۔

نیوی ہمارے خلاف نہیں لڑی، اور وہ یقیناً بعد میں ہماری طرف آجاتی۔ یہ معلوم بات ہے کہ آرمڈ فورسز کی وہ شاخ ڈکٹیٹر شپ سے کم سے کم مغلوب ہے اور، یہ کہ اُس کے ممبروں کے اندر

حد درجہ شہری شعور موجود ہے۔ مگر، جہاں تک قومی مسلح افواج کے بقیہ کا تعلق ہے، تو کیا وہ ایک بغاوت والے عوام کے خلاف لڑتے؟۔ میں اعلان کرتا ہوں کہ وہ ایسا نہ کرتے۔ چونکہ ایک سپاہی گوشت پوست کا بنا ہوا ہوتا ہے۔ وہ سوچتا ہے، مشاہدہ کرتا ہے اور محسوس کرتا ہے۔ وہ عوام کی رائے سے، عقیدوں سے، ہمدردیوں سے اور نفرتوں سے متاثر ہوتا ہے۔ اگر آپ اُس کی رائے پوچھیں تو وہ آپ کو بتائے گا کہ وہ اس کو بیان نہیں کر سکتا، مگر اِس کا یہ مطلب نہیں کہ اُس کے پاس رائے ہے ہی نہیں۔ وہ بھی انہی چیزوں سے متاثر ہوتا ہے جن سے دوسرے شہری متاثر ہوتے ہیں۔ جیسے کہ خوراک، کرایہ، اُس کے بچوں کی تعلیم، اُن کا مستقبل، وغیرہ۔ اس طرح کی ہر ایک چیز اُس کے اور عوام کے بیچ رابطے کا ناگزیر نکتہ ہوتی ہے، اور اس طرح کی ہر چیز اُسے اپنے سماج کے حال اور مستقبل کی صورتحال سے وابستہ کر دیتی ہے۔ یہ سوچنا حمقی ہے کہ ریاست کی طرف سے ایک سپاہی جو تنخواہ لیتا ہے (جو کہ بہت کم ہوتی ہے) وہ اپنی کمیونٹی کے ایک ممبر کے بطور اس کی ضروریات، فرائض اور احساسات کی طرف سے اُس پر مسلط کردہ اہم مسائل کو حل کرے گا۔

یہ مختصر وضاحت ضروری تھی اس لیے کہ یہ ایک نکتے کے لیے بنیاد ہے جس پر اب تک صرف چند لوگوں نے ہی توجہ دی ہے۔ سپاہی عوام کی اکثریت کے احساسات کے لیے گہرا احترام رکھتے ہیں!۔ ماچاڈو حکمرانی کے دور میں، اُسی تناسب سے جس سے کہ مقبول نفرت بڑھ گئی، فوج کی وفاداری بہت کم ہوئی۔ یہ اس قدر سچی بات تھی کہ عورتوں کا ایک گروہ تقریباً تقریباً کولمبیا کیمپ کو تخریب کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ مگر یہ اُس سے بھی زیادہ ایک حالیہ واقعہ سے ثابت ہو گیا ہے ۔ جبکہ گراؤ سان مارٹن حکمرانی عوام الناس میں اپنی حد سے زیادہ مقبولیت کو برقرار رکھنے کے قابل تھی، بے باک سابقہ افسران اور اقتدار کے بھوکے سویلینوں نے آرمی میں بے شمار سازشوں کی کوشش کی، مگر فوج کی صفوں میں انہیں کوئی شنوائی نہ ملی۔

10 مارچ کو دتا ایسے وقت ہوا جب سول حکومت کا وقار اپنی پست ترین حد تک گھٹ گیا تھا، جس کا فائدہ بتستا اور اس کے گروہ نے اٹھا لیا۔ انہوں نے یکم جون کو کیوں اپنا حملہ نہیں کیا؟۔ صرف اس لیے کہ اگر وہ انتخابات میں قوم کی اکثریت کو اپنی مرضی کے اظہار کرنے کا انتظار کرتے تو

فوج سازش سے متاثر نہ ہوتی۔ چنانچہ، ایک دوسرا دعویٰ بنایا جا سکتا ہے: آرمی نے کبھی بھی ایسی رجیم کے خلاف بغاوت نہیں کی جس کے پیچھے ایک مقبول اکثریت تھی۔ یہ تاریخی سچائیاں ہیں۔ اور اگر بتستا ہر قیمت پہ کیوبائیوں کی اکثریت کی مرضی کے بغیر اقتدار میں رہنے کا اصرار کرتا ہے تو اُس کا انجام جیراڈو ماچاڈو سے زیادہ بھیانک ہوگا۔

مجھے مسلح افواج کے بارے میں رائے دینے کا حق اس لیے ہے کہ میں نے اُس وقت بھی اُن کا دفاع کیا تھا جب باقی سب خاموش تھے۔ اور میں نے ایسا نہ تو ایک سازش کے بطور کیا، نہ کسی ذاتی فائدے کے لیے۔۔۔۔ اُس وقت ہمیں مکمل آئینی اختیار حاصل تھے۔ مجھے صرف نرم انسانی جبلت اور مہذب فریضہ نے آمادہ کیا تھا۔ اُن دنوں قومی سیاسی معاملات پر اُس کی پوزیشن کی بنا پر ''الرٹا'' نامی اخبار سب سے زیادہ پڑھا جاتا تھا۔ اُس اخبار کے صفحوں پر میں نے اُس جبری مشقت کے خلاف مہم چلائی جس کے تحت سپاہی اعلیٰ سول شخصیات اور ملٹری افسروں کی نجی جائیدادوں پر کرنے پہ مجبور تھے۔ 3 مارچ 1952 کو میں نے عدالتوں کو اعداد و شمار، تصاویر، فلمیں اور دیگر ثبوت دے کر اِس صورتحال کی مذمت کی تھی۔ اُن مضامین میں میں نے اس بات کی نشاندہی بھی کی تھی کہ آرمی کی تنخواہیں بڑھانا بنیادی شائستگی تھی۔ میں جاننا چاہتا ہوں کہ سپاہیوں پر مسلط اس ساری ناانصافی کے خلاف اُس موقع پر اور کون بولا تھا۔ یقیناً بتستا اینڈ کمپنی نے ایسا نہیں کیا تھا، وہ تو اپنی پُرتعیش جاگیروں میں حفاظت سے رہ رہے تھے، جن کے گرد ہر طرح کے حفاظتی اقدامات کیے ہوئے تھے، جبکہ میں ہزاروں خطرات میں تھا اور میرے پاس نہ تو باڈی گارڈز تھے اور نہ اسلحہ تھا۔

جس طرح میں نے اُس وقت سپاہیوں کی حمایت کی تھی، بالکل اُسی طرح اب جبکہ دوسرے لوگ ایک بار پھر خاموش ہیں میں انہیں بتاتا ہوں کہ انہوں نے خود کو بری طرح دھوکہ دلانے کی اجازت دی: اور دس مارچ کے دھوکے اور شرم میں انہوں نے ستیا گوڈی کیوبا کے خوفناک اور بلا جواز جرائم کی ذلت، ہزار گنا زیادہ ذلت کا اضافہ کر دیا۔ اُس وقت سے، آرمی کی یونیفارم خون سے آلودہ ہے۔ اور جس طرح کہ پچھلے سال میں نے عوام کو بتایا اور عدالتوں کے سامنے دہائی دی تھی کہ سپاہی نجی جاگیروں پر غلاموں کی طرح کام کر رہے ہیں، آج میں یہ تلخ الزام لگا رہا ہوں کہ ایسے

سپاہی ہیں جو سر سے لے کر پاؤں تک کیوبائی نوجوانوں کے خون سے لتھڑے ہوئے ہیں جن کو انہوں نے ٹارچر کیا اور تہہ تیغ کیا۔ اور میں یہ بھی کہتا ہوں کہ اگر آرمی رپبلک کی خدمت کرے، قوم کا دفاع کرے، عوام کی عزت اور حفاظت کرے تو پھر اُن کی تنخواہ کم از کم سو پیسو ماہوار کر دی جائے۔ لیکن اگر سپاہی عوام کو قتل اور محکوم کریں، قوم سے دغا کریں، اور محض ایک چھوٹے سے گروپ کے مفادات کا دفاع کریں تو پھر آرمی کو، رپبلک کے پیسے سے ایک ٹکے کا بھی حق نہیں ہے۔ اور کیمپ کولمبیا کو سپاہیوں کے بجائے وہاں رہنے والے دس ہزار یتیموں کے سکول میں تبدیل کیا جائے۔

میں ہر چیز سے بالاتر ہونا چاہتا ہوں۔ اس لیے میں سارے سپاہیوں پر اُن شرمناک جرائم کا الزام نہیں دوں گا جو چند برے اور غدار فوجیوں نے کیے۔ مگر ہر وہ باوقار برحق سپاہی جو کہ اپنے پیشے اور وردی سے محبت کرتا ہے، اُس پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اس گناہ کے دھلنے کے لیے مطالبہ کرے اور لڑے، اِس غداری کا انتقام لے اور یہ دیکھے کہ گناہگار کو سزا ملے۔ بصورت دیگر سپاہی کی یونیفارم ایک فخر کے سرچشمے کے بجائے ہمیشہ کے لیے ناکامی کا نشان ہوگی۔

یقیناً دس مارچ ٹولے کے لیے سپاہیوں کو نجی جائیدادوں سے ہٹانے کے علاوہ کوئی اور راستہ نہ تھا۔ مگر اُس نے ایسا صرف اس لیے کیا تاکہ وہ ان حقیر سیاستدانوں کے ہجوم کے مجموعے کے لیے دربان، شوفر، ملازم اور باڈی گارڈ کے بطور کام کریں جو آمریت کی پارٹی تشکیل دیتے ہیں۔ ہر چوتھے یا پانچویں رینک کا اہلکار اپنا حق سمجھتا ہے کہ ایک سپاہی اُس کی کار چلائے اور اس کی حفاظت کرے جیسے وہ چوتڑ پہ ایک ٹھوکر حاصل کرنے کے مسلسل خوف میں ہو، جس کا کہ وہ واقعی حقدار ہے۔

اگر وہ اصل اصلاحات کو آگے بڑھانے میں واقعی دلچسپی رکھتے تو حکمران ٹولے نے کیوں جاگیروں اور جینو ویو پیریز جیسے لاکھوں لوگوں کی دولت کو ضبط نہیں کیا جنہوں نے سپاہیوں کا استحصال کرنے سے اتنی زیادہ دولت جمع کی، انہیں غلاموں کی طرح ہانکا اور مسلح افواج کے فنڈز کو خرد برد کیا؟۔ مگر نہیں: جینو دیو پیریز اور اُس کی طرح کے دوسروں کے پاس بلا شبہ ابھی تک سپاہی ہیں جو اُن کی جاگیروں پر اُن کی حفاظت کر رہے ہیں اس لیے کہ دس مارچ جنرل اپنے دل کی گہرائی

میں اُسی مستقبل کی تمنا کرتے ہیں اور اُس طرح کی مثال قائم ہونے کی اجازت نہیں دے سکتے۔

دس مارچ ایک بدنصیب دھوکہ تھا۔ جب بتستا اور اس کا کرپٹ اور بے وقار سیاستدانوں کا ٹولہ اپنے انتخابی منصوبہ میں ناکام ہوا تھا، تو اس نے آرمی کی بے چینی سے فائدہ اٹھایا اور سپاہیوں کے کندھوں کو اقتدار پر چڑھنے کے لیے استعمال کیا۔ اور میں جانتا ہوں کہ بہت سے آرمی والے ہیں جو اب متنفر ہیں اس لیے کہ انہیں مایوس کر دیا گیا ہے۔ پہلے اُن کی تنخواہ بڑھا دی گئی، مگر بعد میں، ہر طرح کی کمی اور کٹوتی کے ذریعے، اسے دوبارہ کم کر دیا گیا۔ پرانے عناصر کے بہت لوگ جو افواج سے الگ ہوگئے تھے واپس صفوں میں آگئے اور انھوں نے نوجوان، اہل اور قابلِ قدر آدمیوں کا راستہ روک دیا جو کہ آگے جا سکتے تھے۔ اچھے سپاہیوں کو نظر انداز کیا گیا جبکہ بدترین اقربا پروری برقرار رہی۔ بہت سے عمدہ فوجی اب خود سے پوچھ رہے ہیں کہ اس بات کی کیا ضرورت تھی کہ مسلح افواج نے ہمارے آئین کو تباہ کرنے کی بہت بڑی تاریخی ذمہ داری اٹھائی، محض بد اخلاق آدمیوں کے ایک گروپ کو اقتدار دلانے کے لیے، بری شہرت رکھنے والے آدمی، کرپٹ، سیاسی طور پر تلافی سے پرے ذلیل آدمی، جن کو اگر بندوقوں کی نوک میسر نہ ہوتی تو وہ کبھی بھی ایک سیاسی عہدہ نہ لے سکتے تھے: اور وہ وہ بھی نہ تھے جن کے اپنے ہاتھ میں بندوقیں ہوں۔

دوسری طرف سپاہی سویلینز سے زیادہ بدتر جبر بھگتتے ہیں۔ وہ مستقل کڑی نگرانی میں ہیں اور ان میں سے ایک کو بھی اپنے کام میں معمولی تحفظ تک حاصل نہیں۔ ذرا سا بلاجواز شک، کوئی کھسر پھسر، کوئی سازش یا گالی تبادلے 'بے وقار سبکدوشی' یا قید کرنے کے لیے کافی ہوتی ہے۔ کیا ٹابر نیلا نے، ایک میمورنڈم میں، انہیں کسی بھی ایسے فرد سے بات کرنے پر منع نہیں کیا جو کہ حکومت کا مخالف ہو۔ یعنی عوام کے 99 فیصد سے؟ ۔۔۔ اعتماد کی اس قدر کمی! ۔ حتیٰ کہ روم کی پاک دامن کنواریوں کو بھی ایسے کسی قانون کی تابعداری نہ کرنی پڑی تھی! ۔ جہاں تک بھرتی شدہ لوگوں کے لیے تشہیر کردہ چھوٹے چھوٹے گھروں کی بات ہے، تو وہ تو پورے جزیرے میں 300 بھی نہیں ہیں۔ تو پھر جو پیسہ ٹینکوں، توپوں اور دوسرے اسلحے کے لیے خرچ کیا گیا اُس کا کیا فائدہ جب سپاہی کو رہنے کے لیے گھر نہیں ہے۔ بتستا کو آرمی کا خیال رکھنے میں کوئی دلچسپی نہیں، مگر یہ کہ آرمی

اُس کا خیال رکھتی ہے! ۔وہ ظلم وستم اور قتل کرنے کے آرمی کی طاقت کو بڑھاتا ہے مگر وہ سپاہیوں کے حالاتِ زندگی کو بہتر نہیں بناتا۔ تہری گارڈ ڈیوٹی، بیرکوں میں مسلسل محدودی، مسلسل تشویش، عوام کی دشمنی، مستقبل کی غیر یقینیت ۔۔۔۔ یہی کچھ اُس نے سپاہیوں کو دیا۔ دوسرے لفظوں میں ''اے سپاہی! تم رجیم کے لیے مرو، اُسے اپنا خون پسینہ دے دو۔ ہم ایک تقریر تمھیں نذر کریں گے اور بعد از مرگ ترقی دیں گے (جب اُس کی اہمیت نہ ہوگی) اور بعد میں ۔۔۔۔ ہم عیش سے زندگی گزارتے رہیں گے، خود کو امیر بناتے رہیں گے۔ عوام کو قتل کرو، اُن سے بدسلوکی کرو، انہیں مارو پیٹو۔ جب عوام تھک جائیں اور یہ سب کچھ اختتام تک پہنچے تو تم ہمارے جرائم کا خمیازہ بھگتو گے جبکہ ہم بیرون ملک جائیں گے اور بادشاہوں کی طرح رہیں گے۔ اور اگر کسی دن ہم لوٹ آئیں، تو تم یا تمھارے بچے ہمارے محل کے دروازے مت کھٹکھٹانا، اس لیے کہ ہم لکھ پتی، اور، مزید لکھ پتی ہوتے جائیں گے اور غریبوں سے گھلیں ملیں گے نہیں۔ سپاہی تم عوام کو قتل کرو، اس پہ ظلم وستم ڈھاؤ، رجیم کے لیے مرجاؤ، اپنا خون پسینہ دو۔۔۔۔''

لیکن اگر اس غمگین سچ سے اندھے ہوکر سپاہیوں کی ایک اقلیت نے عوام کے ساتھ لڑنے کا فیصلہ کیا تھا، وہ عوام جو خود کو استبداد سے آزاد کرنے جارہے تھے، تو فتح پھر بھی عوام کو جانی تھی۔ معزز پراسیکیوٹر ہماری کامیابی کے امکانات جاننے کے لیے بہت بے تاب تھا۔

یہ امکانات ٹکنیکل، ملٹری اور سماجی ضابطے پر مبنی تھے۔ انہوں نے یہ فرضی داستان قائم کرنے کی کوشش کی ہے کہ جدید ہتھیار آمروں کا تختہ الٹنے میں عوام کو ناکام بنادیں گے۔ ملٹری پریڈ اور جنگی مشین کی پرشکوہ نمائش اس فرضی داستان کو جاری رکھنے اور عوام میں حتمی کمزوری کا ایک وہم پیدا کرنے کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں۔ مگر عوام جب ایک بار اپنے حقوق دوبارہ حاصل کرنے کا فیصلہ کرلیں، تو پھر کوئی اسلحہ، کوئی تشدد انہیں مغلوب نہیں کرسکتا۔ ماضی اور حال دونوں ایسی مثالوں سے بھرے ہیں۔ سب سے حالیہ مثال تو بلیویا کی بغاوت ہے جہاں معدنی مزدوروں نے ڈائنا مائٹ لاٹھیوں سے ریگولر آرمی کی رجمنٹوں پر کاری ضرب لگا کر انہیں شکست دی۔

خوش قسمتی سے، ہم کیوباوالوں کو مثالیں باہر سے تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کوئی

اور مثال ہماری اپنی سرزمین کی مثالوں سے زیادہ متاثر کن نہیں ہے۔ 1895 کی جنگ میں کیوبا کے اندر سپین کے تقریباً نصف ملین سپاہی تھے، اُس تعداد سے کافی زیادہ جس سے آج ڈکٹیٹر پانچ گنا سے زیادہ آبادی کو قابو رکھنے پر تکیہ کیے ہوئے ہے۔ سپین والوں کے پاس اسلحہ ہمارے گوریلا سپاہیوں کے پاس اسلحہ کی بہ نسبت زیادہ اپ ٹو ڈیٹ بھی تھا اور طاقتور بھی۔ عموماً سپین والے فیلڈ آرٹلری سے مسلح تھے اور انفنٹری برنج لوٹ (بریچ لوڈرز) استعمال کرتے تھے۔ کیوباوالوں کے پاس اپنے کاڑچ (بڑا چُھرا) سے زیادہ کوئی اسلحہ نہ تھا، اس لیے کہ ان کی گولیوں کے کمربند تقریباً ہمیشہ خالی رہتے۔ ہماری جنگِ آزادی کی تاریخ میں ایک ناقابلِ فراموش گزرگاہ ہے جو انتونیو ماسیو کے چیف جنرل میروار جنٹر نے بیان کیا۔ میں اُسے کاغذ کے اس ٹکڑے پر نقل کرکے لانے میں کامیاب ہوا اس لیے مجھے اپنی یادداشت پر انحصار نہیں کرنا پڑے گا:

''پیڈ روڈیلگاڈو کے زیرکمان غیر تربیت یافتہ لوگ، جن میں اکثریت محض کاڑچ سے مسلح تھی، تقریباً ہلاک شدہ تھی اس لیے کہ وہ خود کو سپین والوں کی ٹھوس صف پر پھینک دیتے۔ اس بات پر زور دینا مبالغہ نہیں ہے کہ ہر 50 آدمیوں میں سے 25 مارے گئے۔ کچھ تو سپین والوں پر حتیٰ کہ چاقو کے بغیر اپنے ننگے مکوں سے حملہ کرتے تھے۔ دریائے ہونڈو کے ساتھ ساتھ سرکنڈوں میں تلاش کرتے ہوئے، ہم نے کیوبائی پارٹی کے پندرہ مزید ہلاک شدگان تلاش کرلیے، اور یہ فوری طور پر واضح نہ ہوسکا کہ وہ کس گروپ سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ اسلحہ بردار نہیں لگتے تھے، ان کے لباس سلامت تھے اور اُن کی کمر سے پانی پینے کے صرف ٹین کے کپ لٹک رہے تھے۔ کچھ قدم دور ایک مرا ہوا گھوڑا پڑا تھا۔ اس کے سارے زین ولگام سلامت تھے۔ ہم نے اس ٹریجڈی کے کلائمکس کو از سرِ نو تعمیر کیا۔ ان آدمیوں نے اپنے بہادر چیف لیفٹننٹ کرنل پیڈ روڈیلگاڈو کی قیادت میں ہیروؤں کا درجہ پایا۔ انہوں نے نہتے ہاتھوں خود کو سنگینوں پر پھینک دیا۔ اُن کے گرد دھات کے ٹکرانے کی جو آوازیں تھیں وہ اُن کے زین کے مُٹھے سے ٹکرانے والے پانی پینے کے کپ تھے۔ ماسیو بہت متاثر ہوا۔ موت کو ہر شکل میں دیکھتے رہنے کا عادی یہ شخص اُس وقت یہ تعریف بڑبڑا رہا تھا: ''میں نے اس طرح کی چیز کبھی نہیں دیکھی' غیر تربیت یافتہ اور غیر مسلح لوگ محض پانی پینے کے کپ کے ساتھ سپین

والوں پر حملہ کر رہے ہیں۔اور میں اُسے مزاحمت کا نام دیتا ہوں۔''

اس طرح لڑتے ہیں لوگ۔ جو اپنی آزادی حاصل کرنا چاہتے ہوں، وہ ہوائی جہازوں پر پتھر پھینکتے ہیں اور ٹینک الٹا دیتے ہیں!۔ جونہی سنٹیا گوڈی کیوبا ہمارے قبضے میں آتا تو ہم فوری طور پر اورِیانٹے کے لوگوں کو جنگ کے لیے تیار کرتے۔ باقاعدہ دریائے کاؤٹو کے ساتھ ہمارے ایڈوانس دستوں کی پوزیشن جاننے کے لیے بایامو پر حملہ کیا گیا۔ یہ کبھی نہ بھولیں کہ اس صوبے میں آج پندرہ لاکھ انسان بستے ہیں، یہ کیوبا کا سب سے باغی اور محبّ وطن صوبہ ہے۔ یہ وہی صوبہ تھا جو تیس برس تک آزادی کے لیے لڑنے کے لیے چنگاریاں نکالتا رہا، اور اس کی بھاری قیمت خون، قربانی، اور ہیروازم سے ادا کرتا رہا۔ اورِیانٹے میں آپ ابھی تک اُس شاندار جنگ نامہ کی ہوا میں سانس لے سکتے ہیں۔صبح سویرے، جب مرغا بانگ دیتا ہے تو لگتا ہے سپاہی فوج کو جگانے بگل بجا رہے ہوں، اور جب ناہموار کھردرے پہاڑوں پر روشن سورج ابھرتا ہے تو لگتا ہے کہ ایک بار پھر ہم یارا یا بائر کے دن جئیں گے!۔

میں بیان کر چکا ہوں کہ کامیابی کے لیے امکان کی دوسری جس تجویز کو ہم نے بنیاد بنایا تھا وہ سماجی نظم کا تھا۔ہمیں عوام کی حمایت کا کیوں یقین تھا؟۔ جب ہم عوام کی بات کرتے ہیں تو ہم اُن کی بات نہیں کر رہے جو آرام سے رہتے ہیں،قوم کے رجعت پسند عناصر، جو کسی بھی استبدادی رجیم کا خیر مقدم کرتے ہیں، کسی بھی ڈکٹیٹر شپ کا، کسی بھی جبر وظلم کا۔خود کو وقت کے مالکوں کے سامنے جھکا دیتے ہیں جب تک کہ وہ اُن کی پیشانیوں کو زمین میں پیس ڈالتے ہیں۔ جب ہم جدو جہد کی بات کرتے ہیں اور عوام کا ذکر کرتے ہیں تو ہم اُس وسیع نہ خریدے گئے عوام الناس کی بات کر رہے ہوتے ہیں جن سے ہر شخص وعدے کرتا ہے اور جن کو سب دھوکہ دیتے ہیں۔ ہمارا مطلب ہے وہ عوام جو ایک بہتر، زیادہ باوقار اور زیادہ منصفانہ قوم کی آرزو کرتے ہیں، جنہیں انصاف کے لیے آبائی آرزو متاثر کرتے ہیں اس لیے کہ وہ نسل درنسل ناانصافی اور تضحیک کے عذاب جھیلتے آرہے ہیں۔ وہ جو اپنی زندگی کے سارے پہلوؤں میں عظیم اور عقلمند تبدیلیوں کے لیے آرزو کرتے ہیں، جو اُن تبدیلیوں کے حصول کے لیے اپنی آخری سانس تک تیار ہیں جب وہ کسی چیز یا کسی شخص

اعتماد کرتے ہیں، بالخصوص جب وہ خود پر یقین کر لیتے ہیں۔ کسی بھی کوشش میں اخلاص اور نیک نیتی کی پہلی شرط ٹھیک ٹھیک وہی کچھ کرنا ہوتا ہے جو کوئی اور کبھی بھی نہیں کرتا ہے۔ یعنی کسی خوف کے بغیر حتمی وضاحت کے ساتھ بات کرنا۔ بازاری لیڈرز اور پیشہ ور سیاستدان جو ہر چیز کے بارے میں درست ہونے کا معجزہ کرنے اور ہر ایک کو خوش کرنے کی اداکاری کر پاتے ہیں، وہ لازمی طور پر ہر چیز کے بارے میں ہر ایک کو دھوکہ دے رہے ہوتے ہیں۔ انقلابیوں کو لازماً اپنے خیالات جراتمندی سے مشتہر کرنے چاہییں۔ اپنے اصول واضح کرنے چاہییں اور اپنے ارادے بیان کرنے چاہییں تاکہ کسی کو بھی دھوکہ نہ ہو، نہ دشمن کو نہ دوست کو۔

جدوجہد کے باب میں، جب ہم عوام کی بات کرتے ہیں تو ہم اُن چھ سو ہزار کیوبائیوں کی بات کر رہے ہوتے ہیں جو بغیر روزگار کے ہیں۔ جو کہ روزانہ کی اپنی گزر بسر کی تلاش میں اپنے وطن سے مہاجرت کیے بغیر، روٹی ایمانداری کے ساتھ کمانا چاہتے ہیں۔ پانچ سو ہزار زرعی مزدور جو کہ تکلیف دہ جھونپڑوں میں رہتے ہیں، جو سال میں چار ماہ کام کرتے ہیں اور بقیہ میں فاقہ کرتے ہیں، اپنی بدبختی اپنے بچوں کے ساتھ شریک کرتے ہوئے جن کے پاس کاشت کرنے کو ایک انچ زمین نہیں ہے اور جن کا وجود کسی بھی دل کو ہلا کر رکھ دیتا ہے جو پتھر کا بنا نہ ہو۔ چار سو ہزار صنعتی مزدور جن کے ریٹائرمنٹ فنڈ زخرد برد ہوئے، جن کے بینفٹ واپس کیے جا رہے ہیں، جن کے گھر افلاس کے کوارٹرز ہیں، جن کی تنخواہیں مالک کے ہاتھ سے قرض دینے والوں کے ہاتھوں کو منتقل ہو رہی ہیں، جن کا مستقبل تنخواہ کی کمی اور برخواستگی ہے، جن کی زندگی نہ ختم ہونے والا کام ہے اور جن کا آرام محض قبر ہے۔ ایک سو ہزار چھوٹے کاشتکار جو اُس زمین پر زندہ رہتے ہیں اور اُسی پر مر جاتے ہیں جو اُن کی اپنی نہیں، وہ اس زمین پر اس غمگینی سے دیکھتے ہیں جس سے حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کے ارضِ موعود کو دیکھتا تھا۔ وہ کبھی بھی اُس کی ملکیت حاصل کیے بغیر مر جاتے ہیں، جنہیں فیوڈل سرفوں کی طرح زمین کی اُن کی ٹکڑی کے استعمال کے لیے ادائیگی یوں کرنی پڑتی ہے کہ اس کی پیداوار کے ایک حصے سے دستبرداری ہوتا ہے، جو اس سے پیار نہیں کر سکتے، اس میں بہتری نہیں لا سکتے، اسے خوبصورت نہیں بنا سکتے، نہ ہی وہ اس پر ایک دیوار یا مالٹے کا درخت لگا سکتے ہیں اس

لیے کہ انہیں پتہ نہیں ہوتا کہ کب دیہی گارڈ کے ساتھ ایک تھانیدار انہیں اُس سے بیدخل کرنے آئے گا: تیس ہزار ٹیچرز اور پروفیسرز جو اس قدر مصمما وروقف ہوتے ہیں اور مستقبل کی نسلوں کی بہتر قسمت کے لیے بہت ضروری ہوتے ہیں اور جن کے ساتھ بہت برا سلوک کیا جاتا ہے اور بہت کم تنخواہ دی جاتی ہے۔ وہ بیس ہزار چھوٹے تاجر جو قرضوں میں دھنسے ہوئے ہیں، بحرانوں سے برباد ہیں اور یہ کہ وہ سب جو لالچی اور ناجائز فائدہ اٹھانے والے اہلکاروں کے لیے تنگ کرنے سے پرجوش تقریر ہیں۔ وہ دس ہزار نوجوان پروفیشنل لوگ: ڈاکٹرز، انجینئر، لائیرز، وٹر یزنیز، سکول ٹیچرز، ڈنٹسٹس، فارماسسٹ، اخبار والے، پینٹرز، مجسمہ ساز وغیرہ، جو سکول ختم کر کے اپنی ڈگریوں کے ساتھ کام کرنے کو بے قرار ہیں اور امید سے بھرے ہیں۔ مگر خود کو ایک بند گلی میں پاتے ہیں۔ ان پہ سب دروازے بند ہوتے ہیں، اور ان کی فریاد اور التجا سننے کے لیے کوئی کان نہیں ہوتے۔ یہ ہیں وہ عوام جو بدقسمتی کو جانتے ہیں اور لہذا، بے انت جرات کے ساتھ لڑنے کی اہلیت رکھتے ہیں!۔ ان لوگوں کو جن کی زندگی میں سے گزرتی ناامید سڑکیں دغا اور جھوٹے دعووں کی اینٹوں سے بنائی گئیں، ہم ان لوگوں سے یہ نہیں کہتے کہ: ''ہم تمہیں دیں گے۔۔۔'' بلکہ: ''یہ ہے۔ اب اس کے لیے جو کچھ ہتھیار تمہارے پاس ہے اُس سے لڑو، تاکہ آزادی اور خوشی تمہاری ہو سکے''۔

جونہی مونکیڈا ابیرکس پر قبضہ ہو جاتا تو فوری طور پر پانچ انقلابی قوانین نافذ کیے جاتے اور انہیں قوم کے لیے ریڈیو پر نشر کرنا لازم تھا۔ ممکن ہے کرنل شاویانو نے ان مسودات کو جان بوجھ کر ضائع کر دیا ہو، لیکن اگر اس نے ایسا کیا بھی تو بھی وہ مجھے زبانی یاد ہیں۔

انقلابی حکومت نے پہلے اقتدار واپس عوام کو دینا تھا اور اُس وقت تک 1940 کا آئین ریاست کا اعلیٰ قانون ہونا تھا جب تک کہ عوام اُسے بہتر بنانے یا تبدیل کرنے کا فیصلہ کرتے۔ اور اُس کے اطلاق کو یقینی بناتا تھا اور اس کی خلاف ورزی کرنے والوں کو سزا دینا تھا۔۔۔ وہاں اس پر عملدرآمد کرنے کے لیے کوئی انتخابی تنظیم نہ تھی۔۔۔ انقلابی تحریک، جو بحیثیت اِس اقتدار کے زندہ نمونہ کے جائز اقتدار کا واحد سرچشمہ تھی، اُس نے اُس میں موجود سارے شعبوں کو سنبھالنا تھا،

ماسوائے خود آئین کے تبدیل کرنے کے۔ دوسرے لفظوں میں اس نے مقنّنہ، انتظامی اور جوڈیشل اختیارات سنبھالنے تھے۔

یہ رویہ اس سے زیادہ صاف نہ ہوسکتا تھا۔ نہ شش و پنج اور بنجر نیم دلی سے مزید آزاد ہوسکتا تھا۔ باغی عوام الناس کی اعلان کردہ حکومت کے پاس ہر طرح کا پاور موجود ہونا تھا، مقبول ارادے اور حقیقی انصاف کے موثر اطلاق کے ساتھ آگے بڑھنے کے لیے ضروری ہر چیز موجود ہونی تھی۔ اُس لمحے سے جوڈیشل اختیار (جس نے کہ خود کو دس مارچ سے آئین سے باہر اور اس سے خلاف رکھا ہوا تھا) کا وجود ختم ہونا تھا اور ہم اس کی فوری اور مکمل اصلاح کے لیے بڑھتے۔ ان سابقہ اقدامات کے بغیر جائزیت کو اس کی واپسی حوالگی دوبارہ اُن ہاتھوں میں دے کر جنھوں نے نظام کو اس قدر بے وقار انداز میں مفلوج کر دیا تھا ایک فراڈ، ایک دھوکہ اور ایک اور غداری ہوتی۔

دوسرا انقلابی قانون زمین کی ناقابل انتظام کاری اور ناقابل انتقال ملکیت کو سارے پٹے دار کے بھی پٹے دار، اور پٹے دار کاشتکاروں، کرایہ داروں، دھرنا دے کر بیٹھنے والوں، حصے دار کاشتکاروں کو دینا تھا جن کے پاس پانچ caballerias یا اس سے کم زمین ہو۔ ریاست نے سابقہ مالکوں کو کرایہ کی بنیاد پر نقصان کی تلافی کرنا تھا جو کہ وہ اِن تقسیموں کے لیے دس سال کے عرصے تک وصول کرتے۔

تیسرے انقلابی قانون نے مزدوروں اور ملازموں کو سارے وسیع صنعتی، مرکنٹائل اور معدنی کاروباری منصوبوں (بشمول شوگر ملوں کے)، کے منافع کے 30 فیصد شیئر کے حقوق دینے تھے۔ دیگر زرعی قوانین جو کہ بروئے کار لائے جانے تھے، کے پیش نظر سختی کے ساتھ زرعی کاروباری منصوبوں کو استثنا ہونی تھی۔

چوتھے انقلابی قانون نے سارے گنے کے کاشتکاروں کو شوگر کی پیداوار کا 55 فیصد شیئر اور اُن سارے چھوٹے کرائے پر کاشتکاروں کو جو کہ تین سال یا اس سے زیادہ سے قائم کیے گئے ہیں، 40 ہزار پاؤنڈ کے کم از کم کوٹے کے حقوق دینے تھے۔

پانچویں انقلابی قانون نے اُن لوگوں سے سارا مال اور ناجائز ذرائع سے حاصل کردہ

اناج ضبط کرنا تھا جنھوں نے سابقہ رجیموں کے دوران فراڈ کیے تھے۔ نیز اُن کے سارے تر کے داروں اور وراثت خوروں کے مال اور ناجائز حاصل کردہ اناج بھی۔ اُس کے لاگو کرنے کے لیے مکمل اختیارات کے ساتھ سپیشل عدالتوں نے اُن سارے کارپوریشنوں کے ریکارڈ تک رسائی رکھنی تھی جو اس ملک میں رجسٹرڈ ہیں یا کام کرتے ہیں۔ تاکہ وہ غیر قانونی ذرائع سے چھپائے ہوئے فنڈز کی تحقیق کرسکیں، اور یہ درخواست کرسکیں کہ خارجی حکومتیں اُن کے مجرموں کو اور اُن کے پاس دولت کو ہمارے حوالے کریں جو کہ جائز طور پر کیوبائی عوام کے ہیں۔ حاصل کردہ جائیداد کا نصف حصہ مزدوروں کے لیے ریٹائرمنٹ فنڈز کو سبسڈائز کرنے پر استعمال ہوگا اور دوسرا نصف ہسپتالوں، غریب خانوں اور خیراتی تنظیموں کے لیے استعمال ہوگا۔

مزید برآں، یہ اعلان ہونا تھا کہ امریکی براعظم میں کیوبا کی پالیسی اس براعظم کے جمہوری عواموں کے ساتھ قریبی یکجہتی کی ہوگی۔ ہماری برادر اقوام کے اُن سارے لوگوں کو جنہیں خونی آمریتوں نے سیاسی طور پر ایذائیں دیں، مارٹی کی سرزمین پر سخی پناہ ملے گی، بھائی چارہ ملے گا اور روٹی ملے گی۔ کیوبا کو لبرٹی کی چاردیواری ہونا چاہیے نہ کہ ناامیدی کی زنجیر کی ایک شرمناک کڑی۔

ان قوانین کا اعلان فوری طور پر ہونا تھا، جونہی ابھار ختم ہوجاتا اور ایک مفصل اور دوررس مطالعہ سے پہلے۔ اُن کے بعد قوانین کا ایک اور سلسلہ' اور بنیادی اقدامات آنے تھے جیسے کہ زرعی اصلاحات، پیوستہ تعلیمی اصلاحات، الیکٹرک پاور ٹرسٹ اور ٹیلفون ٹرسٹ کی نیشنلائزیشن۔ ان کمپنیوں نے عوام پہ جو غیر قانونی اور جابرانہ ریٹس لگا رکھے تھے اُن پیسوں کی عوام کو واپسی، اور ماضی میں بے حیائی سے نہ دیے گئے سارے ٹیکسوں کی خزانے کو ادائیگی۔

یہ سارے قوانین اور ہمارے آئین کے دو دیگر لازمی آرٹیکلز کی ٹھیک ٹھیک تعمیل ہونی تھی: ان میں سے ایک آرٹیکل وسیع جاگیروں کو خلافِ قانون قرار دینے کا حکم دیتا ہے۔ اس میں واضح موجود ہے کہ ایک شخص زراعتی منصوبے کی ہر صورت کے لیے زیادہ سے زیادہ کتنی زمین رکھ سکتا ہے، یہ زائد زمین کیوبائیوں کو واپس کرنی ہے۔ دوسرا آرٹیکل ریاست کو صاف صاف حکم دیتا ہے کہ وہ اپنے سارے وسائل بے روزگاروں کو روزگار دینے، اور ہر جسمانی یا ذہنی مزدور کے لیے

ایک شائستہ گزربسر کو یقینی بنانے کے لیے استعمال کرے۔ ان میں سے کسی قانون کو غیر آئینی نہیں کہا جاسکتا۔ پہلی مقبولیت سے منتخبہ حکومت کو انہیں عزت دینا تھا، نہ صرف قوم کو اخلاقی ذمہ داری کی وجہ سے، بلکہ اس لیے بھی کہ جب عوام کوئی ایسی چیز حاصل کرتے ہیں جس کے لیے انہوں نے کئی نسلوں سے آرزو کیا ہو، تو دنیا کی کوئی طاقت اُسے واپس لینے کی اہلیت نہیں رکھتی۔

زمین کا مسئلہ' صنعتکاری کا مسئلہ، مکان کا مسئلہ، بے روزگاری کا مسئلہ، تعلیم کا مسئلہ، اور عوامی صحت کا مسئلہ: یہ چھ ایسے مسائل ہیں جن کو حل کرنے کے لیے ہم فوری اقدامات کرتے، بشمول شہری آزادیوں اور سیاسی جمہوریت کی بحالی کے۔

اگر کوئی شخص ملک کے اندر اِن چھ مسائل اور اُن کے ساتھ ہتک آمیز سیاسی استبداد کے بارے میں صدمہ ناک اور المناک حالات سے ناواقف ہو تو یہ تفصیل سرد مہر اور تھیوریٹیکل لگے گی۔

کیوبا میں پچاسی فیصد کاشتکار کرایہ دیتے ہیں اور ہر وقت اُس زمین سے مسلسل بے دخل ہونے کے خطرے میں زندگی گزارتے ہیں جسے وہ کاشت کرتے ہیں۔ ہماری سب سے زیادہ زرخیز زمین کا نصف، غیر ملکیوں کے ہاتھ میں ہے۔ اور یانٹے جو کہ سب سے وسیع صوبہ ہے اُس کے شمالی اور جنوبی ساحلوں تک پورا علاقہ خارجی ملک کی یونائیٹڈ فروٹ کمپنی اور ویسٹ انڈین کمپنی کے پاس ہے۔ دو سو ہزار کسان خاندان ایسے ہیں جن کے پاس ایک ایکڑ بھی نہیں جسے وہ کاشت کر کے اپنے فاقہ زدہ بچوں کو خوراک دے سکیں۔ دوسری طرف طاقتور لوگوں کے پاس تین سو ہزار ایکڑ قابلِ کاشت اراضی ہے جو ویسے ہی بغیر کاشت کے پڑی ہے۔ اگر کیوبا ایک زرعی ملک ہے، اگر اس کی زیادہ تر آبادی دیہات میں رہتی ہے، اگر شہر اِن دیہاتی علاقوں پر انحصار کرتا ہے، اگر دیہات کے عوام نے ہماری آزادی کی جنگ لڑی اور جیتی ہے، اگر ہماری قوم کی عظمت اور خوشحالی اُس صحت مند اور محنتی دیہی آبادی پر انحصار کرتی ہے جو کہ زمین سے محبت کرتی ہے اور اُس پر کام کرنا جانتی ہے، اور اگر یہ آبادی ایک ایسی ریاست پر انحصار کرتی ہے جو اس کی حفاظت اور راہنمائی کرتی ہے تو پھر موجودہ صورتحال برقرار رہنے کی اجازت کیسے دی جاسکتی ہے؟۔

چندفوڈ، چوب تراشی اور ٹکسٹائل صنعتوں کے ماسوا کیوبا ابھی تک بنیادی طور پر ایک خام

مال پیدا کرنے والا ملک ہے۔ ہم چینی مصری درآمد کرنے کے لیے برآمد کرتے ہیں، ہم کھالیں جوتے درآمد کرنے کے لیے برآمد کرتے ہیں، ہم لوہا ہل درآمد کرنے کے لیے برآمد کرتے ہیں ۔۔۔ ہر شخص قوم کو صنعتی بنانے کی فوری ضرورت سے متفق ہے۔ ہر شخص متفق ہے کہ ہمیں فولاد کی صنعتوں کی ضرورت ہے، کاغذ اور کیمیکل صنعتوں کی ضرورت ہے، کہ ہمیں اپنے مویشی اور اناج کی پیداوار کو بہتر کرنا ہے ، ہماری فوڈ انڈسٹری میں ٹکنالوجی اور پراسسنگ کو بہتر بنانا چاہیے تاکہ پنیر پیداوار، خشک دودھ، شراب اور خوردنی تیل میں یورپ اور ریاستہائے متحدہ سے ڈبہ بند اشیا کے تباہ کن مقابلے کا سامنا کرسکیں ، یہ کہ ہمیں کارگو بحری جہازوں کی ضرورت ہے: یہ کہ ٹورزم ہماری قومی آمدن کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہو۔ مگر سرمایہ دار اصرار کرتے ہیں کہ مزدور جوئے کے نیچے ہی رہیں، ریاست ہاتھ پہ ہاتھ رکھے بیٹھی رہے، اور صنعتکاری ہمیشہ کے لیے انتظار کرے۔

ہاؤسنگ کا مسئلہ اس سے بھی بدتر ہے۔ کیوبا میں دوسو ہزار جھگیاں اور جھونپڑیاں ہیں ، دیہات میں اور شہروں میں چار سو ہزار خاندان جھگی اور مقبوضہ جائیداد میں مڑے تڑے ہوئے اور ٹھونسے ہوئے رہتے ہیں جن کے پاس کم سے کم ٹائلٹ تک کی ضروریات بھی نہیں ہیں۔ دوملین دوسو ہزار کی ہماری شہری آبادی کرایہ دیتی ہے جس میں اُن کی آمدنیوں کا 1/5 سے لے کر 1/3 تک حصہ چلا جاتا ہے۔ ہماری دیہی اور نیم شہری آبادی کے دوملین آٹھ سو ہزار لوگ بجلی سے محروم ہیں، یہاں بھی ہماری وہی حالت ہے: اگر ریاست کرایوں میں کمی کی تجویز کرتی ہے تو لینڈ لارڈز ساری تعمیر کو منجمد کرنے کی دھمکی دیتے ہیں ۔ اگر ریاست مداخلت نہیں کرتی، تو تعمیر اُس وقت تک جاری رہتی ہے جب تک کہ لینڈ لارڈز بلند کرائے حاصل کرتے رہیں: ورنہ وہ ایک بھی اینٹ نہیں رکھتے خواہ بقیہ آبادی کو مکمل طور پر عناصر کے حوالے ہونا ہو۔ یوٹیلیٹیز کی اجارہ داری بھی بہتر حالت میں نہیں ہے: وہ اس وقت تک لائنیں پھیلاتے رہتے ہیں جب تک کہ یہ منافع بخش ہے اور اُس نکتے کے بعد وہ پرواہ نہیں کرتے کہ عوام کو اپنی بقیہ زندگی اندھیروں میں گزارنی پڑے۔ ریاست ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھی ہوتی ہے اور عوام کے پاس نہ گھر ہیں نہ بجلی۔

ہمارا تعلیمی نظام اُن تمام چیزوں سے مکمل ہم آہنگ ہے جن کا ذکر میں نے ابھی کیا ہے۔

جہاں کسان کے پاس زمین نہ ہو تو وہاں زرعی سکولوں کی کیا ضرورت ہوگی؟ ۔ جہاں صنعت نہ ہو تو وہاں ٹیکنیکل یا ووکیشنل سکولوں کی کیا ضرورت ہوگی؟ ۔ ہر چیز کے پیچھے یہی مضحکہ خیز دلیل ہوتی ہے۔ اگر ہمارے پاس ایک چیز نہیں ہے تو دوسری بھی نہیں ہوسکتی۔ کسی بھی چھوٹے یورپی ملک میں 200 سے زیادہ ٹکنیکل اور ووکیشنل سکول ہیں، کیوبا میں ایسے صرف چھ سکول ہیں اور اُن سے پڑھے ہوؤں کے پاس اُن کی مہارت کے لیے کوئی روزگار موجود نہیں ہے۔ چھوٹے دیہی سکولوں میں سکولی عمر کے محض نصف بچے ننگے پیر، نیم برہنہ اور کم خوراک ہوتے ہیں، اور اکثر ٹیچروں کو اپنی تنخواہ سے ضروری سکول سامان خریدنا پڑتا ہے۔ کیا ایک قوم کو عظیم بنانے کے یہ طریقے ہوتے ہیں؟ ۔

صرف موت ہی اس قدر اذیت سے آزادی دلا سکتی ہے۔ ہاں، موت کے سلسلے میں، البتہ، ریاست بہت مددگار رہی ہے۔ وہ عوام کو جلد موت مہیا کرتی ہے ۔ دیہات میں نوے فیصد بچوں کو پیراسائٹ کھا جاتے ہیں جو ننگے پیر چلنے کی وجہ سے زمین سے انہیں لگ جاتے ہیں۔ سماج جب ایک بچے کے اغوا یا قتل کا سنتا ہے تو رحم دلی میں ہل کر رہ جاتا ہے مگر وہ ہزاروں بچوں کے قتل عام پہ لاتعلق رہتا ہے جو کہ ہر سال سہولتوں کی کمی کی وجہ سے درد سے بلبلا کر مر جاتے ہیں۔ اُن کی معصوم آنکھیں، جن میں موت پہلے ہی چمک رہی ہوتی ہے، ایک دھندلے انجام کو دیکھتے نظر آتی ہیں جیسے انسانی خودغرضی کے لیے معافی کی درخواست کر رہے ہوں ، جیسے خدا سے اُس کے قہر کو روکنے کا کہہ رہے ہوں ۔ اور جب خاندان کا سربراہ سال میں محض چار ماہ کام کرے، تو وہ کس چیز سے اپنے بچوں کے لیے کپڑے اور دوائیاں خریدے گا؟ ۔ وہ بچے تو سوکھے کی بیماری میں بڑے ہوں گے، اور جب تک 30 سال کی عمر کو پہنچیں گے تو اُن کا ایک دانت بھی اچھی حالت میں نہ ہوگا؛ انہوں نے دس ملین تقریریں سنی ہوں گی اور وہ آخر میں دُکھ اور دھوکے میں مر جائیں گے۔ سرکاری ہسپتال جو ہمیشہ بھرے ہوتے ہیں، صرف اُن مریضوں کو قبول کرتے ہیں جن کی سفارش کسی طاقتور سیاستدان نے کی ہوتی ہے۔ وہ سیاستدان بدلے میں اُس بدقسمت انسان اور اُس کے خاندان سے ووٹوں کا مطالبہ کرتا ہے تاکہ کیوبا ہمیشہ کے لیے اُسی یا اس سے بھی بدتر حالت میں رہے۔

اس پس منظر کے ساتھ یہ بات ناقابل فہم ہے کہ مئی سے دسمبر تک ایک ملین سے زائد

افراد بے روزگار رہتے ہیں، اور یہ کہ کیوبا میں جس کی آبادی ساڑھے پانچ ملین ہے، فرانس اور اٹلی سے زیادہ بے روزگار ہیں جن میں سے ہر ایک کی آبادی چالیس ملین ہے۔

معزز ججو! جب آپ ڈاکہ مارنے کی واردات میں ایک مدعا علیہ کا مقدمہ سنتے ہیں تو کیا آپ اُس سے یہ پوچھتے ہیں کہ وہ کتنے عرصے سے بے روزگار ہے؟۔کیا آپ اُس سے پوچھتے ہیں کہ اُس کے کتنے بچے ہیں؟ ہفتے کے کن دنوں میں اُس نے کھانا کھایا؟ اور کن دنوں میں نہیں؟۔کیا آپ اُس کے سماجی پس منظر کے بارے میں کبھی پوچھ گچھ کرتے ہیں؟۔آپ تو مزید سوچے بغیر اُس کو جیل بھیجتے ہیں۔مگر وہ لوگ جو انشورنس حاصل کرنے کے لیے گوداموں اور سٹوروں کو آگ لگاتے ہیں جیل نہیں جاتے، حالانکہ چند انسان ان شعلوں میں جل چکے ہوں گے۔انشورنس شدہ کے پاس وکیل کرایہ کرنے اور جج رشوت کرنے کے لیے پیسہ ہے۔آپ غریب ومفلس کو قید کرتے ہیں جو اِس لیے چوری کرتا ہے کہ وہ بھوکا ہے، مگر اُن سیکڑوں میں سے ایک شخص بھی ایک رات بھی جیل میں نہیں گزارتا جو حکومت سے ملینوں کی چوری کرتے ہیں۔آپ سال کے آخر میں کسی عظیم الشان کلب میں اُن کے ساتھ کھانا کھاتے ہیں اور وہ آپ کی طرف سے عزت کیے جانے کا لطف لیتے ہیں۔ کیوبا میں جب ایک سرکاری اہلکار راتوں رات لکھ پتی بن جاتا ہے اور امیروں کی برادری میں داخل ہوجاتا ہے، تو بالزاک کے اُس دولتمند کردار ٹیلیفر کے الفاظ سے اُس کا استقبال ہوجاتا ہے جس نے ایک بہت بڑی دولت کے کمسن وارث کو اپنی دعوت میں جام تجویز کرتے ہوئے کہا: ''حضرات!۔ آیئے ہم سونے کی قوت کا جام پی لیں! ۔مسٹر ویلنٹائن، چھ گنا زیادہ کروڑ پتی ابھی ابھی تخت پر چڑھا ہے۔وہ بادشاہ ہے، جو سارے امیروں کی طرح سب کچھ کرسکتا ہے۔سب سے بالاتر ہے۔ اب کے بعد آئین کی رو سے قانون کے آگے برابری اُس کے لیے ایک فرضی داستان ہوگی؛ اس لیے کہ وہ قوانین کا رعایا نہ ہوگا، بلکہ قوانین اُس کی رعایا ہوں گے۔کروڑ پتیوں کے لیے کوئی عدالتیں نہیں ہوتیں، نہ اُن کے لیے سزائیں ہوتی ہیں''۔

قوم کا مستقبل، اور اُس کے مسائل کا حل درجن بھر بڑے بزنس مینوں کے خود غرضانہ مفادات پر انحصار نہیں کرسکتا، نہ ہی منافعوں کے سر حساب کتابوں پر جو دس یا بارہ بہت بڑے آدمی

اپنے ایر کنڈیشن دفتروں میں بیٹھ کر بنا کرتے ہیں۔مسیحی مذہب میں رسول کے غصے سے برباد ہونے والے موقع کی طرح ملک چند سنہرے بچھڑوں سے معجزوں کے لیے گھٹنوں کے بل جھک کر بھیک مانگنا جاری نہیں رکھ سکتا۔سنہرے بچھڑے کسی طرح کے معجزے نہیں کرسکتے۔ رپبلک کے مسائل صرف اُس وقت حل ہوسکتے ہیں جب ہم خود کو اُس کے لیے اسی توانائی، دیانت اور حب الوطنی کے ساتھ لڑنے پر وقف کردیں جو ہمیں آزادی دلانے والوں کے پاس تھی جب انہوں نے اِس کی بنیاد رکھی تھی۔کارلوس سلادری گاس جیسے مدبر جن کا تدبر ''سٹیٹس'' کو قائم رکھنے پر مشتمل ہے اور'' کاروبار کی مطلق آزادی،'' انوسٹمنٹ سرمائے کی ضمانتوں'' اور'' سپلائی اینڈ ڈیمانڈ کا قانون'' جیسے لفاظی بھرے جملے ان مسائل کو حل نہیں کرسکتے۔ وہ وزرا کسی ففتھ ایونیو محل میں اس وقت تک گفتگو کرسکتے ہیں جب تک کہ حتیٰ کہ جن لوگوں کے مسائل فوری حل چاہتے ہیں، اُن کی ہڈیوں کی گرد تک نہ رہے گی۔

ایک انقلابی حکومت جس کی پشت پناہی عوام کرتے ہوں اور جس کی عزت قوم کرتی ہو، سارے ضمیر فروش اور کرپٹ اہلکاروں کے مختلف اداروں کو صاف کرنے کے بعد فوری طور پر ملک کو صنعتی بنانے کو بڑھے گی، سارے غیر متحرک سرمائے کو نیشنل بنک، زرعی بنک اور صنعتی ترقیاتی بنک کے ذریعے حرکت میں لائے گی جس کا موجودہ تخمینہ 1.5 بلین پیسو بنتا ہے۔اور اس عظیم الجثہ فریضہ کو اُن ماہرین اور حتمی قابل لوگوں کو سونپے گی جنہیں مطالعہ، ڈائرکشن، پلاننگ اور آگہی کے لیے ساری سیاسی مشینوں سے الگ کیا گیا ہوگا۔

ایک سو ہزار چھوٹے کاشتکاروں کو اُس زمین کا مالک بنا کر جس پر وہ پہلے کرائے پر کاشت کرتے تھے، ایک انقلابی حکومت فوری طور پر زمین کے مسئلے کو حل کرنے کی طرف بڑھے گی۔ اول، جس طرح کہ آئین میں موجود ہے، وہ حکومت زرعی شعبہ کی ہر قسم میں زمین کی زیادہ سے زیادہ حد مقرر کرتی۔ اور جائیداد سے بے دخلی، دلدلی زمین کی بحالی، وسیع نرسریاں اُگا کر، اور دوبارہ جنگل لگانے کے لیے محفوظ علاقے بنا کر قابلِ کاشت اراضی کے رقبے میں اضافہ حاصل کرتی۔ دوم ' وہ حکومت یہ زمین کسان خاندانوں میں تقسیم کرتی جہاں وسیع خاندانوں کو ترجیح دیتی، اور فارمنگ

اور مویشی پالی کے مہنگے ساز وسامان، جما دینے والے پلانٹس اور متحدہ پیشہ ورانہ ٹکنیکل کے مشترکہ کمیونل استعمال کے لیے زرعی کواپریٹوز کو فروغ دیتی۔ آخر میں یہ کسانوں کو وسائل، ساز وسامان، حفاظت اور مفید راہنمائی مہیا کرتی۔

ایک انقلابی حکومت ہاؤسنگ مسئلے کو سارے کرایوں کو نصف کر کے، مالکوں کی طرف سے رہنے والے گھروں کو ٹیکس چھوٹ دے کر، کرائے کے گھروں پر ٹیکسوں کو تین گنا کر کے، جھونپڑیوں کو گرا کر انہیں جدید اپارٹمنٹ عمارتوں میں بدل کر، اور پورے جزیرے میں ہاؤسنگ کو اب تک شنید میں نہ آئے ہوئے پیمانے پر، اس معیار پر کہ جس طرح دیہی خاندان کے پاس زمین کا اپنا قطعہ ہونا چاہیے اسی طرح ہر شہری خاندان کے پاس اپنا گھر یا اپارٹمنٹ ہونا چاہیے، مالی مدد کر کے حل کرتی۔ ہر کیوبائی کے لیے ایک شائستہ گھر بنانے کے لیے عمارتی سامان بہت ہے اور ضرورت سے زیادہ افرادی قوت موجود ہے۔ مگر اگر ہم سنہرے بچھڑے کا انتظار کرتے رہیں گے، تو ہزار برس گزر جائیں گے اور مسئلہ وہیں کا وہیں رہے گا۔ دوسری طرف آج جزیرے کے دور دراز علاقوں تک بجلی لے جانے کے امکانات ہر زمانے سے زیادہ ہیں۔ اس شعبے میں نیوکلیر توانائی کا استعمال اب ایک حقیقت ہے اور یہ بجلی پیدا کرنے کی لاگت بہت کم کر دے گی۔

ان تین پراجیکٹوں اور اصلاحات سے بے روزگاری کا مسئلہ خود بخود ختم ہو جائے گا اور پبلک ہیلتھ میں بہتری اور بیماری کے خلاف جنگ بہت کم مشکل ہو جائیں گے۔

آخر میں، ایک انقلابی حکومت تعلیمی نظام کی مربوط اصلاح شروع کرے گی، اسے ابھی ذکر کردہ پروجیکٹ کے مطابق بنائے گی۔ مقصد یہ کہ اُن نسلوں کو تعلیم دینا ہے جنہیں ایک خوشحال تر سرزمین میں رہنا نصیب ہوگا۔

''دانا'' کے یہ الفاظ نہ بھولیے: ''لاطینی امریکہ میں ایک سنگین غلطی کی جا رہی ہے: اُن ممالک میں جن کا گزارہ تقریباً مکمل طور پر زمین کی پیداوار پر ہے، لوگوں کو مکمل طور پر شہری زندگی کی تعلیم دی جاری ہے اور انہیں کاشت کی زندگانی کی تربیت نہیں دی جا رہی۔ خوشحال ترین ملک وہ ہے جس نے اپنے بیٹوں کو، خیال کے اصلاح اور اُن کے احساسات کی سمت، دونوں میں تعلیم دی ہے۔

تعلیم کی روح بہر حال، ٹیچر ہے۔ اور کیوبا میں ٹیچنگ کا پیشہ بہت کم اجرت والا ہے۔ اس کے باوجود کیوبا کے ٹیچر سے زیادہ کوئی اور وقف شدہ اور کمٹڈ انسان نہیں ہے۔ ہم میں سے کس نے چھوٹے سرکاری سکول ہاؤس میں اپنے الف بے نہیں پڑھے ہیں؟ ۔ یہ وہ وقت ہے جب ہم نے اُن نوجوان مردوں عورتوں کو حقیر گزارہ جتنا بھی دینا بند کر دیا ہے جو ہمارے نوجوانوں کو تعلیم دینے کے پاکیزہ فریضہ کے ساتھ وابستہ ہیں۔ کسی استاد کو 200 '' پیسو'' سے کم نہیں کمانا چاہیے، کسی سیکنڈری ٹیچر کو ''350 '' پیسو سے کم نہیں ملنے چاہییں، اگر انہیں ضرورت میں دُکھ کے بغیر مکمل طور پر خود کو اپنے بلند پیشے پہ وقف کرنا ہے۔ مزید برآں، سارے دیہی ٹیچرز کو ٹرانسپورٹ کے مختلف نظاموں کے مفت استعمال کی سہولت ہو۔ اور، ہر پانچ سال بعد کم از کم ایک بار سارے ٹیچروں کو تنخواہ کے ساتھ چھ ماہ کی چھٹیاں حاصل ہوں تاکہ وہ اپنے شعبے میں جدید ترین ترقیوں سے خود کو ہم قدم کرنے گھر میں یا باہر خصوصی ریفریشر کورس کر سکیں۔ اس طرح نصاب اور ٹیچنگ سسٹم آسانی سے بہتر ہو سکتے ہیں۔ اس سب کے لیے پیسہ کہاں سے آئے گا؟۔ جب حکومتی فنڈز میں خرد برد ختم ہو جائے گی، جب سرکاری اہلکار اُن بڑی کمپنیوں سے ساز باز کرنا بند کر دیں جن کے ذمہ ریاست کے ٹیکس ہیں، جب ملک کے بے انتہا وسائل کا بھرپور استعمال ہو، جب ہم اس ملک کے لیے مزید ٹینک، بمبار اور توپ نہ خریدیں گے (جس کی حفاظت کرنے کوئی سرحدیں نہیں ہیں اور جہاں جنگ کے ان اوزاروں کو، جو اب خریدے جا رہے ہیں عوام کے خلاف استعمال کیا جا رہا ہے) جب لوگوں کو قتل کرنے سے زیادہ انہیں تعلیم دینے میں دلچسپی ہو تو ضرورت سے زیادہ پیسہ موجود ہوگا۔

کیوبا آج کی اپنی آبادی سے تین گنا بڑی آبادی کو آسانی سے پال سکے گا۔ اس لیے اس کے موجودہ باشندوں کے ایک فرد کی پست غربت کے لیے کوئی بہانہ موجود نہیں ہے۔ مارکیٹوں کو اشیا سے لبریز ہونا چاہیے، خزانہ کو بھرا ہونا چاہیے، سارے ہاتھوں کو کام میں ہونا چاہیے۔ یہ کوئی ناقابلِ تصور خیال نہیں ہے۔ جو بات ناقابلِ تصور ہے وہ یہ ہے کہ کسی بھی شخص کو اُس وقت بھوکا سونا پڑے جب کہ ایک انچ بھی غیر پیداواری زمین موجود ہو، یا، بچے طبی توجہ کی کمی کے سبب مرجائیں ۔ جو بات ناقابلِ تصور ہے وہ یہ ہے کہ ہمارے 30 فیصد کاشتکاروں کو اپنا نام لکھنا نہیں آتا، اُن کے

99 فیصد کو کیوبا کی تاریخ کے بارے میں کچھ معلوم نہیں۔ جو بات نا قابلِ تصور ہے وہ یہ ہے کہ ہماری دیہی آبادی کی اکثریت اُس حالت سے بھی بدتر ہے جب انڈ نیز کو کولمبس نے عمدہ ترین سرزمین میں دریافت کیا تھا جو بنی نوع انسان نے کبھی دیکھا تھا۔ جو لوگ مجھے خواب دیکھنے والا کہتے ہیں ، میں اُن کے لیے مارٹی کے جملے دہراتا ہوں: ''ایک سچا آدمی وہ راستہ تلاش نہیں کرتا جہاں فائدہ رکھا ہو، بلکہ وہ وہ راستہ اختیار کرے گا جہاں فرض موجود ہو۔ اور صرف وہی عملی آدمی ہے، جس کا آج کا خواب کل کا قانون بن جائے گا اس لیے کہ جس نے پیچھے تاریخ کے لازمی بہاؤ پر دیکھا اور زمانوں کے دیگ میں جلتے اور خون بہاتے لوگوں کے جوش اور غصہ دیکھے، وہ جانتا ہے کہ ایک بھی استثنا کے بغیر مستقبل فرض کی طرف ہوگا''۔

جس وقت ہم سمجھ جائیں گے کہ اس طرح کے ایک بلند خیال نے انہیں انسپائر کیا تو ہم اُن نوجوانوں کی ہیروازم کا تصور کر سکیں گے جو سنتیا گو میں گرے (مرے)۔ ہمارے پاس موجود کم سامان نے یقینی کامیابی کو روکا۔ جب سپاہیوں کو بتایا گیا کہ پرآیو نے ہمیں ایک ملین ''پیسو'' دیے ہیں، انہیں رجیم کی سب سے اہم حقیقت کو توڑنے مروڑنے کی کوشش میں بتایا گیا: یہ حقیقت کہ ہماری تحریک کا ماضی کے سیاستدانوں سے کوئی تعلق نہ تھا: یہ کہ یہ تحریک ایک نئی کیوبائی نسل ہے مع ا س کے نئے تصورات کے، استبداد کے خلاف اٹھ کھڑا ہونا، یہ کہ یہ تحریک نوجوان لوگوں سے بنی ہے جو اُس وقت محض سات سال کے تھے جب بتستا نے 1934 میں اپنے جرائم کا پہلا ارتکاب کیا۔ ملین ''پیسوؤں'' کا جھوٹ اس سے زیادہ بے ہودہ نہیں ہو سکتا تھا۔ اگر ہم نے 20 ہزار سے بھی کم پیسوؤں پہ 165 افراد کو مسلح کیا اور ایک رجمنٹ اور ایک سکواڈرن پر حملہ کیا تو ایک ملین پیسوؤں سے ہم 8000 افراد کو مسلح کر سکتے تھے تاکہ وہ 50 رجمنٹوں اور 50 سکواڈرنوں پر حملہ کریں۔ اور ہفتہ 26 جولائی کو صبح 5:15 بجے اُگالڈے کیریلو نے یہ دیکھنا تھا۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ہر وہ شخص جو کہ لڑا تھا' اسلحہ کی کمی کی وجہ سے 20 اچھے تربیت یافتہ لڑنے سے قاصر تھے۔ جب اُن سے نوجوان لوگوں نے مارٹی کے سوسالہ کے سٹوڈنٹس جلوس میں ہوانا کی گلیوں میں مارچ کیا تھا تو انہوں نے ٹھوس انداز میں چھ بلاکوں کو پیک کیا تھا۔ اگر محض 200 مزید آدمی لڑنے کے قابل ہوتے، اور'

یا ہمارے پاس بیس مزید ہینڈ گرنیڈ ہوتے تو شاید یہ معزز عدالت اس زحمت سے بچ جاتی۔

سیاستدان ضمیروں کو خریدنے کے لیے ملینوں خرچ کرتے ہیں، جبکہ مٹھی بھر کیوبائی جو اپنے ملک کا وقار بچانا چاہتے تھے، کو فنڈ کی کمی کی وجہ سے نہتے ہاتھوں موت کا سامنا کرنا پڑا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ کس طرح آج دن تک ملک کو نجی اور وقف لوگوں سے نہیں بلکہ ہماری پبلک زندگی کے تلچھٹ یعنی سیاسی بھتہ خوروں سے چلایا جاتا رہا ہے۔ میں آپ کو عظیم ترین فخر سے بتاتا ہوں کہ اپنے اصولوں کی مطابقت میں ہم نے گذشتہ یا موجودہ کسی بھی سیاستدان سے ایک پیسہ تک نہیں مانگا۔ ہمارے وسائل لا ثانی قربانی سے جمع ہوئے۔ مثال کے طور پر ایلپڈیو سوسا، جس نے اپنی جاب فروخت کر لی اور وہ ایک دن ''کاز کے لیے'' 300 پیسوں کے ساتھ میرے پاس آیا۔ فرنانڈو چنارڈ نے اپنی فوٹو گرافی کا سامان بیچ دیا جس سے وہ اپنی دال روٹی کماتا تھا، پیڈرو ماریرو نے کئی ماہ کی تنخواہ چندہ میں دی اور جسے اپنے گھر کا فرنیچر فروخت کرنے سے ہم نے روک دیا۔ آسکر الکالڈے نے اپنی فارماسیوٹیکل لیبارٹری فروخت کر دی، جوزی مونٹین نے اپنی پانچ سال کی بچت دے دی، اور اس طرح دوسرے کئی لوگوں کی مثال دی جا سکتی ہے جنہوں نے جو کچھ پاس تھا دے دیا۔

ایسی چیز وہی کرتا ہے جس کا اپنے ملک پر گہرا ایمان ہو۔ آئیڈیلزم کے ان اقدامات کی یاد مجھے سیدھا اُس دفاع کے تلخ ترین بات تک لے آتی ہے ---۔ اُس قیمت پر جو جبر و استبداد نے کیوبا کو ظلم اور ناانصافی سے آزاد کرنے کی خواہش پہ اُن سے لے لی:

اے محبوب لاشو، تم جو
کبھی میرے مادر وطن کی اُمید تھے،
میری پیشانی پہ ڈال دو!
اپنی سڑتی ہوئی ہڈیوں کی گرد
اپنے ٹھنڈے ہاتھوں سے میرا دل چھولو!
میرے کانوں میں کراہ لو!
میرے نوحوں میں سے ہر ایک

ایک اور آمر کے آنسوؤں میں بدل جائے گا!
میرے گرد جمع ہو جاؤ!
تا کہ میری روح تمہاری روحوں کو وصول کر سکے
اور مجھے مقبروں کی دہشت دے دو،
اس لیے کہ آنسو کافی نہیں ہیں
جب کوئی بے نام غلامی میں رہے

اگر آپ 27 نومبر 1871 کے جرائم کو دس سے ضرب دیں تب ہی آپ اور یانتے کے صوبے میں 26، 27، 28 اور 29 جولائی 1953 کے مکروہ اور دیوہیکل جرائم کو پہنچیں گے۔ یہ ابھی تک ہماری یاد میں تازہ ہیں، مگر کسی دن جب سال گزر چکے ہوں گے، جب قوم کا آسمان ایک بار پھر شفاف ہوگا، جب مزاج پُرسکون ہو چکے ہوں گے اور جب خوف ہماری روحوں کو مزید عذاب نہ دے گا، تب ہم اس کی سارے صدمہ ناک سمتوں میں اِس قتلِ عام کو بڑے پیمانے میں دیکھنا شروع کریں گے، اور مستقبل کی نسلیں اُس وقت دہشت محسوس کریں گی جب وہ مڑ کر بربریت کے ان اقدامات کو دیکھیں گی جن کی مثال ہماری تاریخ میں نہیں ملتی۔

مگر میں غصہ میں نہیں آنا چاہتا۔ مجھے ذہن میں شفافی اور اپنے بھاری دل میں سکون کی ضرورت ہے تا کہ حقائق کو جتنا ممکن ہو کسی بھی صورت میں انہیں ڈرامائی بنائے بغیر سادہ بیان کر سکوں، ۔ بلکہ اُسی طرح بیان کر سکوں جس طرح کی وہ وقوع پذیر ہوئے۔ ایک کیوبائی ہوتے ہوئے میں اس بات پہ شرمندہ ہوں کہ سنگدل لوگوں کو اس طرح کے ناقابلِ تصور جرائم کا ارتکاب کرنے دیا گیا، جن سے بقیہ دنیا کے سامنے ہماری قومی بے وقاری ہوئی۔

آمر بتستا کبھی بھی غور فکر کا آدمی نہ رہا۔ وہ اپنی قوم سے غضبناک ترین دروغ گوئیاں کرنے سے کبھی نہ ہچکچایا۔ اپنے دس مارچ کے غدارانہ کودتا کو جواز بخشنے کی خاطر اُس نے آرمی میں خیالی بغاوت کے بارے میں کہانیاں گھڑیں، جو فرضی طور پر اپریل میں وقوع پذیر ہونے کو شیڈول ہوئی تھی۔ اور جسے وہ ملتوی کرنا چاہتا تھا تا کہ رپبلک خون میں نہ ڈوب جائے۔ اس مضحکہ خیز کہانی پر

کبھی کسی نے یقین نہ کیا۔ اور جب اُس نے رپبلک کو خود خون میں ڈبونا چاہا، جب اس نے کیوبا کے نوجوانوں کی برحق بغاوت کو جو اُس کا غلام بننا نہیں چاہتے تھے، دہشت اور ٹارچر سے دبانا چاہا تھا، تو اس نے اور زیادہ بڑے جھوٹ گھڑے۔ ایک آدمی اُس قوم کے لیے کس قدر کم عزت رکھے گا جب وہ انہیں اس قدر اندوھناک طریقے سے دھوکہ دینے کی کوشش کرے!۔ میری گرفتاری کے روز میں نے 26 جولائی کی ہماری مسلح تحریک کی اعلانیہ ذمہ داری قبول کی تھی۔ اگر ہمارے لڑاکوؤں کے خلاف 27 جولائی کے ڈکٹیٹر کی تقریر میں کئی بیانات میں سے ایک کے اندر بھی رتی بھر سچ ہوتا تو یہ میرے کیس کے اخلاقی اثر میں کمی کے لیے کافی ہوتا۔ تو پھر کیوں مجھ پر مقدمہ قائم نہیں کیا گیا؟ ۔کیوں میڈیکل سرٹیفکیٹوں میں ردوبدل کیا گیا؟ ۔ انہوں نے سارے ضابطے والے قوانین کی کیوں خلاف ورزی کی اور عدالت کے رولنگز کو اس قدر اہانت آمیز طور پر کیوں نظرانداز کیا؟ ۔ مجھے ہر قیمت پر عدالت میں ظاہر ہونے سے روکنے کے لیے کیوں اتنے سارے قدامات کیے گئے، ایسے اقدامات جو اس سے قبل کسی عدالت نے نہ دیکھے؟۔ اس کے برعکس، میں پیش ہونے کی خاطر جن مراحل سے گزرا ہوں آپ کو نہ بتاتا۔ میں نے عدالت سے مروجہ اصولوں کے مطابق عدالت میں لانے کا کہا، اور میں نے اُن خفیہ سازشوں کو فاش کیا جو عدالت کو ایسا نہ کرنے کے لیے کی گئیں۔ میں اُن کے خلاف روبرو دلائل دینا چاہتا تھا۔ مگر وہ میرا سامنا کرنا نہیں چاہتے تھے۔ کون سچ سے خوفزدہ تھا، اور کون نہ تھا؟۔

آمر کے کیمپ کولمبیا میں دیے گئے بیانات کو مسخرہ پن تصور کیا جاتا اگر وہ خون میں اس قدر رنگے نہ ہوتے۔ اس نے دعوی کیا کہ ہم کرائے پر کام کرنے والوں کا ایک گروہ تھے اور یہ کہ ہمارے اندر کئی غیر ملکی تھے۔ اس نے کہا کہ ہمارے منصوبے کا مرکزی حصہ اُسے قتل کرنے کا تھا، اُسے، ہمیشہ اُسے۔ گویا جن لوگوں نے مونکیڈا ابیرکوں پر حملہ کیا تو اگر انہوں نے ایسے طریقوں کو منظور کیا ہوتا تو وہ اُسے اور اس جیسے بیس دوسروں کو قتل نہیں کر سکتے تھے۔ اس نے بیان دیا کہ ہمارے حملے کی منصوبہ بندی سابق صدر پرائیو نے کی، اور یہ کہ پرائیو کے پیسے سے اس حملے کو فنانس کیا گیا تھا۔ یہ ناقابلِ تردید طور پر ثابت ہو چکا کہ ہماری تحریک اور سابقہ رجیم کے بیچ کسی طرح بھی تعلق نہ

تھا۔اس نے دعویٰ کیا کہ ہمارے پاس مشین گن اور ہینڈ گرنیڈ تھے۔مگر ملٹری ٹیکنیشنوں نے یہیں اس عدالت کے سامنے بیان کیا کہ ہمارے پاس محض ایک مشین گن تھی اور ایک بھی ہینڈ گرینیڈ نہ تھا۔ اس نے کہا کہ ہم نے سنتریوں کے سر قلم کر دیے۔مگر آرمی کے سارے اموات کے ڈیتھ سرٹیفکیٹ اور میڈیکل رپورٹ بتاتی ہیں کہ ایک بھی موت بلیڈ اور دھار سے نہ ہوئی۔مگر سب سے بڑھ کر اور سب سے اہم اس نے کہا کہ ہم نے ملٹری ہسپتال کے مریضوں کو چھری گھونپ دی۔مگر ہسپتال کے ڈاکٹروں (آرمی ڈاکٹروں) نے گواہی دی کہ ہم نے اس عمارت پر قبضہ ہی نہیں کیا،اور یہ کہ ایک بھی مریض ہماری طرف سے زخمی یا قتل نہ ہوا۔اور یہ کہ ہسپتال کے محض ایک ملازم،ایک چوکیدار، کی موت ہوئی تھی جس نے ناتجربہ کاری میں ایک کھلی کھڑکی سے باہر اپنا سر مارا تھا۔

جب ایک ریاست کا سربراہ ، جو اس طرح ہونے کا دکھاوا کرے،قوم کے سامنے اعلانات کرے،تو وہ صرف اپنی آواز سننے کے لیے نہیں بول رہا ہوتا۔ اُس کے پاس کوئی خاص مقصد ہوتا ہے اور وہ کچھ مخصوص ردعمل کی توقع کر رہا ہوتا ہے، یا اُس کا کوئی ارادہ ہوتا ہے۔ چونکہ ہماری فوجی شکست پہلے ہی ہو چکی تھی۔اور جہاں تک ہمارا تعلق تھا تو ہم ڈکٹیٹر شپ کے لیے کوئی حقیقی خطرہ نہ رہے تھے،تو پھر انہوں نے اس طرح ہمیں کیوں بدنام کیا؟۔اگر یہ ابھی تک واضح نہیں ہے کہ یہ ایک خون آلودہ تقریر تھی، کہ یہ محض اُن جرائم کا جواز پیش کرنے کی ایک کوشش تھی جس کا وہ اُس سے پہلی رات سے ارتکاب کر رہے تھے اور یہ کہ وہ جرائم جاری رکھنے والے تھے،تو پھر اعداد و شمار کو میرے حق میں بولنے دیں: 27 جولائی کو ملٹری ہیڈ کوارٹرز سے تقریر کرتے ہوئے بتستا نے کہا کہ حملہ آوروں کے 32 مار دیے گئے۔ ہفتے کے آخر میں اموات کی تعداد کو 80 افراد تک بڑھا دیا گیا۔کس جنگ میں،کس تصادم میں یہ نوجوان مر گئے؟۔بتستا کی تقریر سے پہلے 25 قیدیوں کو قتل کیا گیا تھا۔بتستا کی تقریر کے بعد مزید کا قتل عام کیا گیا۔

اُن منکسر آرمی ٹیکنیشنوں اور پروفیشنلز کا عظیم احساسِ وقار دیکھیے جنہوں نے عدالت کے سامنے حقائق کو توڑا مروڑا نہیں ، بلکہ سخت ترین سچ کے ساتھ جڑے رہنے کی اپنی رپورٹیں پیش کیں۔یہ یقیناً ایسے سپاہی ہیں جو اپنی وردی کا احترام کرتے ہیں، یہ بلاشبہ جواں مرد ہیں ۔ نہ کوئی

اصلی سپاہی اور نہ ہی ایک سچا مرد دروغوں اور جرم کے ساتھ اپنے کوڈ آف آنر کو کم کر سکتا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ ان میں سے کئی سپاہی بربریت والے خفیہ قتل کے ارتکاب پہ برہم ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ وہ اُس قتل کے خون کی بُو پہ شرمندگی اور کراہت محسوس کرتے ہیں جو مونکیڈا بیرکوں کے ہر پتھر کو حاملہ کرتی ہے۔

اب جبکہ اُس کی اپنی فوج کے اندر موجود باوقار انسانوں کی طرف سے اس کی تردید ہو چکی ہے، میں ڈکٹیٹر کو چیلنج کرتا ہوں کہ ہمارے خلاف اپنی خبیث بدگوئی کو دوہرائے۔ میں اس کی 27 کی تقریر کو کیوبا کے عوام کے سامنے تائیدی دلائل پیش کرنے پر اس کا مقابلہ کرتا ہوں۔اسے خاموش نہ رہنے دیا جائے۔اُسے بولنا ہوگا۔اُسے بتانا ہوگا کہ قاتل کون ہیں،سنگدل غیر انسانی کون ہیں۔اسے ہمیں بتانا ہوگا کہ اُس نے اُس قتل عام کے اپنے جن سات ہیروؤں کے سینوں پر میڈل آف آنر چپکائے تو کیا وہ اُن بھیانک جرائم کا انعام تھے جو انہوں نے کیے؟۔اُسے اُس گھڑی سے تاریخ کے سامنے اپنی ذمہ داری قبول کرنی ہوگی ۔اُسے، کہیں بعد میں، یہ دکھاوا نہ کرنے دیا جائے کہ سپاہی اُس سے ڈائریکٹ احکامات لیے بغیر اقدامات کر رہے تھے!۔اس سے قوم کے سامنے اُن 70 قتلوں کی وضاحت لی جائے۔خونریزی بڑی تھی۔قوم کو وضاحت چاہیے۔قوم کو وضاحت کی تلاش ہے۔قوم اس کا مطالبہ کرتی ہے۔

یہ عام معلوم بات ہے کہ 1933 میں نیشنل ہوٹل پر لڑائی کے آخر میں کچھ افسر ہتھیار ڈالنے کے بعد قتل کیے گئے تھے ۔ بوہیمیا میگزین نے زوردار طریقے سے احتجاج کیا تھا۔ یہ بھی معلوم بات ہے کہ اٹاریز قلعہ کے ہتھیار ڈالنے کے بعد محاصرہ کرنے والی مشین گنوں نے قیدیوں کی ایک قطار کو بھون ڈالا تھا۔اور یہ کہ ایک سپاہی نے یہ پوچھ کر کہ بلاس ہرنانڈس کون ہے،اُسے سیدھا چہرے پہ گولی مار کر قتل کیا،اور اِس بزدلانہ عمل پر اُسے افسر کے رینک میں ترقی دی گئی تھی۔ کیوبا کی تاریخ میں یہ بات سب کو معلوم ہے کہ قیدیوں کو قتل کر دینا بتستا کے نام کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ہم کتنے سادہ تھے کہ اس بات کی پیش بینی نہ کر سکے!۔بہر حال،1933 کے وہ قتل جس قدر نامعقول تھے منٹوں میں ہوئے ، بالکل اتنے ہی وقت میں جس میں کہ ایک مشین گن کی برسٹ چل جائے۔

اُس پر طرہ یہ کہ وہ اُس وقت ہوئے جب کہ مزاج ابھی تک شدید حساسیت میں تھے۔

سنٹیا گوڈی کیوبا میں یہ معاملہ نہ تھا۔ یہاں دہشتناک غصہ اور ظلم کی ساری قسمیں جان بوجھ کر حد سے زیادہ کی گئیں۔ ہمارے آدمی منٹوں میں قتل نہ کیے گئے، نہ ایک گھنٹے میں، یا ایک دن میں۔ پورے ایک ہفتے تک ضربیں اور ٹارچر جاری رہا، انہیں چھتوں سے نیچے پھینک کر گولی ماردی گئی۔ جرم کے بہت ہی ماہروں کے ذریعے بیخ کنی کے سارے طریقے پے در پے استعمال کیے گئے۔ مونکیڈا ابیرکوں کو ٹارچر اور موت کے ایک ورکشاپ میں تبدیل کیا گیا۔ کچھ بے شرم افراد نے اپنی وردیوں کو قصائی کے ایپرنوں میں بدل دیا۔ دیواریں خون کے چھینٹوں سے لال لال ہوگئیں۔ دیواروں میں گھسی گولیاں کھال کے ٹکڑوں، مغز، انسانی بالوں، اور سیدھا چہروں پر رائفل فائر کی خوفناک یاددھانیوں سے داغدار تھیں۔ بیرکوں کے گرد گھاس انسانی خون سے سیاہ اور چپکنے والی تھی۔ مجرمانہ ہاتھوں نے، جو کیوبائی قسمت کی قیادت کر رہے ہیں، موت کے اُس اڈے کے داخلہ گیٹ پر قیدیوں کے لیے دوزخ کا وہی کندہ کردہ فقرہ لکھ دیا تھا:

''ساری امید ترک کردو''۔

انہوں نے حتیٰ کہ کسی بات کو چھپانے کی کوشش بھی نہ کی۔ انہوں نے یہ چھپانے کی معمولی کوشش بھی گوارا نہ کی کہ وہ کیا کر رہے تھے۔ انہوں نے سوچا کہ وہ لوگوں کو اپنے دروغوں سے دغا دے چکے اور انجام یہ کہ وہ خود کو دھوکہ دے چکے۔ انہوں نے خود کو کائنات کا مالک اور آقا سمجھا جن کی قدرت میں زندگی اور موت تھی۔ چنانچہ صبح سویرے والے ہمارے حملے پر انہیں جو خوف ہوا تھا، وہ خون کے شرابی والے رقص وسرور میں، لاشوں کی ایک دعوت میں اڑ گیا۔

ساڑھے چار سو سال کی ہماری تاریخ ہمیں ظلم کی کئی داستانیں بتاتی ہے: سپین والوں کی طرف سے نہتے انڈینز کا قتل عام، ساحل کے ساتھ ساتھ قزاقوں کی لوٹ مار اور مظالم، ہماری جنگ آزادی کے دوران سپین کے سپاہیوں کی بربریتیں، ویلر کی فوجوں کی طرف سے کیوبائی آرمی کے قیدیوں کو گولیاں مار کر قتل کرنا، مارچاڈو رجیم کی دہشتیں اور مارچ 1935 کے خونی جرائم وغیرہ۔ مگر سنٹیا گوڈی کیوبا جیسے کشتگان کی تعداد اور ظلم کرنے والوں کی بدخصالی جیسا غمناک اور خونی صفحہ کبھی

نہ لکھا گیا۔ ان ساری صدیوں میں صرف ایک شخص نے ہماری تاریخ کو دو الگ الگ وقتوں میں خون سے رنگ دیا اور اپنے پنجوں کو کیوبائیوں کی دونسلوں کے گوشت میں گاڑ دیا۔ خون کا یہ دریا بہانے کے لیے اُس نے دانا (مارٹی) کی صدسالگی کا انتظار کیا۔ ریپبلک کی محض پچاسوں سالگرہ کے بعد، جس کے عوام بہت ساری زندگیوں کی قیمت پر آزادی، انسانی حقوق اور مسرت کے لیے لڑے تھے۔ اُس کا جرم تو اور بڑا ہے اور مزید قابلِ الزام ہے اس لیے کہ جس شخص نے اس کا ارتکاب کیا تھا، اس نے پہلے ہی گیارہ طویل برسوں تک اپنے عوام پر حکمرانی کی تھی۔ وہ عوام جو اس قدر گہرے جذبے اور روایت کے ساتھ، آزادی سے پیار کرتے ہیں اور برائی کو ترک کرتے ہیں۔ یہ شخص مزید برآں اپنی پبلک زندگی میں کبھی ایک منٹ کے لیے بھی مخلص، وفادار، ایماندار یا بہادر نہ رہا۔

وہ جنوری 1934 کی غداری، مارچ 1935 کے جرائم اور 40 ملین ڈالر کی اُس دولت سے سیر نہ ہوا جس نے اُس کی پہلی رجیم کو تاج پہنایا۔ اُسے اِس کے اندر مارچ 1952 کی غداری، 1953 کے جرائم، اور اُن سارے ملینوں کو جمع کرنا پڑا جنہیں صرف وقت آشکار کرے گا۔ دانتے نے اپنی جہنم کو نو حصوں میں تقسیم کیا تھا۔ اس نے جرائم پیشہ لوگوں کو ساتویں حصے میں رکھا، چوروں کو آٹھویں میں، اور غداروں کو نویں میں۔ ابلیسوں کو اس وقت بہت مشکل معمہ کا سامنا ہوگا جب وہ اس آدمی کی روح کے لیے ایک معمولی جگہ تلاش کر رہے ہوں گے۔۔۔۔۔ اگر اس آدمی کے پاس کوئی روح ہے تو۔ جس شخص نے سنتیا گوڈی کیوبا میں بربریت والے اقدامات کرائے تھے اس کے پاس دل ہے ہی نہیں۔

میں اُس طریقے کی کئی تفصیلات جانتا ہوں جس سے کہ یہ جرائم کیے گئے۔ اُن سپاہیوں میں سے کچھ کی اپنی زبان سے جنہوں نے، شرم سے بھرے ہوئے، مجھے اُن مناظر کے بارے میں بتایا جو انہوں نے دیکھے۔

جب لڑائی ختم ہو چکی تھی تو سپاہی سنٹیا گوڈی کیوبا پر وحشی درندوں کی طرح ٹوٹ پڑے۔ اور انہوں نے اپنی فرسٹریشن کا پہلا غصہ نہتی آبادی پر اتارا۔ ایک گلی کے بیچ میں، اور لڑائی کی جگہ سے دور انہوں نے ایک معصوم بچے کے سینے میں گولی ماردی جو اپنے گھر کے دروازے کے سامنے کھیل

رہا تھا۔ جب باپ بچے کو اٹھانے آیا تو انہوں نے اس کے سر پر گولی ماردی ۔ بغیر ایک لفظ کے انہوں ’’Nino ‘‘Cala کو گولی ماردی جو کہ اپنے ہاتھ میں ایک روٹی لیے اپنے گھر جا رہا تھا۔شہری آبادی کے خلاف سارے ارتکاب کردہ جرائم اور مظالم کو بیان کرنا ناممکن ہے۔اور اگر آرمی نے اُن لوگوں کے خلاف یہ سب کچھ کیا جن کا اس اقدام سے کسی طرح کا کوئی تعلق نہ تھا، تو آپ اُن قیدیوں کے خوفناک مقدر کا تصور کر سکتے ہیں جنہوں نے اس لڑائی میں حصہ لیا تھا' یا جس پر حصہ لینے کا شک تھا۔ بالکل اسی طرح، جس طرح اس مقدمے میں انہوں نے بہت سے لوگوں پر الزام لگایا جن کا ہمارے حملے سے کسی طرح کا تعلق نہ تھا۔ اسی طرح انہوں نے بہت سے ایسے قیدی بھی قتل کیے جن کا اس حملہ سے کسی طرح کا بھی کوئی تعلق نہ تھا۔اِن آخر الذکر لوگوں کا نام اُن کشتگان کی لسٹ میں شامل نہیں ہے جو رجیم نے جاری کی؛ اُس لسٹ میں تو بلا شرکت غیرے ہمارے آدمیوں کے نام ہیں۔کسی دن قتل شدگان کی مجموعی تعداد معلوم ہو جائے گی۔

پہلا قیدی جو قتل کیا گیا وہ ہمارا ڈاکٹر ماریو مانوز تھا، جس کے پاس کوئی اسلحہ نہ تھا، اس نے کوئی وردی نہیں پہن رکھی تھی، اور جس نے ایک فزیشن والا سفید چوغہ پہن رکھا تھا۔ وہ ایک عالی ہمت اور قابل آدمی تھا جو کسی زخمی دشمن کو بھی وہی بھرپور خیالداری مہیا کرتا جو وہ ایک دوست کو کرتا تھا۔سویلین ہسپتال سے بیرک تک والی سڑک پر انہوں نے اُسے پشت پر گولی ماردی اور اُسے وہیں پڑا ہوا چھوڑ دیا۔اس کا چہرہ خون کے ایک کھڈے میں پڑا تھا۔

مگر جنگی قیدیوں کا قتلِ عام سہ پہر تین بجے سے پہلے شروع نہیں ہوا۔ وہ تین بجے تک احکامات کا انتظار کرتے رہے۔ پھر جنرل مارٹن ڈاپا زتا مایو ہوانا سے پہنچا۔وہ بتستا کے ساتھ ایک میٹنگ سے خصوصی ہدایات لے کر آیا تھا۔اس میٹنگ میں آرمی کا سربراہ، ملٹری انٹلی جنس کا سربراہ اور دیگر شامل تھے۔اُس نے کہا: ’’آرمی کے لیے شرم اور ہتک کی بات ہے کہ جنگ میں باغیوں کے مقابلے میں تین گنا زیادہ سپاہی مارے گئے ۔ ایک سپاہی کے مقابلے میں دس قیدی قتل کیے جائیں‘‘ یہ تھا حکم!۔

ہر معاشرے میں کمینہ جبلت والے لوگ موجود ہوتے ہیں ۔سیڈسٹ، وحشی، سارے

آبائی حیوانیت کے منتقل کرنے والے انسانوں کے بھیس میں چلتے ہیں، مگر وہ محض ڈسپلن اور سماجی عادت سے، کم یا زیادہ محدود رکھی گئی عفریتیں ہیں۔ اگر انہیں خون کے ایک دریا سے ڈرنک پیش کی جائے تو وہ اُس وقت تک مطمئن نہیں ہوتے جب تک کہ وہ اُس دریا کو پی پی کر ختم نہ کر دیں۔ان آدمیوں کو بس حکم کی ضرورت تھی۔اُن کے ہاتھوں کیوبا کے بہترین اور نوبل ترین انسان ختم ہوئے: سب سے بہادر، سب سے ایماندار اور سب سے زیادہ آئیڈیلیٹ لوگ۔ ڈکٹیٹر انہیں کرائے کے قاتل کہتا ہے۔ وہ سب ہیروؤں کی طرح اُن لوگوں کے ہاتھوں مر رہے تھے جو رپبلک سے تنخواہ لیتے ہیں اور جو رپبلک کے اسلحہ سے ایک گروہ کے مفادات کی حفاظت کرتے ہیں اور رپبلک کے بہترین آدمیوں کو قتل کر دیتے ہیں۔ ہمارے کامریڈوں کو ٹارچر کرتے رہنے کے دوران آرمی نے اُن کے نظریے سے غداری کر کے اور جھوٹا اعلان کر کے کہ پرائیو نے انہیں پیسہ دیا تھا، انہیں اپنی زندگیاں بچانے کا موقع دیے رکھا۔ جب انہوں نے اُس دعویٰ کو برہمی کے ساتھ مسترد کر دیا، تو آرمی نے اپنے خوفناک ٹارچر جاری رکھے ۔انہوں نے اُن کے خصیے کچل دیے۔ان کی آنکھیں نکال دیں۔مگر کوئی بھی نہ جھکا۔کوئی شکایت نہ سنی گئی، نہ کوئی رعایت مانگی گئی۔ جب حتیٰ کہ انہیں اُن کے لازمی اعضا سے محروم کیا گیا، ہمارے آدمی اپنے سارے اذیت رسانوں کو ملا کر بھی اُن سے اب بھی ہزار گنا زیادہ بہادر تھے۔فوٹوگراف، جو جھوٹ نہیں بولتے دکھاتے ہیں کہ جسم ٹکڑے ٹکڑے کیے گئے۔ دوسرے طریقے استعمال کیے گئے۔آدمیوں کی بہادری سے فرسٹریٹ ہو کر انہوں نے ہماری عورتوں کی ہمت توڑنی چاہی ۔ہاتھوں میں خون بہتی ہوئی ایک آنکھ اٹھائے ایک سارجنٹ اور کئی سپاہی جیل کی ایک کوٹھڑی میں داخل ہوئے جہاں ہماری کامریڈز، میلبا ہرنانڈز اور ہائیڈی سنتا ماریا کو قید رکھا گیا تھا۔ ثانی الذکر کو مخاطب کرتے ہوئے ، اور اُسے وہ آنکھ دکھاتے ہوئے سارجنٹ بولا: ’’یہ تمہارے بھائی کی آنکھ ہے۔اگر تم وہ کچھ ہمیں نہ بتاؤ گی جو وہ بتانے سے انکار کر رہا ہے تو ہم اس کی دوسری آنکھ بھی پھوڑ ڈالیں گے‘‘۔ وہ جسے اپنا بہادر بھائی ہر چیز سے پیارا تھا مکمل وقار سے بولی: ’’اگر تم نے ایک آنکھ پھوڑ لی اور وہ پھر بھی کچھ نہ بولا تو پھر میں کیسے بولوں گی؟‘‘۔ وہ پھر لوٹ آئے اور جلی ہوئی سگریٹوں سے اُن کے بازو جلائے جب بالآخر عداوت سے بھرے، انہوں نے

کمسن ہائیڈی سنتاماریا کو بتایا: ''اب مزید تمہارے پاس منگیتر نہیں ہے اس لیے کہ ہم نے اُسے بھی قتل کر دیا'' ۔ مگر پھر بھی پرسکون، اس نے جواب دیا: ''وہ نہیں مرا، اس لیے کہ اپنے وطن کے لیے مر جانا ہمیشہ کی زندگی پانا ہوتا ہے'' ۔ کیوبا کی عورتیت کا ہیروازم اور وقار اتنی بلندیوں تک کبھی نہ پہنچا تھا۔

شہر کے مختلف ہسپتالوں میں جنگی زخمیوں کے لیے بھی کوئی عزت نہ تھی۔ انہیں اس طرح شکار کر کے مار گرایا گیا جس طرح گدھ اپنے شکار کا تعاقب کرتے ہیں۔ سنٹرو کالیگو میں وہ اسی لمحے آپریشن تھیٹر توڑ کر داخل ہوئے جب ہمارے دو شدید زخمیوں کی بلڈ ٹرانسفیوژن ہو رہی تھی۔ انہوں نے انہیں میزوں سے نیچے گرایا۔ اور چونکہ زخمی کھڑے نہیں ہو سکتے تھے تو انہیں گھسیٹ کر پہلی منزل تک لایا گیا جہاں تک پہنچنے پر وہ لاشیں بن چکے تھے۔ وہ ہسپانوی کلینک میں یہ کچھ نہ کر سکے جہاں گستاوو آکروس اور جوزے پونسے مریض تھے، اس لیے کہ انہیں ڈاکٹر پوسادا نے ایسا کرنے دیا۔ اس نے بہادری سے انہیں بتا دیا کہ وہ اس کی لاش پر سے گزر کر آگے جا سکتے ہیں۔

انہوں نے پیدرو میریٹ، البردو کریسپو اور فیڈل لبراڈ ور کو ملٹری ہسپتال میں قتل کرنے کی غرض سے اُن کی رگوں میں ہوا اور کافور کے انجکشن لگائے۔ ان کی زندگی کا سہرا فوجی ڈاکٹر اور باوقار سپاہی کیپٹن تمائیو پر جاتا ہے۔ جس نے ہاتھ میں پستول تھامے بے رحم قیدی بنانے والوں کے ہاتھوں کو دبوچ لیا اور مریضوں کو سویلین ہسپتال ٹرانسفر کر دیا۔ ہمارے زخمیوں میں سے وہی پانچ نوجوان زندہ رہے۔

صبح سویرے ہمارے آدمیوں کے گروپس کو بیرکوں سے نکالا گیا تھا اور موٹر گاڑیوں کے ذریعے سیبونی، لا مایا، سونگو اور دیگر جگہوں پر لے جایا گیا۔ پھر انہیں باندھ کر، منہ میں کپڑا ٹھونس کر پہلے ہی ٹارچر سے مسخ شدہ الگ تھلگ جگہوں پر قتل کر دیا گیا۔ اُن کا نام آرمی کے خلاف جنگ میں مارے جانے والوں کے بطور درج کیا گیا۔ ایسا کئی روز تک ہوتا رہا اور پکڑے گئے قیدیوں میں سے چند ہی زندہ رہے۔ کئی اوں کو خود اپنی قبریں کھودنے پر مجبور کیا گیا۔ ہمارے آدمیوں میں سے ایک، جب وہ کھود رہا تھا، گھوم گیا۔ اور اپنی کدال سے اپنے قاتلوں میں سے ایک کے چہرے کو پھاڑ ڈالا۔

دوسروں کو حتیٰ کہ زندہ دفن کیا گیا، جب کہ ان کے ہاتھ پشت پر باندھے ہوئے تھے۔ کئی تنہا جگہیں، بہادروں کی قبرستان بن گئیں۔ صرف آرمی ٹارگٹ رینج میں ہمارے پانچ آدمی دفنائے پڑے ہیں۔ ایک روز آئے گا جب اِن آدمیوں کو قبروں سے نکالا جائے گا۔ پھر عوام انہیں اپنے کندھوں پر مارٹی کے مقبرے کے قریب لے جائیں گے اور اِن آزاد وطن کے شہیدوں کی یاد میں ایک وقار کی یادگار کھڑی کر دیں گے۔

انہوں نے سنتیا گوڈی کیوبا کے اردگرد جس آخری نوجوان کو قتل کیا وہ مارکوس مارٹی تھا۔ اسے 30 تاریخ کو جمعرات کی صبح سونی کے ایک غار میں ہمارے کامریڈ سیرو ریڈانڈو کے ساتھ گرفتار کیا گیا تھا۔ ان دونوں آدمیوں کو اُن کے بازو کھڑے کرائے ہوئے سڑک تک ہانکا گیا۔ اور سپاہیوں نے مارکوس مارٹی کو پیچھے گولی مار دی۔ جب وہ زمین پر گر گیا تو انہوں نے اسے گولیوں سے چھلنی کر دیا۔ ریڈانڈو کو کیمپ لے جایا گیا۔ جب میجر پیریز چومونٹ نے اُسے دیکھا تو چیخا: ''اور یہ ؟۔ اِسے میرے پاس کیوں لائے ہو؟'' ۔ عدالت نے یہ واقعہ خود ریڈانڈو کے منہ سے سنا۔ یہ نوجوان پیریز چومونٹ کے بقول ''سپاہیوں کی احمقی'' کی وجہ سے بچا۔

صوبے بھر میں یہی حال تھا۔ 26 جولائی کے دس روز بعد شہر کے ایک اخبار نے خبر چھاپی کہ مانزانیلو سے بایامو جانے والی سڑک پر دو نوجوان آدمی پھانسی پر لٹکے ہوئے ملے۔ بعد میں ان لاشوں کی شناخت ہیوگو کامیجو اور پیدرو ویلیز کے نام سے ہوئی۔ وہاں ایک اور غیر معمولی واقعہ رونما ہوا: وہاں تین مقتول تھے۔ انہیں اس صبح مانزانیلو بیرکوں سے گھسیٹا گیا تھا۔ سڑک کے کسی مقام پر انہیں باہر نکالا گیا، مار مار کر بے ہوش کیا گیا اور ایک رسی سے گلا گھونٹ دیا گیا۔ مگر جب مردہ سمجھ کر انہیں چھوڑ دیا گیا تو اُن میں سے ایک آندرے گارشیا دوبارہ ہوش میں آیا اور ایک کسان کے گھر میں چھپ گیا۔ اس کی وجہ سے عدالت کو اِس جرم کی تفصیل بھی معلوم ہوئی۔ بایامو علاقے میں ہمارے جتنے بھی آدمی گرفتار کر لیے گئے، ان میں سے زندہ بچنے والا یہ واحد آدمی ہے۔

دریائے کاؤٹو کے ساتھ برانکاس نامی ایک جگہ پر ایک کھڈے میں راؤل ڈی اگیور، آرماندو ڈی ویلے، اور آندرے ویلڈیز کی لاشیں پڑی ہیں۔ انہیں آلٹا سیڈرو کے لیفٹننٹ انچارج

نے آلٹوسیڈ روسے پالماسوریانو کے بیچ والی سڑک پر آدھی رات کو میرانڈا ایرکوں پہ ملٹری پوسٹ کے انچارج سارجنٹ مونٹیز ڈی اوکا کارپورل ماسیو اور مقتول لوگوں کے گرفتار ہونے والی جگہ پر قتل کردیا۔ جرم کا ذمہ دار سرجنٹ یولا لیوگنز الیز جسے ٹائیگر آف مونکیڈا ایرکس کہا جاتا ہے، ایک خاص مقام کا حقدار ہے۔ بعد میں اس شخص کو اپنے ناگفتہ بہ کارناموں کے بارے میں ڈینگیں مارنے کے لیے ضمیر کی ایک معمولی خلش تک نہ ہوئی۔ یہ وہی تھا جس نے اپنے ہاتھوں سے ہمارے کامریڈ آبیل سانتاماریا کو قتل کیا تھا۔ مگر اُس سے اس کا دل ٹھنڈا نہ ہوا۔ ایک روز جب وہ پورٹو بونیا ٹو جیل سے واپس آرہا تھا، جہاں وہ پچھلے احاطے میں لڑاکو مرغے پالتا ہے، تو وہ ایک بس پر سوار ہوا۔ اُسی بس پر آبیل کی ماں بھی سفر کررہی تھی۔ جس وقت اِس وحشی کو معلوم ہوا کہ وہ خاتون کون ہے تو اس نے اپنے ڈراؤنے کارناموں کے بارے میں ڈینگیں مارنی شروع کردیں اور اونچی آواز میں، تاکہ ماتمی لباس میں وہ خاتون اُس کی آواز سن سکے۔ اس نے کہا: ''ہاں، میں نے کئی آنکھیں پھوڑ ڈالیں اور میں مزید آنکھیں نکالتے رہنے کی توقع رکھتا ہوں''۔ جس بے مثال اخلاقی گراوٹ میں ہماری قوم مبتلا ہے اُسے الفاظ کی قوت سے دور، اِسی شخص کی بزدلانہ بے ادبی کے سامنے اس ماں کی غمناک ہچکیوں سے اظہار ہوتا ہے جس نے اُس کے بیٹے کو قتل کیا۔ جب یہ مائیں اپنے بچوں کے بارے میں معلوم کرنے مونکیڈا ایرکس گئیں، تو انہیں ناقابلِ یقین ترش روئی اور سیڈ ازم سے بتایا گیا: ''یقیناً میڈم، آپ اس سے سانتا ایفی جینیا ہوٹل میں ملاقات کرلیں جہاں ہم نے اسے آپ کے لیے قیام کروایا ہوا ہے''۔ یا تو کیوبا کیوبا نہیں ہے یا جولوگ ان اقدامات کے ذمہ دار ہیں انہیں ایک دن اپنے حساب کا سامنا کرنا ہوگا۔ ناترس لوگ۔ انہوں نے ایسے لوگوں پر غیر مہذب ہتک اچھالی جنہوں نے اُس وقت اپنے سر احترام میں ننگے کیے جب قریب سے انقلابیوں کی میتیں لے جائی جارہی تھیں۔ وہاں اس قدر زیادہ کشتہ لوگ تھے کہ حکومت نے ابھی تک پوری لسٹ عام کرنے کی جرات نہ کی۔ وہ جانتے ہیں کہ ان کے اعداد وشمار جھوٹے ہیں۔ اُن کے پاس سارے کشتگان کے نام موجود ہیں اس لیے کہ ہر قتل سے قبل وہ اس کے بارے میں ساری معلومات ریکارڈ کرتے تھے۔ نیشنل آئیڈنٹی فکیشن بیورو کے ذریعے شناخت کا پورا لمبا پروسیس ایک بڑا ناٹک تھا اور کئی خاندان

ایسے ہیں جو ابھی تک اپنے بیٹوں کے مقدر کی اطلاع کے انتظار میں ہیں۔ یہ سارا کچھ کیوں تین ماہ گزر جانے کے بعد بھی واضح نہ کیا گیا۔

میں ریکارڈ کے لیے یہاں بیان کرنا چاہتا ہوں کہ سارے مقتولین کی جیبیں آخری آنے ٹکے تک خالی کی گئیں اور اُن کی شخصی چیزیں، انگوٹیاں، اور گھڑیاں اُن کے جسموں سے اتار لی گئیں اور وہ آج اُن کے قاتلوں نے بے حیائی سے پہنی ہوئی ہیں۔

معزز ججو! عدالت میں میرے کئی کامریڈوں کے بیان کی وجہ سے آپ میری بتائی ہوئی باتوں میں سے بہت کچھ پہلے ہی جانتے ہیں۔ مگر براہِ کرم یہ بات نوٹ کریں کہ بہت سے اہم گواہوں کو اس مقدمے سے باہر رکھا گیا ہے، حالانکہ انہیں پچھلی پیشیوں میں موجود ہونے کی اجازت دی گئی تھی۔ مثال کے طور پر میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ سویلین ہسپتال کی نرسیں غیر حاضر ہیں، حالانکہ وہ بھی اُسی جگہ کام کرتی ہیں جہاں یہ مقدمہ چل رہا ہے۔ وہ اس عدالت سے باہر رکھی گئی ہیں تاکہ میرے سوالات کے جواب میں وہ یہ بیان نہ دے پائیں کہ ڈاکٹر ماریو مونوز کے علاوہ بیس دیگر آدمی بھی زندہ گرفتار ہوئے تھے۔ رجیم کو خوف ہے کہ ان گواہوں سے سوالات پوچھنے پر کہیں سرکار کے آفشل بیان میں سے کوئی خطرناک بیان اپنا راستہ نکالتے ہوئے سامنے نہ آئے۔ مگر میجر پیریز چاؤ مونٹ یہاں ضرور پیش ہوا جو میرے سوالات سے بچ نہ سکا۔ ہم نے اُس شخص سے کیا سیکھا، ایک ''ہیرو''، جو محض نہتے اور ہتھکڑی کردہ ہاتھوں کے خلاف لڑا۔ اس سے ہمیں یہ خیال آتا ہے کہ اگر مجھے عدالتی کارروائی سے الگ تھلگ رکھا جاتا تو کمرہ عدالت میں کیا کچھ جاننے کو ملتا۔ میں نے اس سے پوچھا تھا کہ سبونی کے مقام پر بڑھا چڑھا کر بیان کی گئی جھڑپوں میں ہمارے کتنے آدمی مرے تھے؟۔ وہ جھجکا۔ میں اصرار کرتا رہا تب بالآخر وہ بولا، ایکس۔ چونکہ میں جانتا ہوں کہ وہاں ایسی جھڑپیں بالکل ہوئی ہی نہ تھیں، اس لیے میں نے پوچھا کہ ہمارے کتنے آدمی زخمی ہوئے تھے۔ اس نے جواب دیا کوئی بھی نہیں، سب مارے گئے تھے''۔ تب ہی میں نے حیرت سے پوچھا تھا کہ کیا فوجی سپاہی ایٹمی ہتھیار استعمال کررہے تھے؟۔ بلاشبہ جہاں لوگوں کو سامنے کھڑا کرکے سیدھی گولی ماری جائے وہاں زخمی نہیں ہوتے۔ پھر میں نے اُس سے پوچھا کہ آرمی کی کتنی اموات ہوئیں؟۔

اس نے جواب دیا کہ اُس کے دو آدمی زخمی ہوئے تھے۔ آخر میں میں نے اُس سے پوچھا کہ آیا اُن آدمیوں میں سے کوئی مرا؟، تو اس نے کہا ''نہیں''۔ میں نے انتظار کیا۔ بعد میں آرمی کے سارے زخمی لائن میں کھڑے ہوئے اور یہ معلوم ہوا کہ اُن میں سے ایک بھی سبوتی کے مقام پر زخمی نہ ہوا تھا۔ یہی میجر پیریز چاؤمونٹ تھا جو اکیس نہتے نوجوانوں کو قتل کرنے پر ذرا بھی نہیں جھجکا، اس نے سیوڈآمار ساحل پر ایک محل نما گھر تعمیر کیا۔ یہ گھر ایک لاکھ پیسو سے زیادہ قیمت کا ہے۔ جو بتستا کی نئی حکمرانی کے تحت چند ماہ کی کمائی تھی۔ اور یہ اگر ایک میجر کی کمائی تھی تو اندازہ کریں کہ جنرلوں نے کیا کچھ کمایا ہوگا!۔

معزز ججو! ہمارے وہ لوگ کہاں ہیں جنہیں 26, 27, 28 اور 29 جولائی کو گرفتار کیا گیا تھا؟۔ یہ معلوم بات ہے کہ سنتیا گوڈی کیوبا کے علاقے میں ساٹھ سے زیادہ افراد گرفتار کیے گئے تھے۔ ان میں سے صرف تین مرد اور دو عورتوں کو عدالت کے سامنے لایا گیا۔ بقیہ ملزموں کو بعد میں پکڑا گیا۔ ہمارے زخمی کہاں ہیں؟۔ اُن میں سے صرف پانچ زندہ ہیں باقیوں کو قتل کیا گیا۔ یہ اعداد وشمار نا قابلِ تردید ہیں۔ دوسری طرف بیس فوجی جو ہم نے قیدی بنائے تھے یہاں پیش کیے گئے اور انہوں نے خود اعلان کیا کہ انہیں ہماری طرف سے ایک کو توہین آمیز لفظ تک نہ ملا۔ تیس فوجی جو زخمی تھے، بہت سے گلی کی لڑائی میں، بھی آپ کے سامنے پیش ہوئے۔ ایک کو بھی ہماری طرف سے قتل نہ کیا گیا۔ اگر آرمی کو 19 اموات اور 30 زخمیوں کا نقصان ہوا تو یہ کیسے ممکن ہے کہ ہمارے 80 آدمی مرے ہوں اور محض پانچ زخمی ہوں؟ کسی نے بھی آج تک 21 اموات اور کوئی زخمی نہیں والی کوئی لڑائی دیکھی ہے، جو اِن مشہور لڑائیوں میں پیریز چاؤمونٹ نے بیان کی ہیں؟۔

ہمارے پاس یہاں 1895 کی جنگ میں حملہ آور دستوں کو تلخ لڑائی میں ہونے والی اموات کی لسٹ موجود ہے، دونوں لڑائیوں کی، وہ بھی جس میں کیوبائی فوج کو شکست ہوئی اور وہ بھی جس میں یہ فتح مند ہوئی۔ لاس والاس میں لاس انڈیوس کی لڑائی: بارہ زخمی کوئی ہلاک نہیں۔ مال ٹیپو کی لڑائی: 4 ہلاک 23 زخمی۔ کیلی میٹ :16 ہلاک 64 زخمی۔ لا یا لما: 39 ہلاک 88 زخمی۔ کاکارا جیکارا: 5 ہلاک 13 زخمی۔ ڈیسکا نسو: 4 ہلاک 45 زخمی۔ سان گیبریئل ڈی مبیلو :2 ہلاک، 18

زخمی۔۔۔ ان ساری لڑائیوں میں زخمیوں کی تعداد ہلاک شدگان کے مقابلے دوگنی، تگنی سے لے کر دس گنا تک زیادہ ہے، حالانکہ اُن دنوں کوئی ایسے جدید میڈیکل طریقے موجود نہ تھے جن سے اموات کی شرح فیصد کم کردی جاتی۔ تو پھر کس طرح ہم ایک زخمی آدمی پر سولہ اموات کے بہت بڑے تناسب کی وضاحت کر سکیں گے ماسوائے اس تشریح کے کہ ہسپتالوں کے اندر ہی زخمیوں کو سرکار کی طرف سے تہہ تیغ کیا گیا، اور دیگر بے یارو مددگار قیدیوں کے قتل کرنے کے اعداد وشمار نا قابل تردید ہیں۔

''آرمی کے لیے یہ شرمناک اور بے توقیری ہے کہ اس نے لڑائی کے اندر باغیوں کی بہ نسبت اپنے تین گنا زیادہ آدمی مروا دیئے''؛ تو ہمیں ہر مرے ہوئے سپاہی پر دس قیدی قتل کرنے چاہییں''۔ یہ ہے وقار کا تصور جو چھوٹے سے دفعدار رکھتے ہیں جو 10 مارچ کو جنرل بن گئے۔ یہ ہے وہ کوڈ آف آنر جسے وہ قومی فوج پر لاگو کرنا چاہتے ہیں۔ ایک جُھوٹا وقار، ایک مکار وقار، دروغوں فریبوں اور جرم پر مبنی ظاہری وقار؛ وقار کا نقاب جو اُن قاتلوں نے خون سے بھگو کر تیار کیا ہوا ہے ۔کس نے انہیں بتایا کہ لڑتے ہوئے مرجانا بے وقاری ہے؟ کس نے انہیں بتایا کہ ایک فوج کا وقار زخمیوں اور قیدیوں کو قتل کرنے میں ہوتا ہے؟۔

جنگ کے زمانے میں جس فوج نے جنگی قیدیوں کو قتل کیا اس نے پوری دنیا کی کراہت اور توہین حاصل کی۔ ایسی بزدلی کا کوئی جواز نہیں ہوتا حتیٰ کہ ایک ایسے معاملے میں بھی جہاں قومی علاقے پر ایک غیر ملکی فوج حملہ کردے۔ ایک جنوبی امریکی آزادی دہندہ کے بقول: سخت ترین ملٹری تابعداری بھی ایک سپاہی کی تلوار کو ایک جلاد کی تلوار میں نہیں بدل سکتا''۔ باوقار سپاہی لڑائی کے بعد بے یارومددگار جنگی قیدی کو قتل نہیں کرتا بلکہ اس کی عزت کرتا ہے۔ وہ ایک زخمی شخص کو ختم نہیں کرتا، بلکہ الٹا اُس کی مدد کرتا ہے۔ وہ جرم کے راستے پر کھڑا ہوتا ہے، اور اگر وہ اُسے روک نہیں سکتا تو وہ اُس طرح کرتا ہے جس طرح سپین کے اُس کیپٹن نے کیا تھا جس نے فائرنگ سکواڈ کی اُس فائرنگ کی آواز سن کر جو کیوبا کے سٹوڈنٹس کو قتل کر رہی تھی، برہمی سے اپنی تلوار کو دو حصوں میں توڑ ڈالا اور اُس فوج میں مزید کام کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

جن سپاہیوں نے اپنے قیدیوں کو قتل کیا وہ اُن سپاہیوں کے لائق نہ تھے جو مر گئے۔ میں نے بہت سارے سپاہی جرات سے لڑتے دیکھے۔۔۔ مثال کے طور پر گشت کے اندر وہ سپاہی جنہوں نے اپنی مشین گنیں تقریباً تقریباً دو بدو لڑائی میں ہم پہ چلائی تھیں۔ یا وہ سرجنٹ جس نے موت کا مقابلہ کرتے ہوئے بیرکوں کو حرکت میں لانے کے لیے الارم بجایا تھا۔ اُن میں سے کچھ زندہ ہیں۔ میں خوش ہوں۔ دوسرے مر گئے۔ انہیں یقین تھا کہ وہ اپنی ڈیوٹی کر رہے تھے اور میری نظر میں یہ بات انہیں عزت اور تعریف کے قابل بناتی ہے۔ میں تو صرف اس حقیقت پر افسوس کرتا ہوں کہ بہادروں کو ایک شیطانی کاز کے لیے مرنا پڑتا ہے۔ جب کیوبا کو آزاد کیا جائے گا، تو ہم اُن بہادر سپاہیوں کے بیوی بچوں کو عزت دیں گے۔ انہیں جائے پناہ دیں گے اور امداد دیں گے جو ہمارے خلاف لڑتے ہوئے ختم ہوئے۔ کیوبا کے آلام کے لیے انہیں الزام نہیں دیا جاتا۔ وہ ابھی اس فاسد صورتحال کے شکار ہیں۔

مگر اُن سپاہیوں نے کیا وقار حاصل کیا جو اُس جنگ میں مر گئے۔ وہ جنرل ہار گئے جنہوں نے اُن قیدیوں کو قتل کرنے کا حکم دیا جب وہ ہتھیار ڈال چکے تھے۔ وہ لوگ جو راتوں رات جنرل بن گئے، ایک بھی گولی چلائے بغیر، وہ لوگ جنہوں نے اپنے ملک کے خلاف غداری کر کے پیسہ بنالیا، وہ لوگ جنہوں نے ایسی لڑائیوں میں قیدی بنائے گئے لوگوں کو قتل کرنے کے احکامات دیے جن میں کہ وہ خود شامل تک نہ ہوئے: یہ ہیں دس مارچ کے جنرل۔ ایسے جنرل جو انتونیو ماسیو کی فوج کا سامان اٹھانے والے خچروں کو ہانکنے کے بھی اہل نہ تھے۔ آرمی نے ہماری نسبت تین گنا اموات کا نقصان اٹھایا۔ ایسا اس لیے ہوا کہ ہمارے لوگ ماہرانہ انداز میں تربیت یافتہ تھے۔ یہ بات خود آرمی کے لوگوں نے تسلیم کی۔ اور اس لیے بھی ہوا کہ ہم نے مناسب ٹیکٹکل اقدامات تیار کیے تھے، یہ بھی ایسی حقیقت تھی جس کو فوج نے تسلیم کیا۔ آرمی نے عمدہ انداز میں کارکردگی نہ دی۔ اس کے باوجود کہ ملٹری انٹیلیجنس ایجنسی نے جاسوسی پر ملینوں خرچ کیے، ان پر ہم نے حیرت میں حملہ کر دیا۔ اور اُن کے ہینڈ گرنیڈ پھٹنے میں کامیاب نہیں ہوئے اس لیے کہ وہ فرسودہ تھے۔ اور آرمی اس سب کا ذمہ دار مارٹن ڈیاز تمایو جیسے جرنیلوں اور اگالڈے کا ریلو اور البرٹ ڈیل رایو شاویانو جیسے

کرنلوں کو قرار دیتی ہے۔ ہم آرمی کی صفوں میں گھسنے والے 17 غدار نہ تھے جس طرح کہ دس مارچ کو ہوا تھا۔ اس کے برعکس ہم 165 لوگ تھے جو کیوبا کے دور دراز سے بہادری کے ساتھ موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھنے آئے تھے۔ اگر آرمی لیڈرز کے پاس اصل ملٹری وقار کا ایک نظریہ ہوتا تو وہ اپنے کمانڈز سے استعفے دے دیتے نہ کہ اپنے شرم اور نااہلی کو اپنے جنگی قیدیوں کے خون میں دھونے کی کوشش کرتے۔

نہتے قیدیوں کو قتل کر دینا اور پھر یہ اعلان کرنا کہ وہ لڑائی کے دوران مارے گئے: یہ ہے دس مارچ کے جنرلوں کی فوجی صلاحیت۔ یہ ہماری جنگِ آزادی کے ظالم ترین سالوں میں ولّیریانو ویلر کے بدترین قصائیوں کا طریقہ تھا۔ جنگ کے روزنامچوں میں یہ کہانی شامل ہے: 23 فروری کو افسر بلّدومیرو آکوسٹا گھڑ سوار دستوں کے کچھ لوگوں کے ساتھ پونٹا براوا میں داخل ہوا جب مخالف سڑک سے ''پزارو'' رجمنٹ کا ایک دستہ ایک سارجنٹ کی قیادت میں قریب آیا جسے اُن علاقوں میں ''بری گلا'' (برتن پیٹ) کہتے تھے۔ باغیوں نے پزارو کے لوگوں سے کچھ فائرنگ کا تبادلہ کیا، پھر اُس پگڈنڈی سے پسپا ہوئے جو کہ پونٹا براوا سے گوٹاؤ کے گاؤں تک جاتی ہے۔ پزارو کے 50 افراد کے دستے نے گوٹاؤ پر مارچ کیا، اُن کے پیچھے پیچھے ماریانو سے رضا کاروں کا ایک اور بٹالین، ''پبلک آرڈر کور'' سے فوجیوں کی ایک کمپنی آ رہی تھی جس کی قیادت کپٹن کالّو کر رہا تھا۔۔۔ جونہی اُن کے اولین سپاہی گاؤں میں داخل ہوئے تو انہوں نے قتل عام کرنا شروع کر دیا۔ انہوں نے بارہ پر امن باشندے مار ڈالے۔ کیپٹن کالود کی قیادت والے دستے نے اُن سارے سویلینوں کو تیزی سے گرفتار کیا جو گاؤں سے بھاگ رہے تھے۔ اُن کو باندھا اور انہیں جنگی قیدی کے بطور ہوانا لے گئے۔ ان کا غصہ پھر بھی ٹھنڈا نہ ہوا، انہوں نے گوٹاؤ کے آس پاس ایک اور بربریت والا ایکشن کیا۔ انہوں نے ایک قیدی کو قتل کر دیا اور باقیوں کو بری طرح زخمی کر دیا۔ ایک بزدل سپاہی مارکوئیز آف سرویرا نے ہسپینی سپاہیوں کی جنگی رقص میں فتح کی اطلاع ویلر کو دی۔ مگر ایک اصول پرست شخص میجر زوگاستی نے حکومت کے اس واقعہ کو برا کہا گیا اور سرکاری طور پر مجرم کیپٹن کالووا اور سرجنٹ باری گلا کی طرف ارتکاب شدہ قتلوں کو پرامن شہریوں کا قتل کہا۔

''اس دہشتناک واقعہ میں ویلر کی مداخلت اوراس قتل عام کی تفصیل جاننے پر اس کی خوشی اسی سرکاری مراسلے سے شاید ظاہری طور پر معلوم ہو جو اُس نے ان ظالمانہ کارروائیوں سے متعلق وزارت جنگ کو بھیجی۔'' کپٹن کالوو کی قیادت میں رضاکاروں کے دستوں سے کمانڈر ماریانو کے منظّم کردہ چھوٹے کالم نے پوٹابراوا کے قریب ولاّ نواوا' اور، باللدو میرو آ کوستا کے گروہوں کو لڑکر تباہ کردیا۔ان کے بیس آدمی مار ڈالے جن کو دفن کرنے کے لیے گوئٹاؤ کے میئر کے حوالے کردیا، اور ان کے پندرہ آدمی قیدی بنالیے جن میں ایک زخمی تھا۔ ہمارا خیال ہے کہ اُن میں کافی زخمی ہیں۔ ہماری طرف سے ایک شدید زخمی ہوا، اور کچھ کو معمولی زخم اور خراشیں آئیں۔ ویلر''۔

ویلر کے مراسلے اور میجر پیریز چاؤمونٹ کی فتوحات والے کرنل شاویانو کے مراسلے میں کیا فرق ہے؟ ۔صرف یہ کہ ویلر اپنی صفوں سے ایک زخمی سپاہی کا ذکر کرتا ہے، اور شاویانو، دو کا۔ ویلر دشمن کی صف میں ایک زخمی اور پندرہ قیدیوں کی بات کرتا ہے۔ شاویانو نہ کوئی زخمی بتاتا ہے اور نہ کوئی قیدی۔

بالکل جس طرح کہ میں اُن سپاہیوں کی بہادری کی تعریف کرتا ہوں جو بہادری سے مرے، اسی طرح میں اُن افسروں کی بھی تعریف کرتا ہوں جنہوں نے خود کو وقار میں رکھا اور اس خون میں اپنے ہاتھ نہ رنگے۔زندہ بچنے والے کئی لوگ اپنی زندگیوں کو لفٹنٹ ساریا، لیفٹنٹ کامپا، کپٹن تمایو، اور ان جیسے دیگر افسروں کے قابل تعریف رویے کا مرہونِ منت سمجھتے ہیں، جو کہ جنگی قیدیوں کے ساتھ اپنے سلوک میں سچے جنٹلمین تھے۔اگر ان جیسے لوگوں نے مسلح افواج کے نام کو جزوی طور پر نہ بچایا ہوتا تو آج آرمی یونیفارم کے بجائے ایک نیم برہنہ لباس پہننا زیادہ باعزت سمجھا جاتا۔

میں اپنے مرے ہوئے کامریڈوں کے لیے کسی انتقام کا دعویٰ نہیں کرتا۔چونکہ ان کی زندگیاں انمول تھیں، قاتل اُن کی ادائیگی نہ کرسکیں گے حتیٰ کہ اپنی زندگیوں سے بھی۔ ہم ان لوگوں کی زندگیاں خون سے واپس نہیں لاسکیں گے جو اپنے ملک کے لیے مرے۔اُن کی قوم کی خوشی اُن کے شایانِ شان واحد خراج ہے۔مزید برآں میرے کامریڈ نہ مرے ہیں اور نہ فراموش کیے جاچکے

ہیں۔وہ زندہ ہیں، آج ہمیشہ سے زیادہ زندہ ہیں۔اوراُن کے قاتل خوفزدگی میں اُن کی لاشوں سے اُن کے نظریات کا فاتحانہ جذبہ دیکھیں گے۔ہمارے استاد (مارٹی) وکیل کو میرے لیے بولنے دیں: آنسوؤں کی ایک حد ہوتی ہے جو ہم مرنے والے کی قبر کے قریب بہا سکتے ہیں۔ وہ حد مادرِ وطن اور اس کی شان کے لیے بے پایاں محبت ہے۔ایک ایسی محبت جو کبھی ہچکچاتی نہیں، امید ترک نہیں کرتی اور نہ ہی مدہم پڑسکتی ہے۔اس لیے کہ شہیدوں کی قبریں ہمارے احترام کے بلند ترین الطار ہیں''۔

---- جب کوئی مرتا ہے
ایک پسندیدہ ملک کی بانہوں میں
کرب ختم ہوجاتا ہے، جیل کی زنجیریں ٹوٹ جاتی ہیں۔
بالآخر، موت سے، زندگی شروع ہوتی ہے۔

یہاں تک میں نے خود کو مکمل طور پر متعلقہ واقعات تک محدود رکھا ہے۔ چونکہ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ میں ایک عدالت کے سامنے ہوں جو میرا فیصلہ کرنے کے لیے منعقد ہوئی ہے۔ اب میں بیان کروں گا کہ سارا لیگل حق صرف ایک طرف تھا، اور یہ کہ میرے کامریڈز کے خلاف ہر مسلط کردہ فیصلے (وہی فیصلہ اب میرے خلاف مانگا جارہا ہے) کی دلیل، سماجی اخلاقیات، اور سچے انصاف کے لحاظ سے کوئی جواز نہیں ہے۔

میری خواہش ہے کہ معزز ججوں کے لیے حسبِ ضابطہ مودب رہوں، اور میں شکرگزار ہوں کہ آپ میری درخواست کی بے تکلفی کے اندر اپنے خلاف کوئی دشمنی نہیں دیکھ رہے۔ میری دلیل کا مطلب محض یہ بیان کرنا ہے کہ موجودہ صورتحال میں جوڈیشل اختیار نے کتنی غلط اور نقلی پوزیشن اختیار کی ہے۔ایک حدتک ایک عدالت، نظام کے پہیے کے ایک دندانے سے زیادہ کچھ نہیں ہے، اور لہٰذا وہ اس بہاؤ کے ساتھ چلے گی جو پیسے نے مقرر کی ہے، گوکہ یہ کسی صورت بھی کسی فرد کو اُس کے اصولوں کے خلاف عمل کرنے کو جائز قرار نہیں دیتی۔ میں بہت اچھی طرح جانتا ہوں کہ سب سے زیادہ الزام طبقہ امرا کی حکومت پر ہے۔طبقہ امرا کی حکومت جو ایک باوقار احتجاج کے بغیر ہے، زبردستی قبضہ کرنے والے آمر کے اشاروں پر ذلت کے ساتھ جھکی ہوئی ہے اور جوڈیشل پاور کی

خودمختاری کو ترک کر کے اپنے ملک سے غداری کر چکی ہے۔مقدس استثنا رکھنے والے لوگوں نے اپنے انفرادی فیصلوں سے نظام کی دھجیاں بکھرے وقار کو مرمت کرنے کی کوشش کی ہے مگر اس اقلیت کا یہ عمل بہت کم نتائج کا حامل رہا تھا، اس لیے کہ وہ چاپلوس اور دم ہلاتی اکثریت کے نیچے ڈبو دیے گئے۔مگر یہ جبریت مجھے اس سچ کے بولنے سے نہیں روکے گی جو میرے کاز کی مدد کرے گا۔اس عدالت کے سامنے میری حاضری من مانے فیصلوں کو آئینیت کی ایک مشابہت دینے کی خاطر ایک خالص مزاحیہ ناٹک ہو سکتی ہے، مگر میں اُس بدنام نقاب کو مضبوط ہاتھوں سے پھاڑ پھینکنے میں مصمم ہوں جو اس قدر شرمناکی کو چھپاتا ہے۔ یہ عجیب ہے کہ جو لوگ میرا فیصلہ کرانے اور سزا دلانے کے لیے مجھے یہاں لائے ہیں انہوں نے خود کبھی اس عدالت کے ایک فیصلے کا بھی لحاظ نہ رکھا۔ چونکہ یہ مقدمہ، جیسا کہ آپ نے کہا، جب سے ہم نے اپنی قومی آزادی حاصل کی اُس وقت سے لے کر اب تک کا سب سے اہم مقدمہ ہے، اس لیے جو کچھ میں یہاں کہوں گا شاید اُس خاموشی میں گم ہو جائے جو ڈکٹیٹرشپ نے مجھ پر مسلط کرنے کی کوشش کی، مگر آئندہ نسل ہمیشہ آنکھیں اُسی پہ ٹکائے گی جو کچھ آپ یہاں کریں گے۔

یاد رکھیے آج آپ ایک ملزم کا فیصلہ کر رہے ہیں لیکن خود آپ کا صرف ایک بار فیصلہ نہیں ہوگا بلکہ کئی بار ہوگا۔اس لیے نہیں کہ یہ الفاظ میرے ہونٹوں سے آتے ہیں بلکہ اس لیے کہ انصاف کا معاملہ ازلی ابدی ہے اور عوام گہرا احساس رکھتے ہیں، عوام قانونی موشگافیوں سے بلند انصاف کا ایک عدم سادہ مگر سنگدل استدلال اپنے قبضے میں رکھتے ہیں، ان سب باتوں کے ساتھ تصادم میں جو کچھ کہ نامعقول اور متضاد ہیں۔مزید برآں اگر دنیا میں کوئی عوام ایسے ہیں جو جانبداری اور عدم مساوات سے بری طرح نفرت کرتے ہوں تو وہ کیوبائی عوام ہیں۔اُن کے لیے انصاف ایک پاک دوشیزہ سے مشابہت رکھتا ہے جس کے ایک ہاتھ میں ترازو اور دوسرے میں تلوار ہے۔ انصاف اگر ایک گروہ سے خائف ہو کر ترازو پھینک دے اور دوسرے گروہ پر غصہ سے تلوار بے دھڑک چلانے لگے تو پھر عوام کی نظر میں وہ انصاف کی دیوی نہیں، ایک خنجر بردار رنڈی ہے۔میری دلیل عوام کی سادہ دلیل ہے۔

آیئے میں آپ کو ایک کہانی سناتا ہوں: ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک ریپبلک ہوا کرتا تھا۔ اُس کا ایک آئین ہوتا تھا، اُس کے قوانین، اُس کی آزادیاں ہوتی تھیں۔ایک صدر، ایک کانگرس اور عدالتیں ہوا کرتی تھیں۔ ہر شخص آزادی سے اجتماع منعقد کر سکتا تھا، ایسوسی ایٹ ہو سکتا تھا، بول سکتا تھا، اور لکھ سکتا تھا۔عوام اُس زمانے کے حکومتی اہلکاروں سے مطمئن نہ تھے اس لیے کہ ان کے پاس نئے اہلکار منتخب کرنے کا اختیار موجود تھا اور جب چند روز رہتے تھے تو وہ دوسرے منتخب کرتے تھے۔عوامی رائے کو احترام تھی۔ اور توجہ اور مشترکہ دلچسپی کے سارے مسائل پر آزادی سے بحث کی جاتی تھی۔ وہاں سیاسی پارٹیاں تھیں۔ ریڈیو اور ٹی وی پر بحثیں ہوتی تھیں اور وہ فورم اور جلسہ عام کرتے تھے۔ساری قوم جوش سے بھری ہوا کرتی تھی۔ گو کہ عوام نے بہت دکھ اٹھائے تھے اور وہ ناخوش تھے، مگر وہ خوش ہونے کی آرزو کرتے تھے اور خوش ہونے کا حق رکھتے تھے۔عوام کو کئی بار دھوکہ دیا گیا اور وہ ماضی کو اصلی دہشت سے دیکھتے تھے۔ یہ ملک معصومانہ انداز میں یقین رکھتا تھا کہ اس طرح کا ایک ماضی اب دوبارہ لایا نہیں جا سکتا۔لوگ آزادی کے لیے اپنی محبت پر فخر کرتے تھے، اور وہ اس ایقان پر اپنے سر بلند رکھتے تھے کہ لبرٹی کی بطور ایک پاک حق کے عزت کی جائے گی۔ وہ اطمینان محسوس کرتے تھے کہ کوئی بھی اُن کے جمہوری اداروں کی خلاف ورزی کرنے کا جرم کرنے کی جرات نہ کر سکے گا۔ وہ بہتر کے لیے ایک تبدیلی چاہتے تھے، پراگرس کرنے کی تمنا رکھتے تھے؛ اور وہ یہ سب کچھ دسترس میں دیکھتے تھے۔ان کی ساری امید مستقبل میں تھی۔

بے چارہ ملک !۔ایک صبح شہری ٹوٹی ہوئی ہمت سے جاگے۔رات کی آڑ میں جبکہ لوگ سو رہے تھے، ماضی کے بھوتوں نے سازش کی تھی اور غیر فوجی کو ہاتھوں، پیروں اور گردن سے پکڑا۔وہ دبوچ، اور پنجے جانے پہچانے تھے؛ وہ جبڑے، وہ موت، وہ بوٹ۔نہیں۔ یہ برا خواب نہ تھا بلکہ ایک غمناک اور خوفناک حقیقت تھی۔بتستا نامی ایک شخص نے اس ڈراؤنے جرم کا ارتکاب کیا جس کی کسی شخص کو توقع نہ تھی۔

اس قوم کے ایک خاکسار شہری نے، ایک شہری جس نے ریپبلک کے قوانین پر یقین رکھنے کی خواہش کی تھی، اُس کے ججوں کی راست بازی کی خواہش کی تھی جن کو اس نے حق نایافتہ

لوگوں کے خلاف اپنا غصہ نکالنے کا راستہ نکالتے دیکھا تھا، یہ دیکھنے کو سوشل ڈیفنس کوڈ کو تلاش کرتے ہوئے، کہ اس طرح کے ایک کودتا کے مصنف کو سماج نے کیا سزا سنائی تھی، اور اس نے مندرجہ ذیل بات دریافت کیا:

”جو کوئی بھی ڈائریکٹ تشدد کے طریقوں سے ریاست کے آئین کو مکمل یا جزوی طور پر تبدیل کرنے یا جاری حکومت کے طرز کو تبدیل کرنے کی طرف کسی مہم کا ارتکاب کرے گا، تو اس کو چھ سے دس برس کی سزا بھگتنی ہوگی۔

”ریاست کے آئینی اختیارات کے خلاف ایک مسلح بغاوت بھڑکانے کی طرف ایک عمل کے مصنف کو تین سے دس سال کی سزا ہوگی۔ اگر وہ بغاوت کر دی جائے تو پانچ سے بیس برس کی قید ہوگی۔ جو کوئی بھی سینٹ، ایوانِ نمائندگان، صدر، یا سپریم کورٹ کو اپنے آئینی امور سرانجام دینے سے مکمل یا جزوی طور پر، حتیٰ کہ عارضی طور پر بھی روکنے کے خاص مقصد کے لیے عمل کا ارتکاب کرے، اسے چھ سے دس سال کی سزا ہوگی۔

”جو کوئی بھی عام انتخابات کے نارمل راستے میں رکاوٹ یا اس میں دست اندازی کرنے کی کوشش کرے گا اُسے چار سے آٹھ سال کی قید ہوگی۔“

”جو کوئی بھی موجود قوانین کی عدم تابعداری کو فروغ دینے کے لیے کچھ چھاپے گا، پھیلائے گا، یا کیوبا کے اندر ہدایات، احکامات یا فرمان لاگو کرنے کی کوشش کرے گا، اُسے دو سے چھ سال کی قید ہوگی۔“

جو شخص فوجوں، مورچوں، قلعوں، ملٹری کیمپوں، شہروں، جنگی بحری جہازوں یا فوجی ہوائی جہازوں پر بغیر اتھارٹی کے، یا بغیر حکومت کے احکامات کے، کمانڈ اختیار کرے گا اسے پانچ سے دس برس کی قید ہوگی۔

”اسی طرح کی سزا اُس شخص پہ بھی ہوگی جو کسی ایسے فریضے کی انجام دہی پر قبضہ کرے گا جو آئین نے ریاست کے اختیارات کو قرار دے رکھا ہو“۔

وہ شہری کسی کو بتائے بغیر، ایک ہاتھ میں مجموعہِ قوانین لیے ہوئے اور دوسرے میں ایک

گواہی لیے ہوئے پرانے شہر کی عمارت چلا گیا۔ اس پرانی عمارت کو جس میں وہ عدالت موجود ہے جو اُن لوگوں کو سزا دینے کا اختیار رکھتی ہے اور پابند ہے جو اس کرتوت کے لیے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ اُس نے ایک رِٹ داخل کی جس میں اُس نے ان جرائم کی مذمت کی اور یہ مطالبہ کیا کہ بتستا اور اس کے سترہ شرکا کو ”سوشل ڈیفنس کوڈ“ کی رو سے 108 سال جیل کی سزا دی جائے: ثانوی جرم غداری کے شدید ہوتے حالات، اور رات کی تاریکی میں اقدام کرنے پر بھی غور کیا جائے۔

دن اور مہینے گزر گئے۔ مایوسی کی بات ہے۔ ملزم اسی طرح بغیر مزاحمت کے ہے: وہ ملک میں ایک عظیم لارڈ کی طرح ادھر اُدھر پھرتا رہا ہے اور ”محترم“ جناب، اور، جنرل“ کہلاتا رہا ہے: اس نے اپنی مرضی سے ججوں کو بھی نکالو اور تبدیل کر دیا۔ جس دن کورٹ کھلا اُسی دن مجرم نے ہمارے محترم اور واجب التعظیم انصاف کے بزرگوں کے بیچ میں اعزاز کی کرسی سنبھالی۔

ایک بار پھر دن اور ماہ گزرتے گئے، عوام تضحیک اور بدسلوکی سے بیزار۔ برداشت کی ایک حد ہوتی ہے۔ بالآخر اُس آدمی کے خلاف جدوجہد شروع ہوگئی جو قانون کی بے عزتی کر رہا تھا، جس نے عوام کی مرضی کے بغیر تشدد کا استعمال کر کے اقتدار پر قبضہ کیا تھا، جو جاری نظم و نسق کے خلاف جارحیت کرنے کا قصوروار تھا، جس نے اُن لوگوں کو ٹارچر، قتل، قید اور تشدد کیا تھا جنہوں نے قانون کی حفاظت اور عوام کی آزادی بحال کرنے کی جدوجہد کو شروع کیا تھا۔

معزز ججو! میں وہ خاکسار شہری ہوں جس نے ایک روز یہ لاحاصل مطالبہ کیا تھا کہ عدالتیں اقتدار کے بھوکوں کو سزا دیں جنہوں نے قانون کی خلاف ورزی کی تھی اور ہمارے اداروں کی دھجیاں بکھیر دی تھیں۔ اب میں ہی ہوں جس پر اس غیر قانونی رجیم کا تختہ الٹنے اور ریپبلک کے قانونی آئین کو بحال کرنے کی کوشش کرنے کا الزام ہے۔ مجھے 76 دن تک قید تنہائی میں رکھا گیا ہے اور بات کرنے کے حق سے محروم کر دیا گیا ہے، حتیٰ کہ اپنے بیٹے کے ساتھ بھی۔ میں سنجیدگی سے دو بھاری مشین گنوں کے درمیان شہر میں سے ہانکا جاتا ہوں۔ عظیم ترین سختی کے ساتھ خفیہ عدالت لگانے کے لیے مجھے یہاں اس ہسپتال منتقل کیا گیا ہے۔ اور پراسیکیوٹر ہاتھ میں کوڈ لیے سنجیدگی سے مطالبہ کرتا ہے کہ مجھے 26 سال قید کی سزا دی جائے۔ آپ جواب دیں گے کہ پچھلے موقعے پر

عدالتیں عمل کرنے میں ناکام ہوئیں اس لیے کہ طاقت نے انہیں ایسا کرنے نہ دیا تھا۔ اچھا پھر، اعتراف کرلیں کہ اس بار طاقت آپ کو مجھے سزا دینے پر مجبور کرے گی۔ پہلی بار آپ مجرم کو سزا دینے کے قابل نہ تھے؛ اس بار آپ معصوم کو سزا دینے پر مجبور کیے جائیں گے۔ عدالت کی رنڈی دوبار ریپ ہوئی۔

اور اتنی زیادہ بخششیں جائز قرار دینے پر، بیان نہ کیے جاسکنے والے کو بیان کرنے کے لیے اور ناقابلِ مصالحت کی مصالحت کو کرنے کے لیے! رجیم اس بات پر زور دینے کے نکتے تک پہنچ چکی ہے کہ: ''جس کی لاٹھی اُس کی بھینس'' ہی ملک کا سپریم قانون ہے۔ بالفاظِ دیگر، صدارتی محل' قومی خزانہ، اور دیگر سرکاری دفاتر پر قبضہ کرنے کے لیے، اور لوگوں کے عین دلوں پر بندوقیں تان لینا 'ٹینک اور سپاہ کا استعمال انہیں عوام پر حکمرانی کرنے کا حق دیتا ہے!۔ یہی دلیل نازیوں نے استعمال کی تھی جب انہوں نے یورپ کے ملکوں پر قبضہ کیا تھا اور اپنی کٹھ پتلی حکومتیں قائم کی تھیں۔

میں دل سے یقین رکھتا ہوں کہ انقلاب قانونی حق کا سرچشمہ ہے؛ مگر دس مارچ کے شبینہ مسلح حملے کو کبھی بھی ایک انقلاب قرار نہیں دیا جاسکتا۔ ہر زبان میں، جس طرح کہ جوزی انجینیر وز نے کہا، یہ عام ہے کہ غیر مطمئن لوگوں کے ایک گروپ کی طرف سے اُن لوگوں سے جو اقتدار میں ہیں، سیاسی کام کی نوکری اور معاشی مفادات دونوں چھین لینے کی غرض سے کی گئی چھوٹی بدنظمی کو انقلاب کا نام دیا جاتا ہے۔ عمومی نتیجہ نوکریوں اور مفادات کو تقسیم کرنے والے ہاتھوں کی تبدیلی سے زیادہ کچھ نہیں نکلتا۔ یہ ایک فلاسفر کی جانچ کا معیار نہیں ہے اور نہ ہی کسی مہذب شخص کا۔

سماجی نظام میں مربوط تبدیلیوں کے مسئلے کو تو چھوڑیئے، حتیٰ کہ عوامی دلدل کی سطح پر بھی ہم معمولی ترین حرکت بھی نہ دیکھ سکے جو بے تحاشا سڑاند کو ذرا سا کم کرسکے۔ سابقہ رجیم حقیر سیاست، چوری، لوٹ کھسوٹ اور انسانی زندگی کے عدم احترام کی مجرم تھی؛ مگر موجودہ رجیم نے سیاسی کمینگی والی بددیانتی کو پانچ گنا بڑھا دیا، لوٹ کھسوٹ کو دس گنا، اور انسانی زندگی کے لیے احترام کی کمی کو سو گنا۔

بتستا رجیم نے عوامی بہبود کا ایک بھی ملک گیر پروگرام نہیں چلایا۔ بتستا نے خود کو بڑے

مالیاتی مفادات کے ہاتھ میں دیدیا۔ اُس جیسی ذہنیت والے آدمی سے کچھ اور توقع کی بھی نہیں جاسکتی، جو اُس کی طرح آئیڈیاز اور اصولوں سے محروم ہو، اور عوام الناس کے اعتبار، اعتماد اور حمایت سے محروم ہو۔ اس کی رجیم اپنے ساتھ محض ہاتھوں کی ایک تبدیلی اور دوستوں رشتہ داروں، جرم کے معاونوں اور جونکیانہ طفیلیوں کے ایک نئے گروپ کے بیچ لوٹ کی از سر نو تقسیم لائی جو اس ڈکٹیٹر کے سیاسی نوکر چاکر کو تشکیل کرتی ہے۔ عوام کو کس قدر عظیم شرم سہنے پر مجبور کیا گیا ہے تاکہ اپنے مادر وطن کی ضروریات سے بالکل لاتعلق خود پسندوں کا ایک چھوٹا گروہ پبلک لائف میں ایک آسان اور آرام دہ طرزِ زندگی پاسکے۔

ایڈوارڈو چیباس اپنی آخری ریڈیو تقریر میں کتنا صحیح تھا جب اس نے کہا تھا کہ بتستا کرنل کیسٹر آئل اور بھگوڑے کے قانون کی واپسی کی حوصلہ افزائی کر رہا ہے۔ دس مارچ کے فوراً بعد کیوبائیوں نے دوبارہ تباہی بربادی کے ٹھوس اقدامات دیکھنا شروع کردیے جو اُن کا خیال تھا کہ اُن کی قوم سے ہمیشہ کے لیے ختم ہوچکے تھے۔ ایک ثقافتی ادارے پر ایک بے مثال حملہ ہوا تھا: SIM کے ٹھگوں نے PAU کے نوجوان غنڈوں کے ساتھ ایک ریڈیو سٹیشن پر دھاوا بولا تھا جب وہ ''ہوا کی یونیورسٹی'' پروگرام نشر کر رہا تھا۔ اور جرنلسٹ ماریو کوچیلان کا واقعہ ہوا، اسے آدھی رات کو گھر سے گھسیٹا گیا اور وحشیانہ طور پر اتنا ٹارچر کیا گیا کہ وہ قریب قریب بے ہوش ہونے والا تھا۔ طالب علم روبن کا قتل ہوا اور اس دیوار کے قریب سٹوڈنٹس کے پرامن جلوس پر فائرنگ کی گئی جہاں 1871 میں میڈیکل سٹوڈنٹس کو شوٹ کیا گیا تھا۔ اور بہت سے ایسے واقعات جیسے کہ ڈاکٹر گارشیا باربینا کا واقعہ تھا جہاں کمرہِ عدالت کے اندر آدمی خون تھوک رہے تھے اس لیے کہ ان پر جابر سکیورٹی فورسز نے بربریت والا ٹارچر کیا تھا۔ میں ان سینکڑوں واقعات کو نہیں گنواؤں گا جہاں شہریوں (مردوں، عورتوں، بچوں، بوڑھوں) کے گروہوں کو ڈنڈوں سے بڑی بے رحمی سے پیٹا گیا۔ یہ سب کچھ حتیٰ کہ 26 جولائی سے پہلے کیا جا رہا تھا۔ اس وقت سے جیسا کہ سب جانتے ہیں، حتیٰ کہ خود کارڈینل آرتیاگا کو نہ بخشا گیا۔ ہر شخص جانتا ہے کہ وہ جابر ایجنٹوں کا شکار تھا۔ آفشل سٹوری کے مطابق وہ ''چوروں کے ایک گروہ'' کے ہتھے چڑھا۔ ایک ہی دفعہ رجیم نے سچ بولا۔ یہ رجیم اور کس کام کی ہے؟

عوام نے ابھی دہشت کے ساتھ اس جرنلسٹ کے معاملے پر دیھان دیا ہے جسے اغوا کیا گیا ہے اور جسے بیس دن تک آگ سے ٹارچر کیا گیا۔ ہر نیا واقعہ اَن سنی ڈھٹائی، بے حد منافقت کی شہادتیں سامنے لاتا ہے، اُن لوگوں کی بزدلی کی جو ذمہ داری سے کتراتےہیں اور مستقل طور پر رجیم دشمنوں پر الزام دھرتے ہیں۔حکومتی داؤ پیچ صرف بدترین غنڈہ جتھوں پہ مشتملہو تے ہیں۔ اتنے بزدل تو نازی جرائم پیشہ بھی نہ تھے۔ہٹلر نے 30 جون 1934 کے قتل عام کی ذمہ داری قبول کی تھی، یہ کہہ کر کہ 24 گھنٹے تک وہ خود جرمن سپریم کورٹ تھا؛ اس ڈکٹیٹر شپ کے طفیلی ساتھی ،کمینگی ، کینہ پروری اور بزدلی ، اغوا ، ٹارچر، قتل اور پھر مکروہ انداز میں رجیم کے مخالفوں پر الزام لگا کر سارے موازنہ کوختم کرتا ہے۔ یہ سرجنٹ برَی گاَ کامخصوص ٹیکٹکس ہے!۔

جن سارے کیسز کا میں نے ذکر کیا ہے۔ان میں سے معزز ججوں نے ایک بار بھی ان جرائم کے لیے ذمہ دار ایجنٹوں کو عدالت بلا کر اُن پہ مقدمہ نہ چلایا۔ یہ کیسی بات ہے؟ ۔کیا یہ امنِ عامہ،نظم،اورانسانی زندگی کے لیےعزت کی رجیم نہیں ہونی چاہیے تھی؟۔

یہ ساری بات میں نے اس لیے بیان کی ہے تاکہ اب آپ سے پوچھ سکوں : کیا اس صورتحال کو ایک انقلاب کہا جاسکتا ہے جو قانون تشکیل کرنے اور حقوق بحال کرنے کے قابل ہو؟۔اس رجیم کے خلاف جدجہد کرنا آئینی ہے یانہیں ہے؟۔اور کیا عدالتوں میں یہ بڑے پیمانے کی کرپشن شمار نہ ہوگی جب یہ عدالتیں اُن شہریوں کو جیل بھیجتی ہیں جو ملک کو اس قدر بڑی بدنامی سے نجات دلانے کی کوشش کرتے ہیں؟۔

گویا ایک ظلم اور استبداد میں مبتلا ہے۔ آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ آمروں کے خلاف مزاحمت قانونی ہے۔ یہ عالمگیر طور پر ایک تسلیم شدہ اصول ہے اور ہمارا1940 کا آئین اُسے واضح طور پر ایک مقدس حق بناتا ہے۔اس آئین کے آرٹیکل 40 کا دوسرا پیراگراف کہتا ہے:'' پہلے سے عطا کردہ انفرادی حقوق کی حفاظت کے لیے خاطر خواہ مزاحمت استعمال کرنا قانونی ہے''۔ اگر سرزمین کے سپریم لا میں یہ اختیار نہ بھی دیا ہوتا، تو بھی یہ ایک ایسا معاملہ ہے جس کے بغیر ایک جمہوری اجتماعیت کی موجودگی کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ پروفیسر انفیسٹا ،کانسٹی ٹیوشنل لا پر اپنی

کتاب میں سیاسی اور لیگل آئینوں کے درمیان امتیاز کرتے ہوئے کہتا ہے:

''کبھی کبھی لیگل آئین میں ایسے آئینی اصول شامل ہوتے ہیں جو خواہ زیادہ درجہ بندنہ ہوتے ہوں،صرف عوام کی رضامندی کی بنیاد پر مساوی طور پر واجب ہوں گے۔مثال کے طور پر اکثریت کی حکمرانی کا اصول یا ہماری جمہوریتوں میں نمائندگی کا اصول''۔

جبر کے خلاف بغاوت کا حق اسی طرح کا ایک اصول ہے، اور یہ خواہ لیگل آئین میں شامل ہو یانہیں، یہ ایک جمہوری معاشرے میں ہمیشہ واجب ہوتا ہے۔ایک ہائی کورٹ کے سامنے اس طرح کے ایک کیس کا پیش کرنا عمومی قانون کے سب سے دلچسپ معاملات میں سے ایک ہے۔ڈوگوئٹ نے آئینی قانون پہ اپنی تصنیف میں کہا ہے:'' اگر ایک بغاوت ناکام ہوجائے،تو کوئی عدالت یہ حکم دینے کی جرات بھی نہیں کرے گی کہ یہ ناکام بغاوت ریاست کی سلامتی کے خلاف ٹیکنکلی ایک سازش نہ تھی، حد سے گزرنا نہ تھا،اگر حکومت آمرانہ ہو، تو اس کا تختہ الٹنے کا ارادہ قانونی تھا۔زیادہ وضاحت کے ساتھ،اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی عدالت جرات نہ کرے گی، کہ ایک جبر کے تحت کسی عدالت کے پاس ایسا کرنے کی جرات نہ ہوگی۔ ہاں اگر عدالت بہادر ہے اور اپنی ڈیوٹی کرے،تو پھر، ہاں وہ یہ جرات کرے گی۔

حال میں 1940 کے آئین کے بارے میں ایک بلند آواز تنازعہ ہوا۔'' سماجی اور آئینی حقوق کی عدالت'' نے نام نہاد خاص قانون کے حق میں اُس کے خلاف فیصلہ سنایا۔لیکن پھر بھی، معزز جج، میں اپنی اس بات پہ قائم ہوں کہ 1940 کا آئین ابھی تک لاگو ہے۔ ہوسکتا ہے میرا بیان آپ کو نامعقول اور بے محل لگے۔مگر حیران مت ہوئیے۔ یہ میں ہوں جو حیران ہوں کہ ایک عدالت نے ریپلک کے آئین پہ کاری ضرب لگانے کی کوشش کی ہے۔سختی کے ساتھ حقائق، سچ،اور منطق سے جڑے ہوئے (جس طرح کہ میں ہر وقت کرتا آیا ہوں) میں نے جو کچھ ابھی کہا ہے اسے ثابت کروں گا ۔'' سماجی اور آئینی حقوق کی عدالت'' 1940 کے آئین کے آرٹیکل 174 اور 31 مئی 1949 کے ایک ضمیمے کے تحت قائم کی گئی تھی۔ان قوانین نے جن کی برکت سے عدالت تخلیق کی گئی تھی، جہاں تک غیر آئینیت کے معاملات کا تعلق ہے،اسے ایک خصوصی اور تفصیل

کے ساتھ وضاحت کردہ علاقہ عطا کیا تھا: اُن اپیلوں کے سارے معاملات میں حکمرانی کرنے کا جو قوانین کی غیر آئینیت، لیگل فرمانوں، قراردادوں، یا ایسے اقدامات جو آئینی حقوق اور اختیارات کو انکار، کم، محدود، یا ملاوٹیں کرنے کا مطالبہ کریں۔ آرٹیکل 194 نے بہت واضح طور پر مندرجہ ذیل کو مقرر کیا: ''سارے جج اور عدالتیں ذمہ دار ہیں کہ اُس اصول کی مطابقت میں آئین اور موجود قوانین کے بیچ تضادات کے حل تلاش کریں کہ اول الذکر ہمیشہ ثانی الذکر پر برتر ہوگا''۔ لہٰذا اُن قوانین کے مطابق جنہوں نے اُسے تخلیق کیا، ''سماجی اور آئینی حقوق کے کورٹ'' کو ہمیشہ آئین کے حق میں فیصلے کرنے چاہئیں۔ جب اِس کورٹ نے خاص قانون کو ریپلک کے آئین پر برتر قرار دیا تو یہ اپنے حدود اور اختیارات کی مقررہ حد سے مکمل طور پر باہر نکلی، اور چنانچہ ایک ایسا فیصلہ دے دیا جو آئینی طور پر رد اور منسوخ ہے۔ مزید برآں، فیصلہ خود نامعقول ہے، اور بے ہودگیوں کا نہ تو قانون میں کوئی جواز ہے اور نہ حقیقت میں، حتیٰ کہ ایک غیر مادی نقطہ نظر سے بھی نہیں۔ ایک عدالت خواہ کتنی ہی محترم کیوں نہ ہو وہ یہ بات حق پر نہیں قرار دے سکتی کہ دائرے مربع ہیں، یا اسی بات کو ظاہر کرتے ہوئے، کہ 4 اپریل کے خاص قوانین کی اولاد آدھے تیتر آدھے بٹیر کو ریاست کا آفشل آئین سمجھا جائے۔ آئین کو قوم کا بنیادی اور سپریم لا تصور کیا جاتا ہے، ملک کے سیاسی ڈھانچے، اس کی حکومت کی ایجنسیز کو ریگولیٹ اور باضابطہ بنانے اور ان کی سرگرمیوں کے حدود متعین کرنے کی وضاحت کرنے والا سمجھا جاتا ہے۔ اسے مستحکم، دیرپا، اور ایک حد تک غیر لچکدار ہونا چاہیے۔ خاص قوانین ان خوبیوں میں سے ایک کو بھی پورا نہیں کرتے۔ وہ ان سارے اہم ترین پہلوؤں کے بارے میں ایک دیوہیکل، بے شرم، اور بے شرف تضاد رکھتے ہیں: ریپبلکن ڈھانچے اور قومی سالمیت کے اصولوں کے مرکب۔ آرٹیکل ون کہتا ہے: کیوبا ایک جمہوری ریپلک کے بطور تشکیل شدہ ایک خودمختار اور آزاد ریاست ہے''۔ آرٹیکل 2 کہتا ہے: اقتدار عوام کی رضا میں رہتا ہے، اور سارے اختیارات اسی سرچشمے سے نکلتے ہیں''۔ مگر پھر آرٹیکل 118 آتا ہے جو کہتا ہے: ''صدر کو ایک کابینہ نامزد کرتی ہے''۔ لہٰذا یہ عوام نہیں ہیں جو صدر کو منتخب کریں، بلکہ کابینہ ایسا کرتی ہے، اور کابینہ کو کون منتخب کرتا ہے، آرٹیکل 120 سیکشن 13: ''صدر کابینہ کے ممبروں کو نامزد اور دوبارہ بھرتی کرنے کا اختیار رکھے

گا، اور جب ضرورت پڑی ان کی جگہ پر کسی دوسرے کو تعین کر سکتا ہے''۔ اس طرح، بھلا، کون کس کو نامزد کرتا ہے؟۔ کیا یہ مرغی اور انڈے کا کلاسیکل قدیم مسئلہ نہیں ہے جسے کبھی بھی کوئی حل نہ کر سکا؟

ایک روز اٹھارہ غنڈے اکٹھے ہوئے۔ ان کا منصوبہ ریپلک پر چڑھائی کرنا تھا، اور اس کے 300 ملین پیسو کا سالانہ بجٹ لوٹنا تھا۔ عوام کی پشت کے پیچھے اور بڑی غداری سے وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے۔ وہ حیران تھے کہ ''اب ہم اور کیا کریں؟''۔ ایک نے باقیوں سے کہا: ''تم مجھے وزیر اعظم بنا دو، اور میں تمہیں جنرلز بنا دوں گا''۔ جب ایسا ہوا تو اس نے 20 افراد کا ایک گروپ اکٹھا کیا اور انہیں بتایا: ''تم لوگ مجھے صدر بنا دو، میں تم لوگوں کو اپنی کابینہ بنا دوں گا''۔ یوں انہوں نے ایک دوسرے کو جنرلز، وزرا اور صدر نامزد کیا اور پھر خزانہ اور ریپلک پر قبضہ کر لیا۔

مزید برآں، یہ محض ایک خاص وقت پہ اقتدار پہ قبضہ جمانا ایک کابینہ، جنرلز اور ایک صدر نامزد کرنے کا سادہ معاملہ نہ تھا۔ اس شخص نے ان خاص قوانین کے ذریعے نہ صرف قوم کا حتمی کنٹرول اپنے قبضہ میں لیا بلکہ ہر شہری کی زندگی اور موت کا اختیار بھی......دراصل قوم کے اپنے وجود پہ کنٹرول۔ اس وجہ سے میں یہ بات برقرار رکھتا ہوں کہ ''سماجی اور آئینی حقوق'' نہ صرف غدارانہ، بزدلانہ اور متضاد ہیں بلکہ نامعقول بھی۔

اِن خاص قوانین میں ایک آرٹیکل ہے جس پر زیادہ توجہ نہ دی گئی، مگر وہ ہمیں اس صورتحال میں ایک چابی مہیا کرتا ہے اور اس میں سے ہم فیصلہ کن نتیجے حاصل کر سکتے ہیں۔ میں خصوصاً آرٹیکل 257 میں اُس ترمیم کرنے والے دفعہ کا حوالہ دوں گا جو یوں ہے: کابینہ کے دوتہائی کورم کے ووٹ کے ساتھ اس ''آئینی قانون کی اصلاح کی جا سکتی ہے''۔ یہیں مذاق اپنے عروج تک پہنچتا ہے۔ انہوں نے نہ صرف ایسے عوام پر ایک آئین کو مسلط کرنے کے لیے اقتدار کو استعمال کیا جن عوام سے اُس کی رضامندی نہیں لی گئی، اور اقتدار کے سب ضروری پہلوؤں کو اپنے قبضے میں لے لیا، یعنی ملک کے بنیادی اور سپریم قانون کو تبدیل کرنے کا اختیار۔ اور وہ پہلے ہی دس مارچ سے اسے کئی بار تبدیل کر چکے ہیں۔ پھر بھی وہ بہت بڑی ڈھٹائی کے ساتھ آرٹیکل 2 میں دعوی کرتے ہیں کہ اقتدار عوام کی مرضی میں بود و باش رکھتا ہے اور یہ کہ عوام ساری طاقت کا سرچشمہ ہیں۔ چونکہ یہ تبدیلیاں

کابینہ کی دوتہائی ووٹوں سے لائی جاسکتی ہیں اور کابینہ کوصدر نامزد کرتا ہے،اس لیے کیوبا کو بنانے اور توڑنے کا حق ایک شخص کے پاس ہے، ایک شخص جو، مزید برآں، اس سرزمین پہ پیدا ہونے والی ساری مخلوق سے نالائق ترین ہے۔تو کیا اسے ''سماجی اور آئینی حقوق کی عدالت'' نے قبول کیا تھا؟ اور کیا اس سے جو کچھ نکلتا ہے وہ ضابطہ کے مطابق اور لوکل ہے؟۔ بہت خوب۔آپ دیکھیں گے کہ کیا کچھ تسلیم کیا گیا تھا؛'' کابینہ کے دوتہائی کورم کے ووٹ سے اس آئینی قانون کی اصلاح کی جاسکتی ہے''۔اس طرح کا ایک اختیار کوئی حدیں نہیں مانتا۔اس اختیار کے تحت کوئی بھی آرٹیکل، کوئی بھی چیپٹر، کوئی سیکشن، حتیٰ کہ پورا قانون تبدیل کیا جاسکتا ہے۔مثال کے طور پر آرٹیکل ون کہتا ہے کہ کیوبا ایک آزاد اور خودمختار ریاست ہے جو ایک جمہوری ریپبلک کے بطور مرتب ہے،'' حالانکہ آج در حقیقت ایک خونی ڈکٹیٹرشپ ہے''۔

''قومی سرحدوں میں جزیرہ کیوبا، آئزل آف پائینز، اور پڑوسی علاقے ....شامل ہیں'' ....۔آرٹیکل 257 کے تحت بتستا اور اس کی کابینہ یہ سارے دفعات تبدیل کرسکتی ہے۔وہ کہہ سکتے ہیں کہ کیوبا اب ایک ریپبلک نہیں ہے بلکہ ایک موروثی بادشاہت ہے اور وہ، یعنی بتستا خود کو بادشاہ مقرر کرسکتا ہے۔وہ قومی علاقہ ہمارے جسم سے الگ کرسکتا ہے اور ایک صوبہ کسی خارجی ملک کوفروخت کرسکتا ہے جس طرح نپولین نے لوٹیسیانا کے ساتھ کیا تھا۔وہ حتیٰ کہ زندہ رہنے کا حق بھی معطل کرسکتا ہے، اور ہیروڈ کی طرح نوزائیدوں کی گردنیں کاٹنے کا حکم دے سکتا ہے۔یہ سارے اقدامات قانونی ہوسکتے ہیں اور آپ کو اُن سب کو قید کرنا ہوگا جو اِن اقدامات کی مخالفت کریں، بالکل اسی طرح جس طرح اب آپ میرے ساتھ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔میں نے انتہائی مثالیں اس لیے پیش کیں تاکہ بتاسکوں کہ ہماری موجودہ حالت کس قدر غمناک اور ہتک آمیز ہے۔یہ سمجھنا کہ یہ سارے مطلق اختیارات ایسے لوگوں کے ہاتھ میں ہیں جو واقعی ہمارا ملک مع اس کے سارے شہریوں کے فروخت کرنے کے واقعی اہل ہیں۔

جبکہ ''سماجی اور آئینی حقوق کی عدالت'' نے اس صورتحال کو تسلیم کیا ہے تو وہ اور کس بات کا انتظار کررہے ہیں؟۔وہ بھی اپنے عدالتی چوغوں سے دستبردار ہوسکتے ہیں۔یہ عمومی قانون کا

بنیادی اصول ہے کہ اُس جگہ کوئی آئینی حالت نہیں ہوسکتی جہاں آئینی اور آئین سازی کے اختیارات ایک ہی گروہ کے پاس ہوں۔جب کابینہ قانون، فرمان اور رولز بنائے ....اور یہ یک وقت ایک لمحے کے اندر آئین کو تبدیل کرنے کا اختیار رکھتی ہو............تو پھر میں آپ سے پوچھتا ہوں: ہمیں ''سوشل اور آئینی حقوق'' کی ایک عدالت کی کیا ضرورت ہے؟۔اس ''خصوصی قانون'' کے حق میں فیصلہ غیر منطقی، ناقابل فہم، غیر معقول، اور ریپبلکن قوانین سے متضاد ہے، جسے آپ معزز جج صاحبان نے سربلند رکھنے کی قسم کھا رکھی ہے۔جب ''سوشل اور آئینی حقوق کی عدالت'' نے آئین کے خلاف بتستا کے ''خصوصی قانون'' کی حمایت کی تو ملک کا سپریم قانون ختم نہ ہوا بلکہ ''سوشل اور آئینی حقوق کی عدالت'' نے خود کو آئین کے باہر رکھ دیا۔وہ اپنی خودمختاری سے دستبردار ہوئی، اور لیگل خودکشی کرلی۔خدا اُس کی مغفرت کرے۔

آئین کے دفعہ 40 میں متعین بغاوت کرنے کی آزادی ابھی تک درست ہے۔کیا اسے اُس وقت کے لیے بنایا گیا جب ریپبلک نارمل حالات میں ہو؟ نہیں۔یہ دفعہ آئین کے لیے ایسی ہے جیسے سمندر میں ایک بحری جہاز کے لیے لائف بوٹ ہوتا ہے۔لائف بوٹ کو صرف اسی وقت استعمال کیا جاتا ہے جب بحری جہاز کو اپنے سفر کے دوران انتظار میں بیٹھے دشمن تارپیڈو کر چکے ہوں۔جب ہمارے آئین سے غداری کی گئی اور عوام کو ان کے سارے اختیارات سے محروم کیا گیا تو ایک ہی راستہ بچا تھا: ایک حق جسے کوئی طاقت ختم نہیں کرسکتی۔جبر اور ناانصافی کی مزاحمت کا حق۔ اگر کوئی شک رہتا ہے تو سوشل ڈیفنس کوڈ میں ایک دفعہ ہے جسے اگر معزز پراسکیوٹر نہ بھولتا تو اچھا کرتا۔وہ یوں ہے، میں حوالہ دیتا ہوں: ''مقرر کردہ یا منتخب حکومت کے اہلکار جو سارے میسر ذرائع کے ساتھ بغاوت کی مزاحمت کرنے میں ناکام رہتے ہیں، وہ چھ سے آٹھ سال کی معطلی کی سزا کے مستحق ہوتے ہیں''۔ہماری قوم کے ججوں پر 10 مارچ کے بتستا کے غدارانہ فوجی کودتا کی مزاحمت کرنے کی ذمہ داری تھی۔یہ بات قابل فہم ہے کہ جب کسی نے بھی قانون کی پاسداری نہ کی اور جب کسی اور نے اپنی ڈیوٹی نہ کی، تو جنھوں نے قانون کی پاسداری کی اور اپنی ڈیوٹی کی تو انہیں جیل بھیجا جائے۔

آپ اس بات سے انکار نہیں کر سکتے کہ قوم پر مسلط رجیم کیوبا کی تاریخ کے لیے بے وقار ہے۔ مانٹسکو اپنی کتاب ''قوانین کی روح''، میں، جو کہ حکومتی اقتدار کی ماڈرن تقسیم کی بنیاد ہے، حکومت کی تین قسموں میں اُن کی بنیادی فطرت کے مطابق ایک امتیاز قائم کرتا ہے: ''ریپلک کی قسم جس کے اندر سے پورے عوام یا ایک حصے کے پاس اقتدار اعلیٰ ہوتی ہے؛ بادشاہی طرز جس میں صرف ایک شخص حکومت کرتا ہے، مگر فکس اور اچھی طرح واضح قوانین کی مطابقت میں؛ اور استبدادی صورت جہاں ایک شخص قوانین اور اصولوں کے بغیر اپنی مرضی اور موج کے مطابق حکومت چلاتا ہے ''۔ وہ پھر اضافہ کرتا ہے: ''ایک شخص جس کے پانچوں حواس مسلسل اُسے بتاتے رہتے ہیں کہ وہی سب کچھ ہے اور یہ کہ بقیہ انسانیت کچھ بھی نہیں ہے تو لازمی ہے کہ وہ سست، جاہل اور ہوس پرست ہوگا''۔ ''جس طرح کہ جمہوریت کے لیے خیر لازمی ہے، اور ایک بادشاہت کے لیے دہشت، اسی طرح آمرانہ رجیم کے لیے خوف ضروری ہوتا ہے، جہاں خیر کی ضرورت نہیں ہوتی اور وقار خطرناک ہوتا ہے''۔

معزز ججو! ۔استبداد کے خلاف بغاوت کا حق عہدِ قدیم سے لے کر آج تک سارے عقیدوں، نظریات اور تعلیمات کے لوگ تسلیم کرتے چلے آ رہے ہیں۔

بہت قدیم مذہبی بادشاہتوں میں بھی ایسا ہی تھا۔ چین میں تو یہ تقریباً ایک آئینی اصول تھا کہ جب ایک بادشاہ گستاخی اور جبر سے حکمرانی کرے تو اس کو برطرف کیا جانا چاہیے اور اس کی جگہ پہ ایک خیر والے شہزادے کو بٹھایا جائے۔ قدیم انڈیا کے فلاسفروں نے خودسر اتھارٹی کے خلاف سرگرم مزاحمت کے اصول کو جائز قرار دیا۔ انہوں نے انقلاب کو برحق کہا اور وہ اکثر اپنی تھیوریوں کو عملی بناتے تھے۔ ان کے ایک روحانی لیڈر نے کہا تھا کہ اکثریت کی رائے خود بادشاہ سے زیادہ مضبوط ہوتی ہے۔ بہت ساری ڈوریوں سے بُنی ہوئی ایک رسی ایک شیر کو قابو کرنے میں کافی ہوتی ہے''۔ یونان اور ریپبلکن روم کی شہری ریاستوں نے آمروں کے لیے متشدد موت کو نہ صرف تسلیم کیا بلکہ اس کا دفاع کیا۔

ازمنہ وسطیٰ میں ''مدبر کی کتاب'' نامی اپنی کتاب میں جان سالسبری کہتا ہے کہ جب

ایک شہزادہ قانون کے مطابق حکمرانی نہ کرے اور سڑ کر ایک آمر بن جائے تو اس کا متشدد تختہ الٹنا جائز اور قانونی ہے۔ وہ آمروں کے لیے زہر کے بجائے خنجر استعمال کرنے کی سفارش کرتا ہے۔ سینٹ تھوماس اکوئیناس ''سوماتھیالوجیکا'' کے اندر ظالم کُشی کے ڈاکٹرائن کو مسترد کرتا ہے، اور پھر بھی اُس تھیسز کو سربلند کرتا ہے کہ عوام کی طرف سے آمروں کا تختہ الٹ دینا چاہیے۔

مارٹن لوتھر نے اعلان کیا کہ جب ایک حکومت ایک جبر میں سڑ کر قوانین کی خلاف ورزی کرے، تو اس کی رعایا فرمانبرداری کی اپنی ذمہ داریوں سے آزاد ہو جاتے ہیں۔ اس کے شاگرد فلپ میلنکٹن مزاحمت کے حق کو برقرار رکھتا ہے جب حکومتیں آمرانہ ہو جائیں۔ ریفارمیشن کا ممتاز مفکر کالوِن سیاسی نظریات کے بارے میں کہتا ہے کہ عوام کسی طرح کی دست درازی کی مخالفت میں اسلحہ اٹھانے کا حق رکھتے ہیں۔

فلپ دوئم کی حکمرانی میں ایک ہسپانی قانون دان جو آن ماریانا جیسے بڑے آدمی نے اپنی کتاب ''ڈی ریگاٹ ریگس انسٹی ٹیوشنے''میں زور دیا کہ جب ایک حکمران اقتدار پر قبضہ کرے، یا خواہ وہ منتخب کردہ ہو، اور جب وہ ایک استبدادی طریقے سے حکومت کرے تو یہ ایک پرائیویٹ سٹیزن کے لیے ڈائریکٹ یا پھر عذر بہانے کے ذریعے کم سے کم ممکنہ مزاحمت کے ظالم کُشی جائز ہے۔

فرانسیسی مصنف فرانسکوئس ہاٹ مین نے لکھا کہ حکومت اور اس کی رعیت کے درمیان ایک معاہدہ ہوتا ہے، اور یہ کہ جب حکومت اُس معاہدے کی خلاف ورزی کرتی ہو تو عوام حکومت کے جبر کے خلاف بغاوت میں اٹھ سکتے ہیں۔

تقریباً اسی زمانے میں ایک بہت ہی زیادہ پڑھا جانے والا کتابچہ'' وِنڈیشیا کنٹرا ٹائرانوس''منظرِ عام پر آیا اور اس کے مصنف کا نام سٹیفنوس جونیوس بروٹس تھا۔ اس نے کھلے عام اعلان کیا کہ جب حکمران عوام کو دبائیں تو حکومت کے خلاف مزاحمت کرنا جائز ہو جاتا ہے اور اس جدوجہد کی قیادت کرنا معزز ججوں کا فرض بن جاتا ہے۔

سکاٹش اصلاح پسندوں جان نوکس اور جان پوئے نٹ کا بھی یہی نقطہِ نظر تھا۔ اور اُس

تحریک کی سب سے اہم کتاب میں جان پوچانان نے لکھا تھا کہ اگر ایک حکومت نے عوام کی رضا مندی کا خیال رکھے بغیر اقتدار پر قبضہ کر لیا، یا اگر ایک حکومت اُن کی تقدیروں پر ایک غیر منصفانہ یا من پسند طریقے سے حکمرانی کرے تو وہ حکومت ایک آمریت بن جاتی ہے اور اسے اقتدار سے باہر کیا جا سکتا ہے، یا، ایک آخری تدبیر میں اس کے راہنماؤں کو قتل کیا جا سکتا ہے۔

اوائل سترہویں صدی کے جرمن قانون دان جونؔ آلتھس نے سیاست پہ اپنی تصنیف میں کہا کہ ریاست کی سپریم اتھارٹی کے بطور اقتدار اُس کے سارے ممبروں کی رضا کارانہ خواہش اور مرضی سے پیدا ہوتی ہے؛ یہ کہ حکومتی اتھارٹی اُس کے عوام سے پھوٹتی ہے اور یہ کہ، اس کی غیر منصفانہ، غیر قانونی ، یا استبدادی آمر اُس عوام کو فرمانبرداری کے فریضے سے استثٰی دیتا ہے اور مزاحمت یا بغاوت کو جائز قرار دیتا ہے۔

لہٰذا، معزز ججو! میں نے قدیم تصانیف سے مثالیں دی ہیں، از منہ وسطیٰ سے ، اور ہمارے وقتوں کی شروعات سے ۔ میں نے یہ مثالیں سارے عقیدوں کے مصنفین سے منتخب کی ہیں۔مزید برآں، آپ دیکھ سکتے ہیں کہ بغاوت کا حق کیوبا کے بطور قوم وجود کی جڑ میں موجود ہے۔ اس کی برکت سے آپ کیوبا کے ججوں کے لباس میں نمودار ہونے کے قابل ہیں۔ کاش وہ لباس انصاف کے کازکی خدمت کے لیے استعمال ہوں!۔

یہ بات اچھی طرح معلوم ہے کہ سترہویں صدی میں انگلینڈ کے اندر دو بادشاہوں چارلس اول اور جیمز دوم کے تخت آمریتکی وجہ سے الٹ دیے گئے۔ یہ اقدامات لبرل سیاسی فلسفہ کی پیدائش کے وقت ہوئے اور انہوں نے ایک نئے سماجی طبقے کے لیے نظریاتی بنیادیں فراہم کیں، جو کہ اُس وقت جاگیرداری کی زنجیریں توڑنے کی جدوجہد کر رہا تھا۔ آمریتوں کے خلاف اس نئے فلسفے نے سماجی معاہدے کے اصول اور اُن لوگوں کی رضامندی کے اصول کو سربلند کیا جن پر حکمرانی کی جا رہی تھی، اور اِس نے 1688 کے برطانوی انقلاب، 1775 کے امریکی انقلاب اور 1789 کے فرانسیسی انقلاب کی بنیاد رکھی۔ ان عظیم انقلابی واقعات نے ''نئی دنیا'' (اس زنجیر کی آخری کڑی کو کیوبا میں توڑ دیا گیا) میں سپین کی نوآبادیوں کی آزادی میں بڑا کردار ادا کیا۔ اس نئے فلسفہ نے

خود ہمارے سیاسی نظریات کی پرورش کی اور ہمیں ہمارے آئینوں کو ترتیب دینے میں مدد دی (گوئی مارو کے آئین سے لے کر 1940 کے آئین تک)۔ آخر الذکر ہمارے عہد کے سوشلسٹوں سے متاثر ہوا؛ ملکیت کے سماجی فنکشن کے اصول اور ایک شائستہ زندگی کے انسان کے ناقابلِ انتقال حق کے اصول اس میں ڈال دیے گئے، گو کہ وسیع ذاتی مفادات نے اُن حقوق کو مکمل طور پر لاگو کرنے سے روکا۔ آمریت کے خلاف بغاوت کا حق پھر اپنے آخری احترام اور وہ سیاسی آزادی کا ایک بنیادی کرایہ دار ہو گیا۔

بہت پیچھے 1649 میں جان ملٹن نے لکھا کہ سیاسی اقتدار عوام کے پاس ہوتا ہے، جو بادشاہوں کو بنا اور ہٹا سکتے ہیں اور آمروں کا تختہ الٹنا اُن کا فریضہ ہے۔

جان لاک نے حکومت پہ اپنے مضمون میں لکھا کہ جب انسان کے فطری حقوق کی خلاف ورزی ہو، تو لوگوں کو اس حکومت کو تبدیل کرنے یا ختم کرنے کا حق ہے اور ان پر فرض ہے۔ ناجائز طاقت کے خلاف ''واحد علاج طاقت کے زور پر اس کی مخالفت ہے''۔ ژاں یاک روسو نے اپنے ''سماجی معاہدہ'' میں بڑی خوش بیانی سے کہا: ''جس وقت ایک عوام خود کو زور سے فرمانبرداری کرانے دیکھتے ہیں اور فرمانبرداری کرتے ہیں، تو یہ ٹھیک کرتے ہیں؛ مگر جس وقت یہ جوئے کو اکھاڑ پھینک سکتے ہیں اور اسے اکھاڑ پھینکتے ہیں، تو یہ اُس سے اچھا کرتے ہیں، اُسی حق کو استعمال کرتے ہوئے اپنی آزادی دوبارہ حاصل کرتے ہیں جو اُن سے چھین لی گئی ہوتی ہے''۔ ''مضبوط ترین شخص ہمیشہ کے لیے مالک بننے کے لیے مضبوط نہیں ہوتا، ماسوائے اِس کے وہ طاقت کو حق میں نہ بدلے اور فرمانبرداری کو فرض میں۔ طاقت ایک طبعی قوت ہوتی ہے؛ مجھے اس کے استعمال سے کوئی اخلاقیات نکلتی نظر نہیں آتی۔ طاقت کے سامنے جھکنا ضرورت کا ایک اقدام ہے، نہ کہ رضا کا۔ اس کو کس طرح ایک ڈیوٹی کہا جا سکتا ہے؟''۔ ''آزادی سے دستبردار ہونا ایک انسان کی حیثیت سے خود سے دستبردار ہونا ہے، اپنے انسانی حقوق سے دستبردار ہونا ہوتا ہے، بشمول اپنے فرائض کے۔ ہر چیز سے دستبردار ہونے کے لیے کوئی ممکنہ مداوا نہیں ہے۔ ٹوٹل دستبرداری انسان کی فطرت کے خلاف ہے اور سارے آزادارادے کو چھین لینا سلوک کی ساری اخلاقیات چھین لینے کے مترادف

ہے۔ المختصر، ایک مطلق اتھارٹی کو تسلیم کرنا ایک طرف بے حقیقت اور متضاد ہے اور دوسری طرف ایک لامحدود تابعداری...........''۔ تھامس پین نے کہا ''ایک منصفانہ آدمی ایک تاج بردار بدمعاش سے زیادہ عزت کا حق دار ہے''۔

بغاوت کرنے کے عوام کے حق کی مخالفت صرف ورجینیا کی جماعتِ کلیسا ممبر جونتھن باوچر جیسے رجعتی لوگ کرتے رہے ہیں جس نے کہا: ''بغاوت کرنے کا حق ایک قابلِ احتساب ڈاکٹرائن ہے جو بابائے بغاوتات لوسی فر سے اخذ کیا گیا ہے''۔ چار جولائی 1776 کے فلیڈیلفیا کانگریس کے اعلانِ آزادی نے ایک خوبصورت پیراگراف میں اس حق کو تقدس بخشا۔ اس میں لکھا ہے: ''ہم اِن سچائیوں کو آشکار سمجھتے ہیں، کہ سارے انسان برابر پیدا ہوئے ہیں، کہ اُن کے خالق کی طرف سے انہیں کچھ ناقابلِ انتقال حقوق سے نوازا گیا ہے، جن میں سے ہیں زندگی، آزادی اور خوشی کا حصول؛ کہ ان حقوق کے حصول کے لیے انسانوں میں حکومتیں قائم کی گئی ہیں جو اپنے منصفانہ اختیارات اُن لوگوں کی رضا سے حاصل کرتے ہیں جن پر وہ حکومت کرتی ہیں؛ کہ جس وقت بھی حکومت کی کوئی بھی شکل اِن مقاصد کے لیے تباہ کن ہو جائے، تو عوام کو اسے بدلنے یا ختم کرنے کا حق ہے اور ایسے اصولوں کی بنیاد پر اور اس کے اختیارات اس شکل میں منظم کر کے ایک نئی حکومت قائم کرنے کا حق ہے جو اُن کے خیال میں اُن کی حفاظت کرنے اور مسرت کو پیدا کرنے میں سب سے مناسب لگے''۔

فرانس کے مشہورِ زمانہ ''انسان کے حقوق کا اعلان نامہ'' میں آنے والی نسلوں کو اِس اصول کی وصیت کی گئی تھی: ''جب حکومت عوام کے حقوق کی خلاف ورزی کرے تو اُن کے لیے مقدس ترین حقوق میں سے ایک حق بغاوت کا حق ہے اور یہ سب سے اہم فرائض میں سے ایک ہے''۔ ''جب کوئی شخص اقتدار پر قبضہ کرتا ہے تو اسے آزاد انسانوں کی طرف سے موت کی سزا دینی چاہیے''۔

میرا خیال ہے کہ میں نے اپنے موقف پر اچھی طرح سے دلائل دیے ہیں۔ میں اُن سے زیادہ دلائل سامنے لایا جو کہ معزز پراسیکیوٹر مجھے 26 سال کی سزا دینے کے لیے لایا تھا۔ یہ سارے

دلائل اُن انسانوں کی حمایت کرتے ہیں جو عوام کی آزادی اور مسرت کے لیے جدوجہد کرتے ہیں۔ ان دلائل میں سے کوئی بھی اُن لوگوں کی حمایت نہیں کرتی جو عوام کو محکوم بناتے ہیں، انہیں دشنام دیتے ہیں اور سنگدلی سے انہیں لوٹتے ہیں۔ چنانچہ میں نے بہت سے دلائل پیش کیے ہیں اور میں ایک کو بھی غیر اہم نہیں سمجھ سکتا۔ بتستا کی اقتدار میں موجودگی کا کس طرح جواز پیش کیا جا سکتا ہے جسے اس نے عوام کی رضا کے خلاف حاصل کیا اور دغا بازی اور طاقت کے استعمال سے ریپلک کے قوانین کی خلاف ورزی کی۔ خون، محکومی اور بدنامی کے ایک رجیم کو کس طرح قانونی کہا جا سکتا ہے؟۔ ایک ایسی رجیم کو کس طرح انقلابی کہا جا سکتا ہے جس نے پسماندہ ترین افراد، پسماندہ ترین طریقے اور پبلک لائف کے پسماندہ ترین خیالات اپنے گرد جمع کیے ہوں؟۔ ایک کورٹ کی غداری کو کس طرح قانونی طور پر درست قرار دیا جا سکتا ہے جس کا فریضہ آئین کا دفاع کرنا تھا؟۔ عدالتیں کس اتھارٹی سے اُن شہریوں کو جیل بھیجتی ہیں جنہوں نے خود اپنا خون دے کر، اپنی زندگیاں دے کر اپنے ملک کو نجات دلانے کی کوشش کی؟۔ یہ سب کچھ اصل انصاف کے اصولوں اور قوم کی نگاہوں میں وحشیانہ ہے!۔

ابھی تک باقیوں سے زیادہ طاقتور ایک دلیل ہے۔ ''ہم کیوبا کے شہری ہیں اور کیوبا کے تمام شہریوں پر ایک فرض عائد ہوتا ہے۔ اس فرض کا ادا نہ کرنا جرم ہے، غداری ہے۔ ہمیں اپنے ملک کی تاریخ پر فخر ہے؛ ہم نے یہ سکول میں پڑھا اور آزادی، انصاف اور انسانی حقوق کے بارے میں سنتے سنتے بڑے ہو گئے۔

ہمیں پڑھایا گیا کہ ہم اپنے ہیروؤں اور نمیرانوں (شہیدوں) کی شاندار مثالوں کا احترام کریں۔ سس پیڈیز، اگیرامونٹے، ماسیو، گومیز، اور مارٹی وہ اولین نام ہیں جو ہمارے دماغوں میں کندہ کیے گئے۔ ہمیں پڑھایا گیا کہ تائتان نے ایک بار کہا تھا کہ آزادی کی بھیک نہیں مانگی جاتی بلکہ یہ گنا کاٹنے والی کارچ کی دھار سے جیتی جاتی ہے۔ ہمیں پڑھایا گیا تھا کہ کیوبا کے آزاد شہریوں کی راہنمائی کے لیے دانا نے اپنی کتاب ''سنہرا زمانہ'' میں لکھا: ''وہ شخص جو غیر منصفانہ قوانین کی تابعداری کرتا ہے اور جس ملک میں پیدا ہوا اُس ملک کو کسی کو پیروں تلے روندنے اور

بدسلوکی کرنے کی اجازت دیتا ہے تو وہ ایک باوقار انسان نہیں ہے۔........... دنیا میں وقار کی بس ایک حد ہونا لازمی ہے بالکل اُسی طرح جس طرح روشنی کی ایک مقدار ہونی لازم ہے۔ جب بہت سے لوگ بغیر وقار کے ہوں، تو وہاں اور لوگ موجود ہوں گے جو خود اپنے اندر بہت سے لوگوں کا وقار رکھیں گے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اُن لوگوں کے خلاف عظیم قوت سے بغاوت کرتے ہیں جو عوام کی آزادی چُراتے ہیں، یعنی، اُن لوگوں کے خلاف جو خود وقار چراتے ہیں۔ اُن لوگوں میں ہزاروں اور موجود ہیں، ایک پوری قوم موجود ہے، انسانی وقار موجود ہے..........‘‘۔ ہمیں پڑھایا گیا تھا کہ 10 اکتوبر اور 24 فروری قومی جشن کی شاندار سالگرہیں ہیں اس لیے کہ یہ اُن دنوں کی نشانیاں ہیں جن میں کیوبائیوں نے بے نام استبداد کے خلاف بغاوت کی تھی۔ ہمیں واحد ستارے والے محبوب پرچم کی پرورش کرنے اور اس کا دفاع کرنے کا سبق دیا گیا تھا، اور ہر سہ پہر ہمارے قومی ترانے کے یہ بول گانے کا سبق دیا گیا تھا: ’’زنجیروں میں زندہ رہنا بے عزتی، ذلت اور رسوائی میں زندہ رہنا ہے‘‘ اور ’’اپنی سرزمین کی خاطر مرنا ہمیشہ کے لیے زندہ رہنا ہے‘‘۔ یہ سب ہم نے سیکھا اور انہیں ہم کبھی نہ بھولیں گے۔ گو کہ آج ہماری سرزمین میں اُن لوگوں کے لیے موت اور جیل ہے جو اُس تصور پر عمل کرتے ہیں جو انہیں پنگھوڑے کے وقت سے پڑھایا گیا ہے۔ ہم ایک آزاد ملک میں پیدا ہوئے تھے جو ہمارے والدین نے ہمیں ورثے اور وصیت میں دیا تھا، اور اس سے پہلے کہ ہم کسی اور کے غلام بن جانے کی رضامندی دے دیں یہ جزیرہ سمندر میں ڈوب جائے گا۔

ایسے لگتا تھا کہ دانا اپنیسو برس کے دوران مرجائے گا۔ لگتا ہے کہ اس کی یاد ہمیشہ کے لیے بجھ جائے گی۔ اتنا شاندار تھا مقابلہ! مگر وہ زندہ ہے؛ وہ نہیں مرا۔ اس کے عوام باغی ہیں۔ اس کے لوگ لائق ہیں۔ اس کے لوگ اس کی یاد سے وفادار ہیں۔ ایسے کیوبائی ہیں جو اس کی تعلیمات کا دفاع کرتے ہوئے مارے گئے۔ ایسے نوجوان ہیں جو عظیم الشان بے لوثی میں اس کے مقبرے کے ساتھ مرنے آئے، اپنا خون اور اپنی زندگی دینے تاکہ وہ اپنی قوم کے دل میں زندہ رہے۔ کیوبا تیرا کیا بنتا اگر تُو اپنے دانا کو مرنے دیتا؟۔

میں اپنے دفاع کی درخواست کو ختم کرتا ہوں۔ مگر میں اسے اُس طرح ختم نہیں کروں گا جس

طرح وکیل عموماً کیا کرتے ہیں۔ وہ مطالبہ کرتے ہیں کہ ملزم کو رہا کیا جائے۔ مگر میں اپنے لیے آزادی کا نہیں کہہ سکتا جبکہ میرے کامریڈ آئزل آف پائنز کی رسوائے زمانہ جیل میں مصیبتیں جھیل رہے ہیں۔ مجھے وہاں اُن کے پاس بھیج دیں اور اُن کی تقدیر کا حصہ بننے دیں۔ یہ قابلِ فہم بات ہے کہ ایماندار لوگ ایک ایسی ریپبلک میں مرجائیں یا جیل میں ہوں جہاں صدر ایک مجرم اور ایک چور ہو۔

میں آپ معزز ججوں کو مخلصانہ تشکر پیش کرتا ہوں کہ آپ نے مجھے ہتک آمیز پابندیوں کے بغیر اپنی بات بیان کرنے کی اجازت دی۔ میں آپ لوگوں کے خلاف کوئی تلخی نہیں رکھتا۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ کچھ پہلوؤں میں آپ ملائم اور نرم رہے ہیں، اور میں صرف یہ جانتا ہوں کہ اس عدالت کا چیف جج، جو کہ بے خطا نجی زندگی کا شخص ہے، موجودہ صورتحال پر اپنی کراہت کو روپ بدل کر چھپا نہیں سکتا جو اُسے غیر منصفانہ فیصلے لکھوانے پر مجبور کرتی ہے۔ ابھی تک کورٹ آف اپیلز کے لیے ایک سنجیدہ مسئلہ بھی موجود ہے: ستر آدمیوں کے قتل سے ابھرنے والے استغاثے کا مسئلہ، یعنی ہماری معلومات میں سب سے بڑا قتلِ عام۔ قصوروار ابھی تک آزاد ہیں اور ہتھیار اُن کے ہاتھ میں ہیں..........ہتھیار جو سارے شہریوں کی زندگیوں کے لیے خطرہ بنے ہوئے ہیں۔ اگر بزدلی کی وجہ سے یا عدالتوں کی فرمانبرداری کی وجہ سے سارے جج استعفیٰ نہیں دیتے تو مجھے آپ کے وقار پر ترس آئے گا۔ اور میں اُس بے مثال شرم پہ پشیمان ہوں گا جو جوڈیشل طاقت پر گرے گی۔

’’میں جانتا ہوں کہ جیل مجھ پر سخت کردی جائے گی، اس قدر کہ پہلے کسی پر بھی نہ کی گئی ہوگی۔ یہ قید بزدلانہ دھمکیوں اور گھناؤنے مظالم سے بھری قید ہوگی۔ مگر مجھے جیل سے کوئی ڈر نہیں۔ بالکل اسی طرح جس طرح کہ مجھے اس تباہ حال آمر کے طیش سے کوئی ڈر نہیں جس نے میرے ستر ساتھیوں سے اُن کی زندگیاں چھین لیں۔ مجھے سزا دو۔ اس کی کوئی پرواہ نہیں۔ تاریخ مجھے بری کردے گی‘‘۔

......اور عدالت نے سزا دی،
تاریخ نے بری کر دیا!

(اِس فقرے نے اب تو ایک ضرب المثال کی حیثیت اختیار کر لی ہے۔ اور فیڈل کاسٹرو کا نام آتے ہی ذہن میں اُس کا یہ تاریخی فقرہ گونج جاتا ہے)۔

بے انصافی کی فیکٹری، یعنی عدالت نے فیڈل کو پندرہ برس تک کے لئے قیدِ تنہائی کی سزا دی۔ جیل جو انقلابی کی لازمی مگر ظالم ساتھی ہوتی ہے۔ جیل، جہاں انسانیت کی آخری رمق تک نچوڑ پھینکنے کی نیت ہوتی ہے، جہاں فرسٹریشن کا ڈائنوسار پلتا ہے۔ جیل جہاں حمیت، غیرت اور ایمان کا پل پل امتحان ہوتا ہے۔

کیوبن انقلابی' جیل میں گمنام اور بے توجہی کا شکار گھڑیاں جھیل رہے تھے کہ فروری 1954 کے ایک روز جیل کے گارڈز نے بتایا کہ اُس روز انہیں اپنے سیل کے اندر ہی رہنا ہے۔ قیدی حیران تھے کہ ماجرا کیا ہے۔ بہت اچھا انقلابی جوآن المیدا اپنے ایک ساتھی کے کندھوں پر چڑھ کر سلاخوں والی کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔ اس نے ساتھیوں کو بتایا کہ کوئی بڑا افسر جیل کے دورے پر ہے۔ ''ارے یہ تو خود بتستا ہے''۔ اُس نے کہا۔ وہ جیل کا دورہ کر رہا تھا۔ انقلابی قیدی اُس کا سُر خراب کرنے پہ تل گئے اور عین اُس وقت جب وہ واپس جانے کو تھا چھبیس شہ زور اور توانا مردانہ آوازیں ''آزادی کا مارچ'' نامی وہ ترانہ شدت سے گانے لگیں جو انہوں نے مونکیڈا

ریڈیو پر قبضہ کے وقت تیار کیا تھا۔ بتستا صاحب یہ سوچتے ہوئے شان سے رک گیا کہ شاید کھڑکی سے آنے والا ترانہ اُس کے استقبال کے لئے تھا۔ مگر اُس کی مسکراہٹ تو فوت ہی ہوگئی جب اُس نے یہ الفاظ سنے:

ایک آئیڈیل کی طرف مارچ کرتے ہوئے
ہمیں یقین ہے فتح کا
امن اور خوشحالی بڑھانے کا
ہم جدوجہد کریں گے تاکہ آزادی جیت جائے

آگے بڑھو سب کیوبائیو
شالا کیوبا ہماری بہادری سے مستفید ہو
ہم متحد سپاہی ہیں، لڑ رہے ہیں کہ ہمارا ملک آزاد ہو
ہمارے ہتھیار اُس بدی کو تباہ کر رہے ہیں جس نے ہماری مصیبت بھری سرزمین کو برباد کر کے رکھ دیا۔
غلط، ناپسندیدہ حکمرانوں اور ظالم جابروں کی بدی کو
جنہوں نے ہمیں گندے دلدل میں لا گھسیٹا ہے............(2)

اور یوں دورے پر آیا ہوا، کروفر سے بھرا ہوا، کیوبا کا فوجی آمر منہ میں جھاگ اڑاتا ہوا واپس تشریف لے گیا۔ ان 26 کڑکدار آوازوں والے قوالوں کو سزا تو ملنی تھی' انہیں قیدِ تنہائی دی گئی۔ ترانہ لکھنے والے ڈیاز کارتایا کی خدمت البتہ تنہائی کے علاوہ بھی کی گئی۔ اُس رات چار گارڈ اس کے سیل میں داخل ہوئے اور اُس پر چڑھ دوڑے۔ انہوں نے ''مجھے ننگا کیا، گائے بیلوں والے کوڑوں سے مجھے مارا، مجھ پر لاتوں کی بارش کر دی اور ہر جگہ گھونسے مارے''۔(3)

اس جیل میں کاسٹرو نے خود بھی خوب پڑھا اور اپنے ساتھیوں کو بھی خوب پڑھایا۔ کاسٹرو کی قیدِ تنہائی کا سیل کتابوں سے بھرا ہوا تھا۔ اس نے مطالعہ میں خود کو غرق کر دیا۔ ''میں نے دنیا کی

ہر چیز بھلا دی اور دوبارہ نئی اور کارآمد چیزوں کی پڑھائی پر توجہ دی''۔ سترہ روزہ قیدِ تنہائی کے بعد اس نے لکھا'' میرے پاس ابھی تک روشنی نہیں ہے............مگر کل رات محض تاریکی اور تنہائی ہی نہ تھی بلکہ بارش بھی تھی............ میں نے اپنی کتابیں بچانے کے لئے ہر وہ کوشش کی جو میں کرسکتا تھا ۔انہیں سوٹ کیس میں ڈال دیا اور اس پر کمبل لپیٹ دیا۔ میرا سارا بستر بھیگ چکا تھا، فرش پر پانی بھر گیا، اور سردی اور ہوا ہر جگہ سے اندر داخل ہو رہی تھی''۔

اس نے اپنی ایک دوست کو لکھا:'' میں احتیاط اور سکون سے ہسپانوی، فرانسیسی اور روسی ادب سے بہترین کتابیں منتخب کروں گا۔ .... میں سیاسی معیشت اور سوشل سائنسز کے خشک اور ناقابلِ فہم شعبوں سے نمٹوں گا........... پندرہ سالہ جیل میں ہم ایک بہتر دنیا کے بارے میں سوچتے ہوئے خود کو بہت بہتر بنائیں گے............ میں نے کانٹ کے ساتھ اچھا خاصا سر کھپانے کے بعد مارکس کو پیٹر نوسٹرم سے زیادہ آسان پایا............ وہ اور لینن دونوں کے پاس ایک طاقتور مناظراتی رجحان تھا اور میں اُن کے ساتھ عمدہ وقت گزار رہا ہوں، مطالعہ کے دوران ہنستا اور لطف اندوز ہوتا ہوں............''۔

اس نے یہاں پر تھامس مور کا ''یوٹوپیا'' پڑھا، ٹالسٹائی، آسکر وائلڈ، شیکسپیئر............ اور اپنے محبوب مصنف دوستوئفسکی کو پڑھا، اسی طرح ترگنیف، بالزاک، فرائڈ پڑھے، رامیرو گوئیسّرا کی'' کیوبائی قوم کی تاریخ'' کی دس جلدیں پڑھ لیں۔ اس نے اپنی پسندیدہ تاریخی شخصیت بولیوار کی سوانح عمری پڑھی''(4)۔

اس نے'' مطالعاتی گروپ'' ایجاد کیا۔ اپنے قتل شدہ کامریڈ کی یاد میں اِن قیدیوں نے'' ایبل سنٹا ماریا نظریاتی اکیڈمی'' قائم کی۔ اس اکیڈمی کے پاس محض ایک تختہ سیاہ تھا اور لکڑی کی بنچیں تھیں جن پر وہ کھانا کھاتے تھے۔ مگر اس بہانے وہ روزانہ سیاسی معیشت، ادبی تصانیف اور مشہور واقعات پر مباحثے اور لیکچر منعقد کرتے تھے(5)۔ یہیں پہ اس نے مارکسزم پہ گویا عبور حاصل کر لیا۔ جیل کے اندر کارل مارکس کی لکھی شہرہ آفاق تصنیف'' سرمایہ'' اس کے زیر مطالعہ رہی۔ آپ حیران رہ جائیں گے کہ دنیا میں صرف دو اشخاص ایسے ہیں جنہوں نے تین ضخیم جلدوں پر مشتمل

مارکس کی تصنیف'' کپٹل'' صرف مارکسزم سیکھنے کے لئے نہیں پڑھی۔ بلکہ کچھ دیگر مقاصد کے لئے بھی یہ عظیم تصنیف پڑھی۔ ایک تو فیڈل ہے جس نے یہ کتاب اس لئے خریدی کہ ایک تو اس اہم تصنیف کا مطالعہ کر سکے اور دوسرا اس لئے بھی کہ اِس کتاب کی مدد سے وہ انگریزی زبان پہ بھی عبور پائے۔'' انگریزی بہتر بنانے کے لئے مارکس کا کپٹال خریدنا''! ۔ ہے ناں عجب بات!!۔ اور کیپٹل پڑھنے سے کاسٹرو کی انگریزی بہتر ہو بھی گئی۔ واضح رہے کہ کاسٹرو کی انگریزی بہت اچھی تھی۔ بقول گارشیا مارکوئیز'' وہ رکتی ہوئی مگر اکثر، دلکش انداز میں خوش الحان انگلش بولتا ہے''۔(6)

دوسرا شخص شاید میں تھا۔ واضح رہے کہ میں نے کیپٹل بہت دیر میں پڑھی، جب میں بہت عرصہ پہلے ہی نظریہ اور تنظیم کے اعلیٰ درجوں پر فائز احباب کی نظروں کا تارا بن چکا تھا۔ میں نے کیپٹل کو مارکس کا نظریہ سیکھنے سے زیادہ اِس نیت سے پڑھا کہ مارکس نے معیشت جیسے خشک مضمون کو ایک ادبی شاہکار کس طرح بنا ڈالا۔ جی ہاں۔ کیپٹل کو پڑھنے کے لئے مجھے پوری سردیاں لگیں مگر میں نے اس کے ہر ہر فقرے سے لطف اٹھایا۔ اس کے پڑھنے کے بعد بھی، معیشت کے بارے میں میرا مبلغ علم ایک ٹکہ بھی نہ بڑھا۔ مگر ادبی چاشنی ایک ایک سطر میں موجود تھی، میں خوب محظوظ ہوا۔

یہیں پہ اس نے وکٹر ہیوگو کا ناول'' لامزریبل'' بھی پڑھ لیا (میرا دعویٰ ہے کہ کسی کو انسان بنانے کے لئے یہی ایک کتاب ہی کافی ہے!!)۔ اور وہ بہ یک وقت مارکس کی کتاب'' اٹھارویں برومیئر اور لوئی بونا پارٹ'' پڑھ رہا تھا۔ 4 اپریل 1954 کو اپنے ایک خط میں اس نے ذکر کیا کہ اس نے لینن کی کتاب'' ریاست اور انقلاب'' پڑھ ڈالی۔(7)

اُس کے پڑھنے کی یہ عادت آخر تک قائم رہی۔ گارشیا مارکوئیز کے بقول'' فیڈل ایک زبردست قاری ہے۔ ۔ ۔ ۔ میں جب بھی کیوبا جاتا ہوں فیڈل کے لئے کتابوں کا ایک ڈھیر لے جاتا ہوں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مجھے یاد ہے کہ ایک بار میں نے اس کے پاس برام سٹاکر کی کتاب'' ڈریکولا'' رکھ چھوڑی، جو کہ بلاشبہ ایک زبردست کتاب ہے مگر جسے دانشور بے کار سمجھتے ہیں۔ میں یہ کتاب رات دو بجے فیڈل کے پاس لے گیا۔ ۔ ۔ ۔ اس رات اُسے بہت سی اہم ریاستی دستاویزات پڑھنی

تھیں،اوراُن پرغور کرنا تھا۔ہم آدھ گھنٹہ تک باتیں کرتے رہے اور پھر ہم اگلے دن دوپہر کو ملے۔'' گیبرئیل،تم نے میرا حشر کر دیا!''اس نے کہا۔''وہ کتاب............ارے میں تو ایک منٹ کے لئے نہ سوسکا''۔وہ صبح چار بجے سے گیارہ بجے تک وہ کتاب پڑھتا رہا تھا''۔

''کمیونسٹ مینی فیسٹو'' نامی مارکس واینگلز کی کتاب میں لکھا تھا کہ'' بورژوازی ہم پر الزام لگاتی ہے کہ ہم نجی ملکیت کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔حالانکہ سچ یہ ہے کہ نجی ملکیت تو آبادی کے نوے فیصد حصے کیلئے پہلے ہی ختم کی گئی ہے''۔نجی ملکیت رکھنے کی نام نہاد آزادی کی اصلیت دکھانے والی یہ کتاب کاسترو نے پڑھ ڈالی۔اوراسی کتاب نے دنیا میں ہزاروں انسانوں کی طرح فیڈل کی سوچ بھی بدل ڈالی۔دلچسپ ہے کہ وہ ہی لڑتا بھی رہا اور پڑھتا بھی رہا۔جیل میں رہا ،پڑھتا ہی رہا۔

اس طرح،کیوبا کی معاشی سماجی اور سیاسی پس ماندگی کو دور کرنا فیڈل کاسترو کا گویا مقصدِ حیات بن گیا۔وہ نچلے طبقات کے حقوق کا علمبردار بن گیا۔سمت مکمل طور پر واضح ہوگئی،فیصلہ مزید راسخ ہوگیا اور انقلاب اس کا مقصدِ حیات بن گیا۔

1955 کے اوائل میں قید باغیوں میں سے کچھ کی ماؤں کی طرف سے عام معافی دینے کے مطالبے کی مہم کو قومی سطح پر پذیرائی ملنے لگی۔جلوسوں،جلسوں،نشریات اور پمفلٹوں کے ذریعے'' مونکیڈا لڑکوں'' کی رہائی کے مطالبے ہونے لگے۔

چنانچہ پندرہ مئی 1955 میں تمام قیدیوں کو رہائی ملی۔کاسترو رہا ہوکر اخباروں کی توجہ کا مرکز بنا۔ہر اخبار میں اُس کا یہ موقف صفحۂ اول پر شائع ہوتا رہا:''میں کیوبا چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔میں نیکی کی قوتوں کے اتحاد کے لئے لڑتا رہوں گا۔میرے کوئی ذاتی عزائم نہیں ہیں۔میں کسی چیز کا متمنی نہیں ہوں۔مجھے صرف ایک چیز کی تمنا ہے' وہ ہے ایک بہتر اور خوش حال تر کیوبا''۔

حوالہ جات

1۔کاسترو،فیڈل۔Reflections۔گرانما انٹرنیشنل۔کیوبا 25 جنوری 2008۔

2 - ریڈ .... ہنری۔ فیڈل اینڈ چے، اے ریوو لیو شنری فرینڈ شپ۔Sceptre۔2009۔صفحہ 87

3 - ریڈ .... ہنری۔ فیڈل اینڈ چے، اے ریوو لیو شنری فرینڈ شپ۔Sceptre۔2009۔صفحہ 88

4 -ریڈ .... ہنری۔ فیڈل اینڈ چے، اے ریوو لیو شنری فرینڈ شپ۔Sceptre۔2009۔صفحہ 90

5 - ریڈ .... ہنری۔ فیڈل اینڈ چے، اے ریوو لیو شنری فرینڈ شپ۔Sceptre۔2009۔صفحہ 83

6۔مارکویز۔گبرائیل گارشیا۔ہفت روزہ پیپلز ڈیموکریسی دہلی۔20 اگست 2006

7۔اسلم ،سی آر۔مکتوباتِ کاسترو ۔ہفت روزہ عوامی جمہوریت لاہور ۔15 جولائی 1980۔صفحہ 8

میکسیکو جلاوطنی

مگر مئی 1955 میں فیڈل جیل سے رہائی کے ایک ماہ بعد میکسیکو چلا گیا اس لئے کہ کیوبا میں اب اُس کی جان کو خطرہ تھا۔ اس نے اِس وقت کی گئی تقریر میں یوں کہا تھا:

’’میں کیوبا اس لئے چھوڑ رہا ہوں کہ میرے لیے پُر امن جدو جہد کے سارے دروازے بند کردیئے گئے۔ جیل سے رہائی کے چھ ہفتے بعد میں قائل ہو چکا ہوں کہ ڈکٹیٹر بہت سارے نقاب پہن کر بیس برس تک حکمرانی کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ وہ دہشت‘ جرم اور کیوبائی عوام کے صبر کو نظر انداز کر کے حکمرانی کرنا چاہتا ہے مگر اِس صبر کے بھی اپنے حدود ہیں۔ مارٹی کے ماننے والے کی حیثیت سے مجھے یقین ہے کہ اب وقت آ گیا ہے کہ اپنے حقوق بھیک کی بجائے چھین لئے جائیں، درخواستیں کرنے کی بجائے اپنے حقوق لینے کے لئے لڑا جائے‘‘۔

اس نے میکسیکو میں جلاوطنی اختیار کی جہاں سے اس نے جنرل بتستا کے خلاف مہم جاری رکھی۔ وہاں اس نے ایک گوریلا فورس قائم کی جس کا نام اس نے سابقہ ناکام بغاوت کی یاد میں ’’26 جولائی تحریک‘‘ رکھا۔ میں اپنے قاری سے بھی درخواست کروں گا کہ آپ بھی 26 جولائی کی تاریخ کو ذہن نشین کرلیں اس لئے کہ کیوبا اور لاطینی امریکہ کی تاریخ سے متعلق ہر موڑ پر یہ تاریخ ہمارے سامنے آتی رہے گی۔

ابھی اس تحریک کی تکمیل نہیں ہوئی تھی۔ ابھی تقدیر نے اسے ایک اور بازو، ایک اور ساتھی عطا کرنا تھا۔ اور وہ ساتھی تھا‘ چے گوارا۔ ایسا ساتھی قسمت والوں کو ہی ملا کرتا ہے۔ 27 جون

1955 میں کاسٹرو ارجنٹینا کے ایک امیر گھرانے کے اِس نوجوان دانشور اور باغی، ڈاکٹر ارنسٹو چے گوارا سے ملا۔ جس نے 1953 میں امریکی سامراج سے لڑنے کیلئے بونس آئرس کو خیر باد کہا تھا۔ چے گویرا ایک نظریہ دان اور مارکسسٹ تھا۔ ملاقات کے وقت چے 27 برس کا تھا اور فیڈل 29 برس کا۔ فوراً ہی وہ دونوں علیحدہ نہ کیے جاسکنے والے دوست بن گئے۔

لاطینی امریکی انقلاب کا تیسرا ستون راول کاسٹرو، فیڈل کا چھوٹا بھائی ہے۔ فیڈل، چے، راول اور المیدا۔ اس چوکور کے چاروں ساتھی فتوحات ملنے اور انقلابی فوج کے پھیلنے اور بڑی ہونے تک تقریباً ہر جنگ میں ساتھ رہے۔ اِس پورے براعظم کی سیاسی تاریخ میں اِن چاروں بہادروں میں سے کسی ایک کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکے گا۔

راول تو پکا مارکسسٹ تھا۔ وہ تو 1953 میں انٹرنیشنل کمیونسٹ یوتھ میلے میں شرکت کے لئے ویانا گیا تھا۔ اور وہیں سے اس نے مشرقی یورپ کے تین کمیونسٹ دارالحکومتوں کا دورہ کیا۔ پھر خروشچیف نے 1959 میں اپنی یادداشتوں ’’Khorochiev Remembers‘‘ میں راول کو ’’اچھا کمیونسٹ‘‘ لکھا تھا۔ (1)

کاسٹرو نے جلاوطنی میں بہت غور وفکر کے بعد اپنا پہلا سیاسی نکتۂ نظر جاری کیا، مینی فیسٹو نمبر ایک:

’’ان لوگوں کو جو انقلاب پر معیشت کو تہہ و بالا کردینے کا الزام لگاتے ہیں، ہمارا جواب یہ ہے: جن کسانوں کے پاس زمین نہیں ہے اُن کے لئے تو معیشت کا وجود ہی نہیں ہے۔ لاکھوں کیوبائی جو بیروزگار ہیں اُن کے لئے تو معیشت ہے ہی نہیں، ریل مزدوروں، ساحلِ سمندر پر کام کرنے والوں، ٹیکسٹائل مزدوروں، بس ڈرائیوروں اور دوسرے مزدوروں، جنکی تنخواہیں بتستا نے کم کردی ہیں، معیشت وجود ہی نہیں رکھتی‘‘۔ ....

اس مینی فیسٹو کے جاری ہونے کے بعد ایک دوسرا بیانیہ ’’آرتھوڈاکسوں کے نام پیغام‘‘ تھا جو کاسٹرو نے لکھا تھا۔ دونوں مسودے ایک انقلابی دوست کے پریس سے چھپوا دیے گئے اور ہوانا سمگل کردیئے گئے۔ ’’آرتھوڈاکسوں کے نام پیغام‘‘ نامی تحریر فیڈل کے ایک انقلابی ساتھی نے ہوانا

میں آرتھوڈاکسوں کی کانگریس میں پڑھ کر سنایا۔اس کانگریس میں پانچ سومندوبین شامل تھے۔اس مسودے میں کاسترو نے لکھا: ''اپوزیشن نے عام انتخابات کوایک پُرامن حل کے لئے واحد فارمولا قراردیا۔ذراغورکریں کہ اگر بتستا اِس واحد فارمولے کومسترد کردے تو کیا ہوگا''؟۔اس نے اعلان کیا کہ ایک اور راستہ بھی ہے: ''انقلاب''۔اور پھر، پورا ہال، انقلاب انقلاب کے نعرے لگانے لگا۔

ذراغور کیجئے تو اندازہ ہوگا کہ انقلاب توایک آرٹ ہے۔اسے منظّم کرنا،اس کی راہنمائی کرنا،اس کے داوٗ پیچ اور حکمتِ عملی متعین کرنا بہت ہی نازک اور ماہرانہ فنکاری کے متقاضی امور ہیں۔..........اورکاسترو دنیا میں اُن چندلوگوں میں سے ہیں جنہیں اِس فن کاعظیم ترین آرٹسٹ کہا جاسکتا ہے۔

دنیا کے تمام انقلابیوں کی طرح کاسترو کا کمال یہ تھا کہ اس نے خود بھی' اور اپنے کامریڈوں کوبھی'ایک بات کا پابند بنائے رکھا۔وہ تھا: سچ بولنا۔اُس نے سچ بول کرمیدان مارلیااور اس کے دشمنوں نے جھوٹ بول کرمیدان ہارلیا۔اپنے آپ سے سچ بولنا، اپنے ساتھیوں سے سچ بولنا،اورعوام الناس سے سچ بولنا۔اس لئے انقلاب کے دوران اور انقلاب کے بعد اُسے کسی چیز کی صفائی پیش کرنے کی ضرورت نہیں پڑی۔امریکہ نے اُس پرلاکھ الزامات لگائے۔ ہزاروں دلیلیں گھڑیں۔مگر کیوبائی عوام کوکاستروکاایک ہی فقرہ یقین دلاتا تھا کہ: یہ سب کچھ جھوٹ ہے۔

کاسترو نے ایک کیوبانژاد ماہرِ گوریلا جنگ' جلاوطن جنرل' البرٹو بایو سے رابطہ کیا، جوفرانکو کی بغاوت کے دوران ہسپانوی جمہوری دستوں کی کمان کرچکا تھا۔لحیم شحیم جثہ، سرخ سفید رنگ، چگی ڈاڑھی، عقابی آنکھیں۔ یوں لگتا ہے جیسے ابھی کسی مار دھاڑ والی فلم میں سے اٹھ کر چلا آرہا ہے۔

بایواُس کے آدمیوں کوتربیت دینے پرراضی ہوگیا۔اس نے سوچا'' یہ شخص ایک ہاتھ سے پہاڑوں کوالٹ دینا چاہتا ہے۔ مجھے اس کوخوشی دینی چاہیے۔لہٰذا'' ٹھیک ہے فیڈل !۔ میں ان لڑکوں کوتربیت دوں گا''۔اس نے زبان سکھانے کے استاد کے روپ میں ان لڑکوں کوتربیت دینا

شروع کیا۔کبھی اِس مکان میں کبھی اُس مکان میں۔اس کے بعدفیڈل نے نشانہ بازی کاایک علاقہ بُک کرلیااوروہاں اپنے ساتھیوں کی نشانہ بازی کی تربیت کاانتظام کرلیا۔

''دیکھو! جب میں فیڈل اوراُن دوسرے بچوں سے ملاتو میرادل بھرآیا۔میں نے سوچا کہ اِن نوجوانوں کےتوابھی ہنسنے کھیلنے،دل لگانےاورگیت گانے کے دن ہیں۔انہیں موت کے منہ میں آنے کی کیا پڑی ہے۔لیکن مجھے معلوم ہے کہ ضمیراورفرض کا کہا ٹالنا بہت مشکل ہے۔ مجھے دیکھو!اگر مجھے مذہب سے رغبت ہوتی تو میں ضرور بدھ مت اختیار کرتا۔اِس لیے کہ مجھے سب مخلوق اچھی لگتی ہے۔ مجھے سب انسان عزیز ہیں،لیکن میری تمام عمر اِن سےلڑنے میں کٹ گئی ہے''۔

نئے ریکروٹوں نے جلد ہی اندزہ کرلیا کہ پاوڈراورٹوتھ پیسٹوں کے دن گئے۔ چےبھی ان کی تربیت میں جُت گیا۔

یادرہے کہ جلاوطنی کے وقت کاسترو نے ہفت روزہ ''بوہیمیا'' میں لکھا تھا: ''ہم اس وقت لوٹیں گے جب ہم اپنے عوام کے لئے آزادی لائیں گےاوراُن کے لئے آمریت اور بھوک سے پاک' وقار سے زندہ رہنے کاحق لائیں گے''۔

کیوبا کوکاستروکی تباہ کن مگرمقدربھری واپسی میں سترہ ماہ لگے۔ یہ ہیجان انگریز،حراسانی سے بھرااورتنگ دست وقت تھا۔اسے اپنی انقلابی' اورمہم سرکرنے والی فوج کوتربیت دینی تھی اور پیسہ جمع کرنا تھا تاکہ اسلحہ خریدا جائے اوراُس فوج کو کیوبا تک پہنچانے کے لئے ایک کشتی خریدی جائے۔ ایسی حالت میں کہ میکسیکوکی پولیس لگاتار مداخلت کرتی تھی،صفوں میں غداری کا خدشہ موجودتھااورڈکٹیٹر بتستا کی جاسوسی تھی۔ایک دفعہ تو کاستروااوراس کے بائیس ساتھیوں کوناجائزاسلحہ رکھنے کے جرم میں تین ہفتے تک میکسیکوسٹی جیل میں بھی رہناپڑا۔

حوالہ

1۔لائیل، بریان۔آفٹرفیڈل۔Palgrave۔2007۔صفحہ 7

کیوبا کے انقلاب کی علامت: گرانما

جلاوطنی کے دوران کاسترو نے کیوبا سے اپنے سارے روابط برقرار رکھے۔ وہ میکسیکو میں کیوبائیوں کی میٹنگیں کرتا رہا، انہیں سیاست پڑھاتا اور سکھاتا رہا، اور اُن کی گوریلا تربیت کرتا رہا۔ 1956 میں انہیں وہاں سے بھی جلاوطن کر دیا گیا۔

اُن لوگوں کو بہت خفیہ طور پر اور بہت محتاط انداز میں تیاریاں کرنی پڑیں۔ جونہی اس کے سارے کامریڈ وقتِ مقررہ پر پہنچے تو سنٹیاگو ڈی کیوبا میں یہ خفیہ پیغام بھجوادیا:

''کتاب چھپ چکی ہے''۔ صبح کے دو بجے انہوں نے گرانما نامی جہاز کے رسّے کھول دیے۔

روس کا انقلابی نشان ''ارورا'' نامی وہ توپ تھی جس نے بادشاہ کے محل پہ پہلا گولہ چلا کر انقلابی حملے کا آغاز کیا تھا۔ جبکہ کیوبا کے انقلاب کی علامت ''گرانما'' نامی وہ کشتی تھی جس پر 82 انقلابی سوار ہوکر بتستا کی تیس ہزار مسلح فوج سے ٹکر لینے میکسیکو سے کیوبا روانہ ہوئے، انقلاب کرنے۔ پھر تو اسی کی نسبت سے وہاں کی انقلابی پارٹی کے اخبار کا نام ''گرانما'' کر دیا گیا۔ اور بھی بے شمار چیزیں اِس نام سے آج کے کیوبا میں موجود ہیں۔

کاسترو اور اُس کے ساتھی 25 نومبر 1956 کو ''گرانما'' نامی اس پرانی کشتی پہ سوار ہوئے۔ چنانچہ آس پاس جہازوں سے بچتے بچاتے وہ بارش اور طوفان میں منزلیں کاٹتے رہے۔ وہ خلیج میکسیکو اور کیریبین سمندر کے پار سفر کرتے ہوئے چھ دن اِس 62 فٹ طویل کشتی پہ رہے

۔ حالانکہ اُن کے ابتدائی منصوبے میں انہیں جلد پہنچنا تھا۔ مگر موسم خراب رہا اور خوراک نہ دارد، سب ساتھی سمندری فضا میں بیمار۔ جس جگہ پہنچنا تھا وہاں انہیں 30 نومبر کو ہونا چاہیے تھا۔ لہٰذا اس آسرے میں کہ فیڈل اور اس کے ساتھی وقت مقررہ پر پہنچ جائیں گے، پہلے سے طے شدہ پروگرام کے مطابق اس صبح ساحل پر موجود اُس کے ساتھی بندوقیں، مشین گنیں، اور گرینیڈیں لیے سنٹیاگو پر حملہ آور ہوئے۔ ریڈیو سٹیشن قبضہ ہوا اور سارا شہر خاموش ہوا۔ کاسترو کے لئے سب کچھ تیار تھا۔ سارا دن انقلابی لوگ پوزیشنیں سنبھالے کاسترو کا انتظار کرتے رہے مگر ''گرانما'' کا کوئی اتا پتہ نہ تھا۔ اس اثناء میں شام تک سرکاری فوجوں نے جوابی حملہ کر دیا۔ اور انقلابیوں کو پس پا ہونا پڑا۔ سرکاری فوج کی تعداد بڑھتی رہی۔ جہاز کے ریڈیو پر سرکاری فوجوں کی جانب سے ساحل پر موجود انقلابیوں کو کچل ڈالنے کی خبر نشر ہو چکی تھی۔

اسی اثنا میں گرانما کو ایک ہیلی کاپٹر نے دیکھ لیا اور باغی مجبوراً (30 نومبر کی بجائے) دو دسمبر 1956 کی رات کو ساحل کے ایسے مقام پہ پہنچے جو دلدلی تھا۔ انہیں مقررہ مقام سے پندرہ میل دور لنگر انداز ہونا پڑا۔ ان کی کشتی دلدل میں پھنس کر رہ گئی۔ سواریوں کو کمر تک گہرے پانی میں ایک میل تک چلنا پڑا۔ بندوقیں سروں کے اوپر تھیں۔ سارا راشن وہیں جہاز میں رہ گیا۔ کیچڑ میں مصیبتیں جھیلتے، کھانے پینے کی ہر چیز سے محروم، انجانے علاقے میں وہ پہنچ تو گئے۔ مگر بدقسمتی وہیں تو اُن کا انتظار کر رہی تھی۔ بھوکے پیاسے، تھکے ہارے اور آبی بیماری (Sea sickness) کے مارے ہوئے اِن لوگوں کو دشمن نے دیکھ لیا تھا۔ چنانچہ فوج نے اُن پر حملہ کر دیا۔ گولیاں ہر سمت سے ان پر برسنے لگیں۔ چے گویرا نے ایک جگہ اس کی منظر کشی یوں کی: ''کامریڈ مونٹین اور میں ایک درخت سے ٹیک لگائے اپنے اپنے بچوں کے بارے میں باتیں کر رہے تھے، اور آدھے سموسے اور دو سخت بسکٹوں والا اپنا معمولی راشن کھا رہے تھے جب ہم نے ایک گولی کی آواز سنی۔ چند سیکنڈوں کے اندر اندر ہم 82 افراد پر مشتمل فوج پہ ہر طرف سے اِن گولیوں کی بوچھاڑ ہونے لگی۔ میری بندوق اچھی نہ تھی۔ میں نے جان بوجھ کر یہ مانگی تھی اس لئے کہ دمہ کے دورے نے میری حالت بہت خراب کر دی تھی۔ اور میں ایک اچھی بندوق اپنے پاس رکھ کر اُسے ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔ مگر مجھے اتنا یاد ہے

کہ گولیوں کے تبادلے میں کامریڈ المید ااحکامات لینے آیا، مگر وہاں آرڈر دینے والا کوئی نہ تھا۔ بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ فیڈل نے ایک بے سود کوشش کی تھی کہ ساتھ والے گنے کے کھیت میں اپنے آدمیوں کو از سرِ نو منظّم کرے۔ یہ کھیت ایک چھوٹے سے صاف ٹکڑے کو عبور کرنے کے بعد آتا تھا۔ اچانک ہونے والا یہ حملہ بہت بڑا تھا اور گولیاں بے شمار تعداد میں آ رہی تھیں۔ المید ا اپنے گروپ کا چارج سنبھالنے واپس چلا گیا۔ اسی لمحے ایک کامریڈ نے گولیوں سے بھرا ایک باکس میری قدموں میں رکھ دیا۔ میں نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ مجھے ابھی تک اس کی ذہنی اذیت والا چہرہ یاد ہے۔ جیسے کہہ رہا ہو کہ ''اب کارتوس اٹھائے پھرنے کا کوئی فائدہ نہیں''۔ اور' پھر وہ یک دم گنے کے کھیت کی طرف چل دیا۔ یہ شاید میری زندگی میں پہلی دفعہ تھا کہ میں اس مخمصے میں پھنسا کہ میں خود کو کس چیز کے لئے وقف کر دوں: طب پہ ' یا ایک انقلابی سپاہی کے فریضے کی طرف؟۔ میرے قدموں میں ایک بکسہ پڑا تھا جس میں دوائیاں بھری تھیں اور دوسرا کارتوسوں سے بھرا بکسہ تھا ۔ دونوں کا اٹھانا ممکن نہ تھا۔ میں نے کارتوسوں والا بکسہ اٹھا لیا اور دوائیوں والا پیچھے چھوڑ دیا اور دوڑ کر گنے کے کھیت پہنچا''۔(1)

اُن کی لاشیں گرتی رہیں اور وہ اس ناگہانی حملے سے بچنے کیلئے پہاڑ کی جانب گھسٹتے رہے۔ وہ یوں کہ کاسٹرو مشین گنوں کی گھن گرج کے بیچ کھڑا اپنے نیم زندہ لوگوں سے قائدانہ خطاب کر رہا تھا۔ اچانک تقریر بند' اُس نے اپنی بندوق اور سامان پشت پر رکھا اور'' سائرہ میسرا'' نامی دشوار پہاڑ کی جانب چل پڑا۔ باقی لوگ بھی اس وحشیانہ حملے سے بچ نکلنے اور پہاڑ تک پہنچنے کی کاسٹرو کی خواہش کی تکمیل میں چل دیے۔ بچ جانے والے یہ گوریلے سائیرامیسٹرا پہنچنے کے لئے جدوجہد کرتے رہے۔ بالآخر وہاں زندہ پہنچے۔ کتنے؟ صرف بارہ۔ جی ہاں 82 میں سے صرف بارہ افراد زندہ پہاڑ تک پہنچے۔ فیڈل کاسٹرو نے کہا:

''بس اب ظلم کے دن تھوڑے ہیں، ہم جیت کر رہیں گے''۔

''اس کا دماغ چل گیا ہے''۔ اُس کے ساتھ راڈریگر نے کہا۔

حوالہ

1- گوارا، ارنسٹو چے۔ The Dilemma Of What to Dedicate Myself To. دوماہی Tricontinenta ۔ کیوبا۔ نمبر 83۔ صفحہ 40

کوہ اَنت بلوچانی کلات

سائرامائسترا کیوبا کا طویل سلسلۂ کوہ ہے۔اسی پہاڑ کو کیوبا کے انقلاب کا ہیڈ کوارٹر بنے رہنے کی سعادت نصیب ہونی تھی ۔ اِس پہاڑ نے بتستا آمریت کے خلاف سوشلسٹ انقلاب کے لئے لڑنے والوں کو پناہ اور کیمپ گراؤنڈ مہیا کیا۔

یہ بہت ہی سرسبز پہاڑی سلسلہ ہے۔یہاں جنگلی حیات بکثرت دستیاب ہے۔ یہ صوبہ سنتیا گو میں واقع ہے اور صوبہ گرانما کے ساتھ اُس صوبے کی سرحد بناتا ہے۔سائرامائیسترا فیڈل کاسٹرو کی انقلابی فوجوں کا تو ہیڈ کوارٹر رہا ہی، مگر اُس سے قبل بھی برسوں سے یہ باغیوں کو پناہ دینے کا کام کرتا چلا آیا تھا۔ یہاں بہت تلخ لڑائیاں ہوئیں ۔یہیں پر جوزی مارٹی 1895 میں لڑتے ہوئے شہید ہوا تھا۔

گرانما کے سفر کا بدقسمت انجام ہم پڑھ چکے ہیں۔پہلے سے طے شدہ انتظامات کے برعکس، اور ایک ناموافق صورت حال کا سامنا کرنے کے بعد کاسٹرو کی زخمی، بھوکی، اور تھکی ہاری فوجوں کو بتستا کی فوجوں کی گھنی اور خونخوار صفوں کو چیر کر کوہِ سائرامائیسترا تک پہنچنا تھا۔تباہ کن تکالیف کے بعد وہ وہاں پہنچے۔

انہیں وہاں پہنچنے اور منظّم ہونے میں گیارہ دن لگے۔زندہ بچ کر یہاں پہنچنے والے بارہ آدمیوں میں فیڈل اور راؤل کاسٹرو، چے گوارا (زخمی)، کامیلوسین فیوگوس، جوآن المیدا، ایفیجینو آمیجیر اس، سائروری ڈونڈو، جولیوڈیاز، کیلیکسٹو گارشیا، لوئس کرسپو، جوزی پونس اور یونیورسو سانچز

شامل تھے۔مگر یہاں بھی، اس بدحالی میں بھی کاسٹرو مایوس نہ تھا۔اِس' تازہ دم روح کے مالک کے الفاظ تھے: ''ہم یہ جنگ جیتیں گے۔ہم ابھی تو لڑنے کی ابتدا کر رہے ہیں''۔

ان بارہ آدمیوں نے مل کر پہلی گوریلا یونٹ منظّم کی، سات بندوقوں کے ساتھ!!۔جی ہاں، دنیا کی سب سے سائنٹفک اور کامیاب انقلابی لڑائی کی ابتدا بارہ آدمیوں نے کی اور اُن کے پاس صرف سات بندوقیں تھیں۔

یہ گوریلا لوگ چھوٹے چھوٹے حملے کرتے رہے' چھوٹی چھوٹی فتوحات حاصل کرتے رہے۔اور تھوڑی تھوڑی تعداد بڑھاتے رہے۔بیس دنوں بعد یعنی اگلے سال کے سترہ جنوری تک اُن کے پاس بندوقوں کی تعداد بڑھ کر 23 ہوگئی۔واضح رہے کہ کیوبا کا انقلاب ایک باقاعدہ جنگ سے نہیں، گوریلا جنگ سے آیا۔

کبھی کبھی ہم اس بلوچی مصرعے کا مطلب سمجھنے میں دشواری محسوس کرتے ہیں: شش مرّد بلوچی گھوڑوے (چھ افراد تو بلوچوں کا ایک رجمنٹ ہوتے ہیں)۔کیوبا کا انقلاب پڑھیں تو اندازہ ہوگا کہ بلوچوں کی یہ بات صحیح ہے۔بھئی، کیوبا کی خودرو اور غیر منظّم عوامی بغاوتوں سے ہٹ کر بات کی جائے تو وہاں کی منظّم جدوجہد تو عملاً بارہ افراد (اور وہ بھی زخمی، تھکے ہارے اور بدحال افراد) نے شروع کی تھی۔بس تین چیزیں چاہیے ہوتی ہیں: مقصد کی سچائی، عوام پر پکا ایمان، اور شکست خوردگی کے احساس سے پاک دل۔

مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اتنا بڑا انقلاب صرف بارہ آدمیوں اور ان کے ماہر کمانڈر فیڈل کی وجہ سے ہوا۔نہیں، بالکل نہیں۔ یہ تو شخصیت پرستی ہوگی اور عوام کی توہین والی بات ہوگی۔اس لئے کہ فوجی آمریت کے خلاف نفرت تو پورے کیوبا میں انتہائی حد تک پہنچ چکی تھی۔اور کیوبا کے دوسرے حصوں میں بھی چھوٹی چھوٹی (کہیں منظّم اور کہیں خودرو) سرکار مخالف کارروائیاں جاری تھیں۔

یہ لوگ اچانک حملہ کرنے کا ''گر'' سیکھنے لگے اور اس کے ماہر بن گئے۔مکمل طور پر ایک انفارمل جنگ.......... مگر ایک ایسی انقلابی جنگ جس میں جنگی قوانین کا بہت احترام کیا جاتا تھا،

اپنی جان کی قیمت پر!!۔اپنے وقار کی قیمت پر!!۔جنگی قیدیوں کا بہت خیال رکھا جاتا تھا، ان کی انسانی حرمت کو کبھی آنچ نہ آنے دی جاتی۔ اس پوری جنگ میں ایک بھی ماورائے عدالت قتل رپورٹ نہ ہوئی۔ ایک عورت تک بے عصمت نہ ہوئی۔ ایک آنہ تک بھی بھتہ کے بطور نہ لیا گیا............ بنیادی انسانی اصولوں پہ مشتمل اخلاقیات اس فوج کا اول اصول بھی تھی آخر بھی۔ یہی تو وجہ تھی کہ 25 ماہ کی اس جنگ میں ایک بھی سویلین نہیں مرا۔ بہت ٹارگٹڈ، بہت نپی تلی اور بہت ہی ہوش و حواس والی جنگ۔ انقلابی لوگ عام بے قصور سویلین انسانوں کو بچاتے ہیں، مارتے نہیں۔اسی طرح کاسٹرو کا اعلان تھا کہ دہشت پھیلا کر انقلابی جنگیں نہیں جیتی جاتیں۔خوف پھیلا کر انقلابی جنگ نہیں جیتی جاتی۔انقلابی جنگیں تو عوامی مقبولیت کی بنا پر لڑی اور جیتی جاتی ہیں۔کیوبا کی گوریلا فوج نے اس اصول کو روزِ اول سے اپنی گرہ میں باندھ لیا۔

اسی سال یعنی 1957 کے درمیان تک گوریلا فورس ایک بہت بڑی جنگ لڑ کر جیت گئی ۔جیت تو ایک طرح سے ایک دفعہ پہلے 1952 میں بھی انہیں نصیب ہوئی تھی، جب انہوں نے ''مون کیڈاس'' قلعے پر حملہ کیا تھا اور اسے فتح کیا تھا۔اسی فتح نے تو انقلابیوں کے حوصلے بڑھا دیے تھے۔وہیں تو انہوں نے عزم کیا تھا کہ وہ ''جہالت'' کے مون کیڈاس پر بھی قبضہ کرلیں گے، ''بیماری اور غربت'' کے مون کیڈاس پر بھی قبضہ کرلیں گے۔''پرانے خیالات'' کے مون کیڈاس پر بھی حملہ کر کے اسے تہس نہس کر دیں گے۔ سچی بات ہے کہ اس اولین فتح نے ناتجربہ کاری کے لفظ کو انقلابیوں کے دل سے مٹا دیا تھا، اور وسائل کی کمی کے تاثر کو ختم کر دیا تھا۔

اُس کے بعد اب 1957 میں انہیں یہ نئی بڑی کامیابی نصیب ہوئی۔کاسٹرو اور اس کے ساتھی دشمن کو پیٹنے کے راز پہ مکمل عبور حاصل کرتے ہیں۔

انقلابیوں کا ایمان ہوتا ہے کہ عوام الناس کو اندھیرے میں نہ رکھا جائے۔ اس لئے انہوں نے فیصلہ کیا کہ اپنے انقلابی مقاصد کو تحریری انداز میں عوام کے سامنے لایا جائے۔ چنانچہ انہوں نے ''سائرہ مائیسترا کا منشور'' کے نام سے ایک انقلابی دستاویز شائع کی۔جس میں عوام سے اپیل کی گئی کہ وہ فوج کی آمریت، انسانی حقوق کی خلاف ورزی، اور پولیس کے جرائم کے خلاف

ایک عوامی انقلابی محاذ قائم کریں۔

یہاں بڑھتے بڑھتے گوریلا فورس نے اس حد تک ترقی کی کہ اس کی ایک اور رجمنٹ قائم کی گئی۔اور یہیں پہ گوریلا فوج میں کسی لڑاکا کو پہلی ترقی دی گئی، اور اُسے کمانڈر کے عہدے پر ترقی مل گئی۔وہ لڑاکا سپاہی چے گویرا تھا۔۔۔اور ترقی دینے والا تھا: فیڈل کاسٹرو۔

اُدھر سرکار کی بدقسمتی آئی ہوئی تھی۔ اُس نے چھبیس جولائی کی تحریک کے ایک راہنما 'فرینک پاٹس' کو قتل کر دیا۔عوام الناس کے دلوں میں بسنے والے اس انقلابی کے جنازے میں ساٹھ ہزار افراد شریک ہوئے۔(جی ہاں انقلاب صرف بارہ افراد کے داؤ پیچ کا کمال نہیں ہوتا)۔اُس وقت ''سنتیاگو'' شہر تین دن تک مکمل طور پر بند کر دیا گیا۔ساتھ ہی فیڈل کی قیادت میں ایک دستے نے سرکاری فوج کی ایک رجمنٹ پر حملہ کر کے اسے تباہ کر دیا۔

انقلابی فوج کو ایک اخبار نکالنے کی شدید ضرورت کا احساس ایک عرصے سے تھا۔اُس پر بالآخر وہ نومبر 1957 میں عمل کرنے میں کامیاب ہوئے۔چے گوارا نے پہاڑ سے، بے سامانی میں'' آزاد کیوبن'' نامی اخبار نکال کر دکھایا۔

انقلابی گوریلے تعداد، تنظیم اور اسلحہ میں بہتر ہوتے گئے۔ اس لئے کہ انقلاب کا روحِ رواں طبقہ یعنی کسان 'اس میں نہ صرف شامل ہوتا رہا بلکہ اس نے اُسے خوراک اور دیگر ضروریات کی سپلائی بھی جاری رکھی۔ کسان اِس انجان پہاڑ پر اُن کی راہ نمائی بھی کرتے تھے۔ علاوہ ازیں وہ انہیں سرکاری فوجوں کی نقل وحرکت کی خبریں بھی پہنچاتے تھے۔

دوسری طرف فوجی آمر بتستا کے ساتھ بورژوازی کھڑی تھی، جس کی پشت پر امریکہ مستعدی کے ساتھ موجود تھا۔سکرات میں پڑے اپنے اِس اتحادی کو بچانے کے لیے اُسے گولہ بارود ، جہاز، ٹینک اور بحری جہاز تسلسل کے ساتھ مل رہے تھے۔مگر امریکہ کی پشت پناہی تو ویسے ہی، ایک بدقسمتی ہوتی ہے۔

حکومت کو ایک اور بہت بڑا نقصان پہنچنے والا تھا۔''جی گو' جنگ ہوگئی۔ یہ جنگ 1958 کے جولائی کے وسط میں شروع ہوئی جو دس دن تک جاری رہی۔اس دلچسپ جنگ کا قصہ یوں ہے

کہ سرکاری فوجوں کی ایک بٹالین' باغی افواج کے ہیڈکوارٹر کے قریب دریا کے کنارے کیمپ لگائے ہوئے تھی۔ انقلابی فوجوں نے کمال مہارت اور پُھرتی کے ساتھ اس کا محاصرہ کرلیا۔ تین دن بعد محاصرے میں پڑی سرکاری فوجوں کا راشن وغیرہ ختم ہوگیا۔ انہوں نے محاصرہ توڑنے کی کئی کوششیں کیں۔ مگر ناکام رہے۔ اگلے روز ہوائی فوج نے اپنے محاصرہ میں پڑی فوج کی مدد کے لئے کارروائی کی۔ اور صبح سے لے کر دوپہر تک بغیر رکے ناپام بم برستے رہے، گولیوں گولوں کی بوچھاڑ ہوتی رہی۔ فصلیں اور جنگل جل کر راکھ ہوئے مگر کاسٹرو کا ایک ساتھی بھی اپنی جگہ سے نہ ہلا۔

دلچسپ بات دیکھئے کہ اُسی روز کاسٹرو کو پتہ چلا کہ محاصرے میں پڑی دشمن فوجوں کا کمانڈر تو یونیورسٹی کے زمانے کا اُس کا کلاس فیلو ہے۔ چنانچہ اس نے ایک گرفتار سرکاری فوجی کو رہا کردیا اور اُس کے ہاتھ اِس کمانڈر کو خط بھیجا:

''مجھے یہ بہت ہی افسوس ناک خبر ملی کہ محاصرہ میں آئی فوج کی کمان آپ کر رہے ہیں۔ ہمیں معلوم ہے کہ آپ اکیڈمی کے ایک تعلیم یافتہ اور باعزت افسر ہو۔ آپ کے پاس قانون کی ڈگری ہے۔ آپ جانتے ہو کہ آپ کے سپاہی اور آپ خود جس مقصد کے لئے قربانی دے رہے ہیں اور مر رہے ہیں، وہ باطل مقصد ہے''۔

کاسٹرو نے اُسے باوقار انداز میں ہتھیار ڈالنے کی پیشکش کردی۔ ''آپ یہ پیشکش قبول کرلو۔ آپ مادرِوطن کے دشمن کے سامنے ہتھیار نہیں ڈال رہے ہوں گے بلکہ ایک مخلص انقلابی کے سامنے، ایک ایسے شخص کے سامنے ہتھیار ڈال رہے ہوں گے جو سارے کیوبائیوں کی بہبود کے لئے لڑ رہا ہے بشمول اُن سپاہیوں کے بھی جو ہم سے لڑ رہے ہیں۔ آپ ایک یونیورسٹی کلاس فیلو کے سامنے ہتھیار ڈال رہے ہوں گے جو کیوبا کے لئے وہی کچھ چاہتا ہے جو آپ چاہتے ہو''۔

ظاہر ہے اس افسر نے انکار کردیا۔ مگر چار دن بعد بھی اس کی مدد کو آنے ولا ہر سرکاری حملہ ناکام کردیا گیا۔ محاصرین بھوک، تھکاوٹ اور بے خوابی کے ہاتھوں بہت عذاب میں تھے۔ چھٹے دن کاسٹرو نے صبح چھ بجے سے دس بجے تک فائر بندی کا حکم دیا۔ سرکاری فوجوں کے بھوکے، پیاسے اور نڈھال سپاہی ایک ایک کر کے انقلابی سپاہ کے پاس پانی، خوراک اور سگریٹ مانگنے کے لئے

نکلتے رہے۔ انقلاب نے انہیں گولی نہیں ماری بلکہ اپنا ہی راشن آدھا کر کے دیا۔ تو پھر بھلا وہ کیوں نہ رو رو کر انقلاب کے گلے لگتے۔ اگلے دن تو پورے کے پورے دستے نے ہتھیار ڈال دیے۔ کمانڈر نے بھی۔ اور پھر جب اُس نے کئی دن کاسٹرو کے ساتھ گزارے، اس کے مقاصد معلوم کیے، اس کے عزائم دیکھے اور اس کا طریقِ کار دیکھا تو وہ نہ صرف انقلابی بنا بلکہ انقلاب کی کمان میں شامل ہوا اور کئی دوسرے سرکاری دستوں کو بھی انقلاب کی طرف پلٹ جانے کا سبب بنا............ انقلاب متعدی بیماری ہے' یہ پھیلتا ہے۔

منشور اور اخبار جاری کرنے کے بعد اب گوریلوں نے آزاد کردہ علاقے سے ریڈیو نشریات شروع کردیں۔ اور یوں وہ نچلے اور درمیانہ طبقات کی ایک وسیع اکثریت کو متاثر کرنے لگے۔

عورتوں کی گوریلا تنظیم

کیوبائی انقلاب ایک حیرت کدہ انقلاب تھا۔اب اُس انقلاب نے ایک اور حیرت انگیز کام کردیا تھا۔اس نے 4 ستمبر 1958 میں ''ماریانا'' نامی عورتوں کی ایک گوریلا فوج منظّم کرڈالی ۔ کاسٹرو نے اس گوریلا فوج کی ٹریننگ خود کی۔ یہ فوج دفتروں کمروں میں نہیں بیٹھی بلکہ دھکتی جنگوں میں کود پڑی۔اس یونٹ نے ان جنگوں میں اہم رول ادا کیا۔کاسٹرو نے لکھا کہ عورتوں کی اِس فوج کی کارکردگی مردوں کے دستوں کی بہ نسبت بہت بہتر تھی۔(1)۔کیوبا کے مردوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ عورت تو لڑسکتی ہے، زخمی ہوسکتی ہے،شہید ہوسکتی ہے۔اور جب مردوں نے ایسا عملی طور پر ہوتے ہوئے دیکھا تو عورتوں کے بارے میں ان کے تعصّبات اور حقارت کافور ہو گئے ۔۔۔۔انقلابی عمل ذہنوں کو آزاد کرتا ہے۔بالخصوص اوریانٹے کے علاقے میں ایک سرکاری گیریزن کو تباہ کرنے میں اس رجمنٹ کا اہم رول تھا۔

اسی رجمنٹ کا بیج پھر ایک بار آور درخت بنا۔یوں کہ انقلاب کے بعد اگست 1960 میں کیوبا میں عورتوں کی جمہوری تنظیم قائم ہوئی جس کا نام ''فیڈریشن آف کیوبن ویمن'' رکھا گیا۔ اس کی سربراہ وِلما ایسپن تھی (7 اپریل 1930 ۔۔۔۔18 جون 2007)۔ یہ زبردست کمیونسٹ خاتون، راؤل کاسترو کی رفیقۂ حیات تھی۔

سنتیا گوڈی کیوبا نامی شہر میں پیدا ہونے والی وِلما ایک کیمیکل انجینئر تھی۔ 1950 کی دہائی میں وہ امریکہ میں کیمیکل انجینئرنگ کی طالبہ تھی۔اس نے طلبہ اور اپوزیشن کی کئی کاروائیوں

میں حصہ لیا۔1953 میں ہوانا کے جلوس میں ایک طالب علم کی موت نے اس کے انقلابی خمیر کو پختہ تر کرلیا۔وہ جیلوں اور ہسپتالوں میں پڑے انقلابیوں کی مدد کرنے لگی۔اس نے کئی انقلابیوں کو اپنے ہاں پناہ دی۔

وہ ''ایسٹرن ریوولیوشنری ایکشن نامی'' تنظیم کی بانیوں میں سے تھی جس کا نام بعد میں نیشنل ریوولیوشنری ایکشن رکھا گیا۔History will absolve me کے مطالعے نے اس کی نظریات کو مضبوطی بخشی۔اُس کی سمت واضح ہوگئی۔اُس نے اس مضمون کو بڑے پیمانے پر لوگوں میں بانٹا۔

1954 میں اس کی تعلیم مکمل ہوگئی اور وہ انقلابیوں کے ساتھ راوبط جاری رکھے ہوئی تھی۔ 1955 کے اواخر میں ''اوریانٹے'' کے مقام پر ''26 جولائی انقلابی تحریک'' کی بنیاد ڈالی گئی۔ وہ اس کی بنیادی لوگوں میں سے تھی۔جون 1956 میں وہ میکسیکو گئی اور فیڈل کاسٹرو سے ملی جو وہاں جلاوطن تھا۔وہ اس کے پیغامات واپس کیوبا لائی تھی۔یوں وہ مکمل انقلابی بنی۔اپنی آرام دِہ زندگی کے باوجود اُسے ایک ذرا سے مشاہدے نے کیا سے کیا بنا ڈالا:

''گلی میں بھکاری کیوں ہیں؟''۔اسی سوال کے جواب میں وہ اس نتیجے پر پہنچی کی ایک طبقاتی انقلاب کے بغیر بھیک اور تذلیل انسانیت کا حصہ ہی رہیں گی۔وہ 26 جولائی کی تحریک اور فیڈل کے درمیان پیغام رسانی کا کام کرتی رہی۔وہ میکسیکو میں راؤل کاسٹرو سے ملی۔ اس نے سنتیا گو میں انقلاب کی تیاری شروع کردی۔اُس کا گھر گویا اُس علاے میں انقلاب کا ہیڈ کوارٹر بنا۔وہ پھر 1957 میں کوہِ سائیرا مائسترا میں انقلابیوں کی مدد کرنے گئی۔ وہ پورا 1958 کے سال انقلابی کاروائیوں میں مصروف رہی اور سائرا مائسترا کی اہم ترین میٹنگوں میں حصہ لیتی رہی۔ ''اوریانٹے'' تو سمجھو انقلابی جدوجہد کا قلعہ تھا۔

یکم جنوری 1959 میں وہ اپنے آبائی شہر سنتیا گو ڈی کیوبا میں فتح مندطور پر داخل ہوئی۔

عملی انقلاب میں عورتوں کا شاندار حصہ ایسی ہی عورتوں کے مرہونِ منت رہا۔

وہ 47 برس تک اس انقلابی تنظیم (فیڈریشن آف کیوبن ویمن) کی سربراہ رہی۔

اس کی اور راؤل کی شادی جنوری 1959 میں ہوئی۔اُن کے چار بچے ہیں۔تین بیٹیاں اور ایک بیٹا۔

اَیسپن 1960 میں کیوبا کی عورتوں کی تنظیم ''فیڈریشن آف کیوبن ویمن'' کی اولین صدر بنی اور اپنی موت تک اُس تنظیم کی صدر رہی۔35 لاکھ خواتین اس تنظیم کی ممبر ہیں۔وہ کمیونسٹ پارٹی آف کیوبا کی پولٹ بیورو کی ممبر بھی تھی۔ایسپن ایک طویل بیماری کے بعد 18 جون 2007 میں انتقال کر گئی۔

سلیا سانچیز (9 مئی 1920..........11 جنوری 1980) کیوبائی عورت کی نجات تحریک کی اہم ترین لوگوں میں سے تھی۔جب بھی کیوبا کے انقلاب کا تذکرہ چھڑے گا تو سلیا کا نام شان اور احترام سے لیا جائے گا۔ بلاشبہ کیوبا کے انقلاب کی روح میں سلیا کی مہر اور نشانات موجود ہیں۔

اس نے 1953 میں تاریخ بنانا شروع کی جب وہ اپنے والد کے ساتھ سائرا مائیسترا کی چوٹی پر چڑھی اور قومی ہیرو جوزی مارٹی کے مجسمے کو سلامی دی۔یہ مارٹی کی سوواں سالگرہ تھی۔

انقلابی جدوجہد کے برسوں میں اس نے History will absolve me بانٹے، اُن لوگوں کو متاثر کن پیغام بھیجے جو مونکیڈا میں زندہ بچے اور مشرقی کیوبا میں 26 جولائی تحریک کی اولین تنظیم بنائی۔وہ ملک کے جنوب مشرقی علاقے میں اِس تحریک کی سربراہ تھی۔

اس نے گرانما نامی کشتی مہم کے لوگوں کی ساحل پر اترنے میں مدد کی، باغی فوجوں کی خفیہ آمدورفت اور لوگوں میں اس فوج کو مقبول بنایا۔اس نے سائیرا مائسترا پہاڑ میں اپنے بہترین انتظام کاری کے جوہر دکھائے۔دوسرے لفظوں میں اس نے فیڈل اور اس کے ساتھی مٹھی بھر انقلابیوں کو زندہ رکھنے کا فیصلہ کن کام کیا۔ ہوا یوں کہ جب انقلابی جنگ شروع ہوئی تو سلیا کو وِ سائیرا مائسترا کے ابتدائی مشکل مہینوں میں باغی فوج کے اہم بیس کیمپ کی نگرانی کی ذمہ دار تھی۔اور اکتوبر 1957 میں گوریلا تحریک کے اندر اس کی فیصلہ کن شمولیت کے بعد اُس سرگرمی کا وہ اہم ترین فرد بن گئی۔اس نے شان اور محبت کے ساتھ ایک ساتھی کی بجائے ماں کا رول اپنا لیا، ہر باغی انقلابی سپاہی کے لیے، اُن کی فیمیلیوں کے لیے۔سائیرا میں وہ رسل و رسائل اور خوراک کی مسلسل فراہمی کو

یقینی بنانے کی انچارج تھی۔اس کے بعد اس نے اسی سائرا سے انقلاب کا مسوداتی عملدرآمد کرنے والی کا رول بھی اپنے ذمہ لیا۔اس کی صحیح صحیح وژن اور تاریخ کے عظیم احساس کی بدولت، اُس تاریخ کے مسودات کو محفوظ رکھنے کے لیے اس کے پرجوش ولولہ اور گہری وابستگی کی بدولت یہ اب ممکن رہا کہ اُس کھری سٹرگل اور جزئیات بھری کہانی کو مرتب کیا جائے۔

انہی سائرا کے دنوں میں اس نے اپنے والد کو ایک خط میں لکھا: ''ہر روز میں دیکھتی ہوں کہ یہ انقلاب کیوبا کے لیے کس قدر ضروری تھا۔ایک انقلابی ضمیر پیدا ہو چکا ہے..........اب عوام خود اپنے جذبات کا ادراک رکھتے ہیں اور انقلاب ہر چیز سے بالاتر چل رہا ہے''۔

سلیا گوریلا فوج میں شامل ہونے والی پہلی عورت تھی۔بہت سادہ اور بہت منکسر المزاج انسان۔اسی کی محنت سے ماریانا گراجالیز سکواڈ قائم ہوا جو صرف عورتوں پر مشتمل تھی۔اس نے ایل یو ویرو، پنیو ڈیل آ گوآ، اور گویسا کی جنگوں میں حصہ لیا۔

یہ انقلابی عورت یکم جنوری 1959 کو انقلابی افواج کے سنتیا گوڈی کیوبا نامی شہر میں داخلے کے وقت فوج میں موجود تھی۔اسی طرح وہ اس شہر سے ہوانا کی طرف آزادی کاروان میں بھی موجود تھی۔اس کا بڑا انقلابی رول یہ تھا کہ وہ موجود تھی، اتھارٹی، توانائی اور مسکراہٹ کے ساتھ، لوگوں سے قریبی رابطے کے ساتھ، ناقابلِ بیان انکساری کے ساتھ، ڈسپلن کے ساتھ، وفاداری اور انقلابی روح کے ساتھ، عوام اور انقلاب کے لیے محبت کے ساتھ۔وہ ایک مکمل عورت تھی، ایک محبِّ وطن انٹرنیشنلسٹ عورت، ایک لڑنے والی، انقلابی، کمیونسٹ عورت۔سلیا کو ''انقلاب کا سب سے دیسی پھول'' کا نام ملا تھا، اس لیے کہ وہ انصاف کے لیے مشہور تھی۔بے شمار لوگ اسے خطوط لکھتے تھے اور وہ اُن کے مسائل حل کرتی تھی، انہیں مشورے دیتی تھی، اُن کی راہنمائی کرتی تھی۔اس نے خصوصی طور پر اُن بچوں کی تعلیم اور دیکھ بحال کو یقینی بنایا جن کے انقلابی والدین انقلابی جنگ میں مارے گئے۔

ایک بار فیڈل نے اس کے بارے میں کہا تھا:

''مجھے سلیا کی طرف سے منظّم کردہ چیزوں پر ہمیشہ ایک لامحدود اطمینان رہا ہے۔اس

کے ہاتھ، اس کے خیالات کبھی بھی کسی چیز سے غیر حاضر نہیں رہے۔ جس آرٹسٹی کے ساتھ اس نے چیزیں کی ہیں، جس محبت کے ساتھ اُس نے وہ کی ہیں، جس طریقے سے اس نے گوریلاؤں کو ایجوکیٹ کیا ہے، جس طریقے سے وہ ہر شخص کو جانتی تھی اور ہر کسی کے کام کو سراہتی تھی۔ مجھے ہر اس چیز پہ عظیم اطمینان رہا جو وہ کرتی تھی جب وہ منظّم کرتی تھی، منتخب کرتی تھی، مدد کرتی تھی اور ایجوکیٹ کرتی تھی''۔

سیلیا کمٹ منٹ کا دوسرا نام تھی، عوام کے کاز کے ساتھ ٹوٹل کمٹ منٹ، انقلاب اور فیڈل کے کام کے ساتھ ٹوٹل کمٹ منٹ، تخلیقی کام کے لیے نہ روکا جاسکنے والا کمٹ منٹ۔

انقلابی کا سب سے بڑا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ عوام کی انفرادی اور سماجی ضرورت سے لا تعلق نہ رہے۔ لوگوں کو یقین ہو جائے کہ ''فلاں'' انقلابی کو اگر پتہ ہے تو یقیناً وہ حل ہوگا، اس لیے کہ وہ اس میں ضرور شامل ہوگا۔

انقلاب کے بعد سیلیا کی ذمہ داریاں تو دیکھیے: کونسل آف سٹیٹ کی سیکریٹری، پارلیمنٹ کی ممبر، کمیونسٹ پارٹی آف کیوبا کی مرکزی کمیٹی کی ممبر، اور فیڈریشن آف کیوبن ویمین کی قومی لیڈر شپ کی ممبر۔

وہ اپنی موت تک عوام الناس کی بہبود کے لیے سرگرم رہی۔ فیڈل کاسٹرو کے ساتھ اس کی سیاسی اور انقلابی رفاقت بیس برس سے زیادہ تھی۔ کہتے ہیں کہ اس کی مسکراہٹ بہت مہربان اور میٹھی تھی۔ اُس کے الفاظ مہربانی سے بھرے تھے۔ اور اس کا جسم و ذہن انقلاب کے اخلاقی، نظریاتی اور سیاسی اصولوں کے دفاع کے لیے ہمہ وقت تیار رہتے۔ وہ اپنے انقلابی لیڈر کا سمجھو ہمزاد تھی۔ وہ عوام اور فیڈل کے بیچ ہمہ وقت رابطے کا ذریعہ تھی۔ اپنی اپنی پوزیشنوں، ساختوں اور کام کی نوعیّتوں کے باعث وہ ایک ہی کاز میں مختلف جگہوں اور شعبوں میں کام کرتے تھے مگر سیلیا اپنے تجربات، مشاہدات اور عوام کی دلچسپیوں، تشویشوں، تفکرات اور انقلابی اقدامات پر ردعملوں سے ہمہ وقت فیڈل کو آگاہ رکھتی تھی۔ وہ فیڈل میں عوام کو دیکھتی تھی، عوام سیلیا میں فیڈل کو دیکھتے تھے۔

سیلیا کا موٹو تھا: انقلاب سب چیزوں سے اوپر۔

فیڈریشن آف کیوبن ویمن (FMC) کے مقاصد یہ ہیں:

* عورتوں کو گھروں سے باہر معیشت میں لانا
* کسان کنبوں کی از سرِ نو تنظیم جو کہ عورتوں کو تابعدار حالت میں رکھتے ہیں۔
* گھریلو کام اور بچوں کی نگہداشت کے کام کو متبادل فراہم کرنا۔
* عورتوں کے لیے مساوی مواقع مہیا کرنا
* عورتوں کو سیاسی کام اور حکومتی انتظامیہ میں متحرک کرنا۔
* عورت کی جسمانی ساخت کی خصوصی ضروریات کو پورا کرنے اور ایک ماں کے بطور عورتوں کی اخلاقی اور روحانی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے مناسب حالات کا مہیا کرنا۔

حوالہ

1۔ کاسٹرو، فیڈل۔ 2008، مائی لائف۔ صفحہ 234

انقلاب کا بگل بجتا ہے

رفتہ رفتہ ہر طرف سے فتوحات کاسٹرو کے قدم چومنے لگیں۔ اُسے فتح پر یقین بھی بہت گہرا تھا اس لئے کہ اسے عوام پر یقین تھا، اپنے کاز پر یقین تھا۔ اس کے ساتھی جنگ کے مورچوں میں گرتے رہے، بڑھتے رہے۔ بارہ آدمی کی شروع کردہ انقلابی جنگ اب باضابطہ چار محاذوں پہ فتوحات حاصل کرنے والی فوج میں ڈھل گئی تھی۔ ایک ایسی فوج جو گیریزنوں پر گیریزنیں فتح کرتی چلی جارہی تھی۔

دسمبر 1958 تک بے شمار چھوٹے شہر گوریلوں کے قبضے میں آگئے۔ دلچسپ بات یہ تھی کہ قبضہ کرتے ہی وہاں اصلاحات نافذ کردی جاتی تھیں۔ ہم شہروں کے نام نہیں لکھتے کہ اُن کے نام بہت لمبے اور مشکل ہیں۔ کیوبا کے یہ شہر ایک ایک کر کے انقلابی ہوتے گئے اور سال کے اختتام تک سانتا کلارا نامی بڑا شہر بھی انقلابی ہوگیا۔ اور کیوں نہ ہوتا۔ ایک ایسا چھوٹا ملک جہاں ساڑھے گیارہ ہزار عورتیں اپنے بچوں کا پیٹ پالنے کی خاطر عصمت بیچنے پر مجبور ہوں وہاں انقلاب آنا تو یقینی بات ہوتی ہے۔۔۔۔''بشرطیکہ'' کوئی انقلاب کرنا چاہے!!

1959 کے نئے سال کے دن جب ایک طرف چے گویرا نے سانتا کلارا نامی شہر پر قبضہ کرلیا تو دوسری طرف کاسٹرو اور اس کے ساتھیوں نے ''سنتیاگو'' پر انقلاب کا جھنڈا لہرادیا اور یہ شاندار الفاظ کہے!''انقلاب ابھی شروع ہوتا ہے............عوام الناس کی محبت سے بڑھ کر اور کیا شان وشوکت ہوگی؟۔ ہماری طرف امید، اعتماد اور محبت بھرے اِن ہزاروں لہراتے ہوئے بازوؤں

سے بڑا انعام اور کیا ہوسکتا ہے؟''۔

دنیا نے داڑھیوں اور بندوقوں کو دیکھ لیا تھا، اور یہ جنگ ''داڑھیوں والوں کی جنگ'' کے بطور ہر جگہ متعارف ہوچکی تھی۔ مگر ان داڑھیوں اور بندوقوں کے پیچھے تو عوام کا سمندر موجود تھا۔ کاسٹرو کا نام ہی ایک بینر، ایک پرچم بن چکا تھا۔

............اور پھر ہوا یوں کہ فوجی آمر جنرل بتستا اپنے خاندان، اور قریب ترین ساتھیوں کے ساتھ ایک جہاز پر بیٹھا اور علی الصبح کیوبا سے بھاگ گیا۔ اُسی روز یعنی یکم جنوری 1959 کو چے گویرا کے زیرِ کمان رجمنٹ نے دارالحکومت ہوانا پر قبضہ کرلیا۔ اور اس کے انقلابی انتظامات سنبھال لیے۔

کچھ دن بعد کاسٹرو بھی دوسری طرف سے فتوحات کرتا ہوا دارالحکومت ہوانا میں داخل ہوا۔۔۔اور ساتھ ہی اپنی روایتی سچائی ساتھ لایا۔ سچائی جو انقلابی کی محض اخلاقی محبوبہ ہی نہیں ہوتی بلکہ اُس کی حکمت عملی کا ایک اہم جزو بھی ہوتی ہے۔ آپ یقین کرلیں کہ آپ کو پوری دنیا میں ایک بھی ایسا انقلابی نہیں ملے گا جس نے اپنی تحریر یا تقریر میں جھوٹ بولنے کو اچھا کہا ہو۔ جھوٹ تو انقلابی کے لئے زہر ہوتا ہے۔ انقلابی کا ہتھیار تو دلیل ہوتا ہے، اخلاقیات ہوتی ہے، سچائی ہوتی ہے، ایک ارفع آئیڈیا کے دفاع کرنے کی قابلیت ہوتی ہے۔ جھوٹ تو ہزار برائیاں ساتھ لاتی ہے۔۔۔۔اور انقلابی تو برائیوں سے پاک ہونے چاہییں۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہوانا میں داخل ہونے کے دن اِس سچے انقلابی نے عوام سے کہا: ''آمریت کو شکست دی جاچکی ہے۔ خوشی بے پایاں ہے۔ مگر ابھی تک بہت کچھ کرنا باقی ہے۔ ہم یہ سمجھ کر خود کو دھوکہ نہیں دے سکتے کہ آج کے بعد ہر چیز بہت آسان ہوگی۔ یہ شاید بہت مشکل ہو''۔ مگر ساتھ میں یہ فقرے بھی اُس نے اُسی روز کہے تھے: ''اِس بار انقلاب کو تباہ نہ کیا جاسکے گا۔ اس بار کیوبا کی خوش قسمتی سے انقلاب اپنے مقاصد حاصل کرلے گا۔ اس بار 1898 کی طرح نہیں ہوگا جب امریکی آئے تھے۔ اور خود کو ہمارے ملک کا مالک بنادیا تھا''۔

دنیا میں ہر ملک انقلاب کا اپنا ذائقہ ہوتا ہے۔ کیوبا کا انقلاب بقول کاسٹرو: ''عاجزوں کا

انقلاب، عاجزوں کی طرف سے انقلاب، اور عاجزوں کیلئے انقلاب'' تھا۔

یہ ایک ایسا انقلاب تھا جو حتمی طور پر وہاں کا اپنا، وہاں کا دیسی انقلاب تھا............ کیوبا کے اندر سوشلزم کلوننگ کے ذریعے نہیں آیا۔ یہ انقلاب سراسر اپنے انداز کا تھا' بالکل مقامی دیسی، بالکل انوکھا' بالکل تازہ بہ تازہ۔ دنیا میں ہر انقلاب کا ڈھنگ مختلف ہوتا ہے۔ کوئی بھی انقلاب کسی دوسرے انقلاب کی نقل نہیں ہوتا۔ نقل صرف امتحان میں کرنا ہی برا فعل نہیں ہے بلکہ دنیا کے ہر امتحان میں نقل کرنا برا ہوتا ہے۔ اور انقلاب تو سب سے پاک امتحان ہوتا ہے۔ اُس میں نقل کی کیا گنجائش؟۔ ہاں ایک انقلاب دوسرے انقلاب پر اثر ضرور ڈالتا ہے، اسے مستفید ضرور کرتا ہے، اس کے لیے اسباق لاتا ہے، اسے غنی بناتا ہے۔

کیوبا کا یہ انقلاب دنیا میں اُس وقت تک آئے ہوئے تمام انقلابات سے مختلف انقلاب تھا۔ اور کیوبا کے انقلاب کی یکتائی اور اچھوتا پن یہ ہے کہ اس انقلاب کے گوریلاؤں نے پہلی بار کمیونزم کو لاطینی امریکہ میں جنم دیا تھا۔

واضح رہے کہ انقلاب کے دن اس انقلاب کا راہبر کاسترو محض 32 سال کا تھا۔(1)

یہ دلچسپ ہے کہ 26 جولائی کو کیوبا کا انقلاب ناکام ہوا تھا اور 1905 میں روسی انقلاب ناکام ہوا تھا۔ اسی طرح یکم جنوری 1959 کو کیوبا کا انقلاب کامیاب ہوا تھا اور 1917 کو روسی انقلاب بالآخر کامیاب ہو گیا تھا۔ کاسترو بتاتا ہے کہ 26 جولائی کی ناکام بغاوت اور پھر یکم جنوری 1959 کے کامیاب انقلاب کے وقتوں سے اُسے جرمن فلاسفر کانٹ کی تین باتیں حفظ رہیں :

1۔ ایک عقلمند شخص ہی اپنا ذہن تبدیل کرسکتا ہے۔ ایک ضدی شخص کبھی نہیں۔

2۔ اپنے مفاد کے لئے دوسروں کو استعمال نہ کرو۔

3۔ صرف اور صرف تعلیم سے ایک انسان بالآخر انسان بن سکتا ہے۔

کیوبا کے انقلاب کے نتیجے میں راؤل کاسترو اکتوبر 1959 میں انقلابی فوج کا وزیر مقرر ہوا۔ راؤل بلا مبالغہ انقلاب اور کیوبا کے استحکام کا ضامن رہا۔ میامی کے ایک انقلاب دشمن کیوبن نے

کہا تھا: 'دونوں بھائیوں میں سے ہر ایک بہت خطرناک ہے، مگر جب دونوں مل جائیں تو تصور تک کرنا بھی وحشتناک ہے''۔(2)

کیوبا نے اس جنگ کا دوسرا اہم محاذ اس وقت جیتا جب اس نے سارے جنگی قیدی فوراً اور بلامشروط رہا کر دیے۔ سارے پکڑے گئے افسروں اور سپاہیوں کو ریڈ کراس کے حوالے کر دیا گیا، محض ان کا اسلحہ رکھا گیا اپنے انقلاب کے پاس اور اپنے انقلاب کے لئے۔

کاسترو کیوبا پر فتح حاصل کرنے کے بعد صدر، شہنشاہ یا وزیر اعظم وغیرہ نہ بنا، بلکہ اس نے ''اُروشیا'' کو ملک کا صدر بنایا۔ کابینہ بھی اُروشیا اور 26 جولائی تحریک نے مل کر بنائی۔ جوزی میرا کارڈونا کو وزیر اعظم بنا دیا گیا۔ اس کی کابینہ میں لیفٹ، رائٹ سب کچھ شامل تھا۔ کاسترو نے کوئی سیاسی عہدہ نہ لیا۔

حوالہ جات

1۔ رابرٹ سروس۔ کامریڈز۔ 2008۔ ملک ملن لمٹڈ۔ صفحہ 342

2۔ لائیل، بریان۔ آفٹر فیڈل۔ Palgrave2007۔ صفحہ 20

اشرف عادتیں۔۔۔کامیابی کی ضمانت

شخصی اچھی عادتیں انقلابیوں کا اثاثہ ہوتی ہیں۔ ذہنی وجسمانی ہر دو طرح سے پاک، صاف، اور ستھرا انسان اپنے خیر کے مقاصد میں جلد کامیاب رہتا ہے۔ کاسٹرو انہی اچھی عادتوں سے سرشار ہے۔

فیڈل کاسٹرو کو خودنمائی سے شدید نفرت ہے۔ وہ اپنی نجی زندگی کو مشتہر کرنے کی سخت مزاحمت کرتا رہا ہے۔ اس پر سینکڑوں کتابیں لکھی گئیں، مضامین چھاپے گئے، انٹرویو لئے گئے، مگر پھر بھی وہ اپنی ذات کی نمائش سے احتراز کرتا ہے۔ ایک بار جب اُس سے اس بارے میں سوال کیا گیا تو اس نے کہا: ''ہم کبھی بھی شخصیت پرستی کی تبلیغ نہیں کرتے۔ آپ کو کہیں بھی میرا مجسمہ نظر نہیں آئے گا، نہ میرے نام سے کوئی سکول، گلی یا چھوٹا سا گاؤں ملے گا۔۔۔''۔ اس لئے کہ برسوں پہلے اُس کے اصرار پر ایک قانون منظور کیا گیا تھا جس میں پبلک مقامات پر کسی بھی زندہ لیڈر کا مجسمہ لگانے پر پابندی لگادی گئی تھی۔ اسی طرح سڑکوں، پارکوں اور قصبوں کا نام بھی کسی زندہ لیڈر کے نام پہ رکھنا خلاف قانون قرار پایا۔ فیڈل کاسٹرو دنیا کے اُن چند سربراہانِ مملکت میں سے ایک ہے جو اپنے ملک کے میڈیا میں بہت کم آتا رہا۔ نہ ہی ''اعلیٰ حضرت، محترم، شیر، قائد، چیف، استاد، بابائے فلاں، یا پھر شیرِ کیوبا'' جیسے بکواس القابات اس نے خود پہ اوڑھنے دیے۔

اور محبت تو وہ ہوتی ہے جو لوگوں کے دل میں موجود ہو۔ کاسٹرو کی بات یہ ہے کہ جب عوام الناس کے دلوں زبانوں پہ لفظ ''فیڈل'' موجود ہو تو پھر اور کونسا لفظ، لقب، خطاب اور مرتبہ ہے

جو اِس لفظ سے زیادہ محترم ومحبوب ہوگا۔ وہ تو عمل کا آدمی رہا ہے' شان وشوکت کا نہیں۔ وہ اپنے لوگوں کو بار بار بتاتا رہتا ہے کہ کاسٹرو سے لے کر لینن تک سب انسان تھے۔ سب ہم آپ جیسے انسان تھے۔ چنانچہ نجی زندگی کے کسی بھی قسم کے کروفر کو ترک کرتے ہوئے لگتا ہے اس نے ایک ایسا سخت عقیدہ اختیار کرلیا جو سادگی، پاکیزگی اور منکسر المزاجی پر مبنی ہے۔

جنوری 1959 کے بعد اس کی ذاتی زندگی سے ہر چیز گھٹتی رہی اور بالآخر ہر چیز آنکھوں سے اوجھل ہوگئی۔ دفتر، بنگلہ، کار............ کچھ بھی نہیں۔ مجسمے، القابات کچھ بھی نہیں۔ وہ تو انقلاب کا نوکر ہوگیا۔۔۔ اپنے ایک انٹرویو میں کاسٹرو نے خود تسلیم کیا کہ وہ نجی معاملات پر بات کرنے سے نفرت کرتا ہے۔ ہم سب نے دیکھا کہ ایک ملک پر دنیا کا سب سے طویل عرصے تک حکومت کرنے والا کاسٹرو، آرام سے صدارت کی کرسی سے اٹھ آیا اور رائٹنگ ٹیبل پر بیٹھ گیا۔ ایسے میں کہ دلوں کے علاوہ اُس کا کسی چوک چوراہے کسی دفتر پہ تصویر ومجسمہ واقوال موجود نہیں ہیں۔ پورے ملک میں چے گویرا کے مجسمے تو موجود ہیں، دوسرے قومی راہنماؤں کے مجسمے تو موجود ہیں مگر 47 سال تک ملک کو چلانے والے اس راہنما کی کوئی تصویر، کوئی مجسمہ کہیں بھی موجود نہیں۔ نہ اُس نے اپنی تصویر والے ڈاک ٹکٹوں کی اجازت دی، نہ ہی سکّوں اور نوٹوں پر وہ موجود ہے۔

فیڈل کاسٹرو کے کیوبا میں' صدر بڑے بڑے فیصلے خود کرنے کا اختیار نہیں رکھتا۔ ایک اجتماعی قیادت ایسا کرتی ہے۔ کاسٹرو وزیر یا سفیر مقرر کرنے کا مجاز نہ رہا۔ وہ اپنے ملک میں سب سے نچلے درجے کے اہل کار کو بھی مقرر کرنے کا مجاز نہ تھا۔ حالانکہ اس کے پاس اتھارٹی موجود تھی۔ اور، تاریخی وجوہات کی بنا پر بے پناہ اثر ورسوخ بھی۔ مگر وہ احکامات یا فرمانوں کے ذریعے حکومت نہیں کرتا تھا۔ سارے فیصلے مطالعہ، بحث مباحثہ اور دلیل واستدلال کے بعد اجتماعی لیڈرشپ کرتی رہی۔

کاسٹرو کی ماہانہ تنخواہ 30 ڈالر تھی۔ اسی میں سے وہ پارٹی چندہ دیتا رہا، بل وغیرہ ادا کرتا رہا۔ کاسٹرو نے کبھی بھی اپنی تنخواہ میں اضافہ نہ دیکھا۔ اُس کا کہنا ہے کہ اسے مرتے ہوئے یہ شان نصیب ہوگی کہ اس کے پاس تبدیل کی جانے والی کرنسی (یعنی ڈالر، پونڈ، یورو وغیرہ) موجود نہیں۔

اسے اپنی یادداشتیں لکھنے کے لئے ملینوں ڈالر کی پیشکش ہوئی ۔اس نے انکار کیا ۔ نرگسیت کا شکار پیٹی بورژوا ذہنیت کے برخلاف انقلابی لیڈر یادداشتیں، آٹو بائیوگرافیاں نہیں لکھتے ۔

چے گویرا نے ایک بار کہا تھا ’’ہیرو، عوامی ہیرو عوام سے کبھی علیحدہ نہیں کئے جاسکتے، انہیں کبھی بھی مجسموں میں نہیں ڈھالا جاسکتا، کسی بھی ایسی چیز میں نہیں ڈھالا جاسکتا جو عوام الناس کی روز مرہ زندگیوں سے الگ ہو‘‘ ۔

سچی بات یہ ہے کہ سربراہانِ مملکت میں لینن، ہوچی من اور کاسٹرو تین ایسے بڑے انسان ہیں جنہوں نے پرسنلٹی کلٹ کی جڑیں پھیلنے ہی نہ دیں ۔

صرف مجسمے ہی نہیں بلکہ کیوبا میں ایک اور چیز بھی نہیں ہے ۔ سٹاک ایکسچینج ۔ جی ہاں ، کیوبا میں کاسٹرو کے مجسمے نہیں ہیں اور کیوبا میں سٹاک ایکسچینج نہیں ہے ۔

کیوبا اور کاسٹرو کا پیار، ماں بیٹے والا پیار ہے ۔ ایسا ساتھ کہیں اور ملنا بہت مشکل ہے ۔کاسٹرو اور کیوبا نصف صدی سے باہم ضم ہوکر ایک ہی مظہر بن چکے ہیں ۔اسی طرح کاسٹرو اور سوشلزم بھی نصف صدی سے باہم ضم ہوکر ایک ہی مظہر بن چکے ہیں ۔محبِ وطن کاسٹرو کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ اسے اپنے ملک کیوبا کے بارے میں جزئیات تک کی تفصیل معلوم ہے ۔اپنے ملک اور اپنے عوام کے بارے میں اس کا کس قدر خوبصورت تصور ہے: ’’کسی کو بھی اس چھوٹے سے ملک کے بارے میں غلط فہمی میں نہیں رہنا چاہیے جو ایک عظیم اور پرامن عوام کو رہائش مہیا کرتا ہے ۔لیکن اگر وہ ہم پہ حملہ کریں تو انہیں ایک ہلا ڈالنے والی خاکی قوت کا سامنا ہوگا ۔ہم بھڑوں کا چھتہ ثابت ہوں گے‘‘ ۔

فیڈل کاسٹرو ایک فرد ہے، ایک انقلابی ہے، سیاسی کارکن ہے، ایک ملک کا صدر ہے ،ایک کمیونسٹ پارٹی کا سربراہ ہے اور سب سے بڑھ کر یہ، کہ وہ ایک فلاسفر اور رائٹر ہے ۔ہم تصور کرسکتے ہیں کہ اسے لوگ کیا کیا تحفے بھیجتے ہوں گے ۔ایک روز اس نے سترہ ہزار تحائف ہوانا شہر کے تاریخ دان کے حوالے کردیے ۔ایک شرط اس نے البتہ یہ رکھی کہ ’’کتابیں میرے پاس رہنے دو ۔جب میں مرجاؤں گا تو وہ عوام (ریاست) کی ہوجائیں‘‘ ۔(1)

ایک پوری نصف صدی سے بین الاقوامی سیاست میں کاسٹرو ایک بہت ہی ممتاز مقام رکھتا ہے ۔ہم عصر دنیا میں اس کا باریش مہذب چہرہ سب سے زیادہ جانا پہچانا چہرہ ہے ۔اس شخص نے اپنی ذاتی زندگی بالخصوص، اپنے بچپن اور جوانی کی زبردست انداز میں حفاظت کی ۔وہ دنیا کی اُن شخصیات میں سے ہے جنہوں نے شاید بہت ہی کم وقت انقلاب سے باہر کے کاموں کو دیا ہوگا ۔ انسانوں کی اخلاقی وروحانی ترقی کیلئے جدوجہد کرنے والا یہ بڑا انسان خود بھی بہت ہی بااخلاق اور روحانی طور پر زندہ شخص ہے ۔اس کی سب سے بڑی خصوصیت اس کی انسان دوستی ہے ۔اس نے اپنے ایک مضمون میں کہا تھا: ’’میں نے کبھی بھی انسانی فہم یا انسانوں کی صلاحیتوں کو کم نہ سمجھا‘‘ ۔

کاسٹرو اپنی سیاست میں دو باتوں کو اہمیت دیتا رہا ہے ۔ایک تو یہ کہ وہ ملک اور بیرون ملک بے شمار دورے کرتا رہا ہے ۔ دوئم : وہ تالیوں، قہقہوں، سنجیدہ چہروں اور نعروں کو جنم دینے والی تقریریں کرتا رہا ۔۔۔۔۔لاکھوں الفاظ پر مشتمل تقریریں، گھنٹوں طویل تقریریں جن میں انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر شامل ہوجاتا تھا ۔

کہتے ہیں کہ وہ بہت اچھی گفتگو کرتا ہے ۔ بہت ہی مدلل اور ڈائریکٹ ۔سیدھا مخاطب کے دل میں اتر جانے والی گفتگو ۔ اور کاسٹرو گفتگو کا شوقین بھی ہے ۔ گارشیا مارکوئیز نے تو یہاں تک دعویٰ کیا کہ : ’’کاسٹرو گفتگو کرتے کرتے تھک جاتا ہے اور وہ گفتگو ہی کے ذریعے سستاتا ہے‘‘ ۔(2) ۔

کاسٹرو نے پچھلی صدی کی ساٹھ کی دہائی میں اقوام متحدہ میں پندرہ منٹ کے بجائے ساڑھے چار گھنٹے کی تقریر کی تھی ۔ اُس کی ساری تقریریں ایسی ہیں ۔ یہی حال اس کی تحریروں کا ہے ۔ وہ بہت اچھا لکھتا ہے ۔ وہ ادب کا اچھا قاری ہے ۔ وہ انگلش پڑھتا ہے مگر بولتا نہیں (جان بوجھ کر) ۔

کاسٹرو شخصی طور پر بہت ہی کھلا ڈلا آدمی ہے ۔ وہ اگر ہر ایک کو نہیں، تو کم از کم اپنے سارے قریبی دوستوں کو بے تکلفی سے ’’چیکو‘‘ کہتا ہے ۔ چیکو یعنی لڑکے ۔

فیڈل کاسٹرو کی شکل وشباہت اور اندازِ خطابت بہت شاندار ہے ۔قوی ہیکل دوہرا جسم، بارعب طباقی چہرہ، بلند اور موثر آواز ، اور ہزاروں کے مجمع کو پہروں ہنسانے ، رلانے ، بھڑکانے ، اور بہلانے پر قدرت رکھنے والا ۔

اِس سحر بیانی کے علاوہ اُس کی شجاعت کے بیسیوں قصے زبان زدِ عام ہیں اور اُس کی فراست اور علم وفضل کا لوہا اُس کے مخالف بھی مانتے ہیں۔فیڈل اور اس کے عوام کے درمیان قطعی کوئی بعد یا دوری نہیں ہے۔گنے کی کاشت کے دن آتے ہیں تو یہ سب لوگ کسانوں کے ساتھ مل کر گنا کاٹتا ہے۔لڑائی کا وقت آتا ہے تو پہلی صف میں لڑتا ہے۔کسی قومی عمارت کی تعمیر شروع ہو تو ٹوکری اور کدال اٹھالیتا ہے اور یہاں کوئی شخص جنابِ عالی، جی حضور اور تو یا تم نہیں ہے۔فیڈل کاسٹرو کے عام جلسے میں مسلسل نوک جھونک چلتی رہتی ہے۔''فیڈل ٹوپی اتار دو گرمی بہت ہے۔فیڈل ٹوپی پہن لو دھوپ تیز ہوگئی ہے۔فیڈل کوٹ پہن لو بارش آرہی ہے''۔یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ اپنے قائد اور رہنما سے نہیں کسی ضدی بچے سے خطاب کررہے ہیں۔''ہم لوگ فیڈل پر حکم چلاتے رہتے ہیں۔فیڈل یوں نہ کرو، فیڈل ووں نہ کرو، لیکن ہم کرتے وہی ہیں جو فیڈل کہتا ہے''۔

کاسٹرو کو یقین ہے کہ وہ جیتے گا، اس لئے کہ وہ آزاد انسانوں کا بزرگ ہے، ایسے آزاد انسان جن کا آقا کوئی نہیں۔وہ ایک بلا تکلف شخص ہے۔عوام اسے فیڈل کہتے ہیں۔وہ اس کے گرد جمع ہوتے رہے ہیں۔وہ اس سے براہ راست اور بغیر کسی پروٹوکول کے ملتے رہے ہیں، وہ اپنے لیڈر سے دلیل بازی کرتے ہیں، وہ اس سے متضاد رائے دیتے ہیں، وہ اسے اپنا ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔

اس شخص نے بہت کامیابی کے ساتھ پارٹی کے نظریات کو خود اپنے اور اپنے عوام کے لئے وقار اور عزتِ نفس کا ذریعہ بنالیا۔ایک دفعہ فلاسفر ژاں پال سارتر، اپنی ساتھی سائمن ڈی بوائر کے ساتھ دو دن کے لیے کیوبا گیا اور کاسٹرو کے ساتھ رہا۔اس نے لکھا کہ عام لوگ اس سے چمٹ جاتے ہیں، اس کا یونیفارم چھوتے ہیں، اس کی جیبیں درخواستوں اور خطوط سے بھر دیتے ہیں۔عورتیں اس کی داڑھی کو پکڑتی ہیں اور حکومتی مدد کا اصرار کرتی ہیں۔سارتر نے فیڈل سے پوچھا: ''یہ لوگ جو کچھ مانگتے ہیں خواہ کچھ بھی مانگتے ہیں تو کیا انہیں اس کے حصول کا حق ہے؟''۔

''انسان کی ضرورت ہی سب سے پہلے اس کا بنیادی حق ہوتا ہے''۔اس نے جواب دیا۔

''اور اگر وہ آپ سے چاند مانگ لیں؟''۔سارتر لکھتا ہے کہ فیڈل نے سگار کا کش لیا

اور اس کی طرف مڑ کر کہا''اگر کوئی مجھ سے چاند مانگے تو اس کی وجہ یہ ہوگی کہ اسے اس کی ضرورت ہوگی''۔کاسٹرو نے پھر سائمن ڈی بوائر کی طرف دیکھا اور کہا: ''وہ اپنی ضرورتیں دریافت کرنے کی جرأت کرتے ہیں۔وہ اپنے دکھوں کو سمجھنے کی جرات رکھتے ہیں اور مطالبہ کرتے ہیں کہ ان دکھوں کا خاتمہ کیا جائے''۔(3)

اور خود کاسٹرو کے انقلاب کے پیچھے بھی تو عوام رہے ہیں۔عوام تو اس کے انقلاب کا سب سے اہم ہتھیار رہے ہیں۔ہر سوشلسٹ انقلاب کے پیچھے عوام اور ان کی تنظیمیں ہوتی ہیں۔انہی کے پراسیس سے تو تاریخ متعین ہوتی ہے، انہی کی لڑائی تو بحران پیدا کرتی ہے اور اسی بحران کے ادراک سے لیڈر پیدا ہوتے ہیں۔کاسٹرو اسی عوامی انقلابی پراسیس کا بیٹا ہے۔ بقول نیلسن منڈیلا''فیڈل کاسٹرو عوام الناس کا آدمی ہے''۔اس نے عوام کے ساتھ جو زبردست یاری رکھی ہوئی ہے اس کا سب سے بڑا راز یہ ہے کہ اس نے کبھی بھی ان سے جھوٹ نہیں بولا۔عوام کے ساتھ سچ بولتے رہنا کاسٹرو کی کامیابی کی اہم ترین کنجی رہی ہے۔

اس کا وہ فقرہ کتنا خوبصورت ہے جو 1996 میں تقریر کرتے ہوئے اس نے ادا کیا تھا: ''ہم گزشتہ 35 برسوں سے بہت بڑے اخلاقی روزے میں جی رہے ہیں۔ایک ایسے اخلاقی روزے میں جو ان لوگوں نے مسلط کی ہے جو ہمارے انقلاب کو تباہ کرنے کی کوشش کررہے ہیں، جنہوں نے ہمیں بھوک سے مارنے کی کوشش کی ہے''۔اسی خلاقی روزے کو مزاحمت کہتے ہیں۔فیڈل اپنی پوری زندگی مزاحمت کرتا رہا۔

اس کی شخصیت بلا کی کشش رکھتی ہے۔بلا شبہ فیڈل پچھلے سو سالوں کی سب سے زیادہ کرشماتی چند شخصیات میں آتا ہے۔وہ کشش دراصل ایمانداری کی کشش ہے، کمٹ منٹ کی کشش ہے........خالص کمٹ منٹ کی۔

جوزی مارٹی پائینرز آرگنائزیشن کے ایک اجتماع میں کم سن نوجوان یہ نعرہ لگارہے تھے۔ جب انھون نے یہ نعرہ لگایا کہ: ''فیڈل فیڈل........فیڈل کے پاس ایسی کیا چیز ہے کہ امریکہ اس سے نمٹ نہیں سک رہا ہے؟'' تو اُس نے جواب دیا تھا''میرے پاس تم لوگ ہو''۔

اس کی یادداشت بلا کی ہے ۔کہتے ہیں کہ ’’وہ اپنے ہم جماعتوں کو کسی بھی سوال کے جواب میں کتاب کا صفحہ نمبر بتاتا اور پھر سارا صفحہ زبانی سنا ڈالتا تھا‘‘(4)۔اس شخص کی شاندار یادداشت، استقلال اور اس کی دل میں بیٹھ جانے کی قوت لاجواب ہیں(5)۔جس لیڈر کو اپنے ساتھیوں کے بچوں کی اولاد تک کے نام اور مشاغل زبانی یاد ہوں، وہ بھلا اُن کے دل میں کیونکر نہ بسا ہوگا۔

کاسٹرو اپنے شہریوں کے بارے میں بھی، اُن کی روزمرہ زندگی کے بارے میں بھی فکر مند رہتا ہے۔ وہ مختلف امور پر لوگوں میں بحثیں چلا دیتا ہے اور اس بحث کے نتیجے میں ایک متفقہ فیصلے پر پہنچ جاتا ہے۔ایک بار اس نے پورے ملک میں بحث چھڑوا دی کہ نرسوں کا یونیفارم کیسا ہو۔ ریشمی ہو یا سوتی، رنگین ہو یا سفید۔اس محنتی اور جانفشاں طبقے کیلئے دورانِ کام جو لباس موزوں ترین ہو وہ رائج کیا جائے۔ مجھے یاد ہے کہ ’’گرانما‘‘ اخبار کا پورا ایک ورق اس موضوع پر اُس کی تقریر پہ مشتمل تھا۔اسی طرح ایک بار مچھلی اور مرغی کے استعمال پر بہت تفصیل اور باریکی سے اس نے تقریر کی۔ابھی چند برس سے وہ لاکھوں انسانوں پر مشتمل جلوسوں کی قیادت کرتا رہا ہے۔وہ بوڑھی عمر کے ساتھ' جلوس کی قیادت کرتے ہوئے میلوں کا فاصلہ طے کرتا رہا ہے اور پھر اس جلوس سے گھنٹوں پر محیط طویل خطاب کرتا ہے ۔ان جلوسوں میں مرد عورتیں بوڑھے بچے، سب رقص کرتے ہوئے ، جذبات و اخلاص سے بھرے ہوئے کیف و مستی میں نعرہ زن' حصہ لیتے ہیں ۔آزاد انسانوں کے جلوس۔کیوبا میں سارے انسان آزاد ہیں اس لئے کہ اس قوم نے اپنے سارے باشندوں کے لئے آزادی حاصل کی ہے۔

کاسٹرو صرف تقریروں، مباحثوں کے ذریعے اپنے عوام کو ایجوکیٹ نہیں کرتا وہ تو خود مثال پیش کر کے اپنے عوام کا شعور بلند کرتا ہے:

’’میں نے خود ملک کے دوسرے رہنماؤں کی طرح ایک سے زائد بار اخلاقی فریضے کے بطور گنے کی فصل کی کٹائی کی ۔ مجھے اگست 1969 یاد ہے۔میں نے دارالحکومت کے قریب ایک جگہ منتخب کی۔ میں ہر روز صبح سویرے وہاں چلا جاتا۔ یہ جلا ہوا گنا نہیں تھا بلکہ سبز گنا تھا۔ جو کہ زرعی اور

صنعتی دونوں اعتبار سے زیادہ پیداوار والی ورائٹی تھی ۔ میں بلا وقفہ کیے چار گھنٹوں تک کٹائی کرتا۔ میں تسلسل کے ساتھ روزانہ کم از کم تین چار ٹن گنا کاٹ لیتا۔تب میں نہا لیتا' خاموشی سے کچھ کھا لیتا اور قریب ہی سستا لیتا۔ میں نے 1970 کی مشہور فصل میں کئی روپے کمائے۔اُس وقت میری عمر بمشکل 44 برس تھی ۔ بقیہ وقت' سونے کے وقت تک میں اپنے انقلابی فرائض کے کام کرتا۔میں نے یہ محنت اس وقت ترک کی جب میں اپنا بایاں پیر زخمی کر بیٹھا۔تیز کی ہوئی کلہاڑی میرے حفاظتی بوٹ کو چھیدتی ہوئی میرا پیر زخمی کر گئی‘‘۔

اسی طرح کاسٹرو نے تمباکو نوشی کی عادت سے مقابلہ کرنے کی اخلاقی اتھارٹی پانے کیلئے خود تمباکو نوشی چھوڑ دی۔ وگرنہ کاسٹرو تو بلانوش قسم کا سگاری تھا۔کاسٹرو اور سگار لازم و ملزم سمجھے جاتے تھے۔

مگر اُس کی سب سے بڑی اخلاقی خصوصیت یہ ہے کہ ایک تو وہ جھوٹ نہیں بولتا اور دوسرا بقول راؤل ’’وہ شکست تسلیم نہیں کرتا‘‘۔

حوالہ جات

1۔کاسٹرو،فیڈل۔2008۔مائی لائف۔ پنگوئن۔صفحہ 208
2-جیرالڈ مارٹن۔ گیبرئیل گارشیا مارکویز' اے لائف۔Bloomsbury-2008۔صفحہ 471
3۔اسلم، سی آر۔ کیوبا کے معاشرے کا طبقاتی ڈھانچہ۔ہفت روزہ عوامی جمہوریت لاہور۔16 دسمبر 1980۔صفحہ 4
4۔فوس، کلائیو۔فیڈل کاسٹرو۔2000۔سوٹن پبلشنگ انگلینڈ۔صفحہ 7
5۔لائیل، بریان۔آفٹر فیڈل۔2007۔Palgrave۔صفحہ 71

انقلاب، نعمت ہے!

کسی بھی انقلاب کے جملہ واقعات بجائے خود اِس قدر محیر العقل ہوتے ہیں کہ زیبِ داستان کے لیے کچھ بڑھانے کی ضرورت ہی نہیں ہوتی ۔کیوبا کا انقلاب، بظاہر کھاتے پیتے گھرانوں کے چند دانش وراور آشفتہ سرنوجوانوں نے برپا کیا جنہیں کوئی سیاسی وانتظامی تجربہ نہیں تھا' جو کسی سیاسی جماعت سے منسلک نہیں تھے' جن کے پاس نہ سپہ تھی نہ سرمایہ۔ جو یقین سے صرف اتنا جانتے تھے کہ سیاسی آزادی اور معاشی اصلاحات کے بغیر اُن کے پسماندہ ملک کی نجات ممکن نہیں۔ جنہیں اپنی کامیابی پر محض اِس لیے بھروسہ تھا کہ ذاتی شجاعت کے علاوہ بتیستا کی آمریت سے رائے عامہ متنفر تھی۔ ملک بہ ظاہر لا علاج زبوں حال تھا۔ لوگ بھوک، بے کاری، اور جہالت کے عادی تھے؛ جو مستقل تذلیل اور بدسلوکی کے عادی تھے، جنہوں نے افسروں کی گالیاں اور جھڑکیاں سہی تھیں؛ پولیس کا تشدد برداشت کیا تھا؛ سیاسی لیڈروں کے جھوٹ سنے تھے؛ جوڑ توڑ کا تماشا کیا تھا؛ جوا ہوتے دیکھا تھا؛ عورتیں بکتی دیکھی تھیں۔ جن کی زندگی میں کسی آس، کسی امنگ کو دخل نہیں تھا۔ اُن کی زندگی میں امید کی شعاع کبھی نہیں پھوٹے گی۔ اُن کے بچوں، بھائیوں، بیویوں، اور ماں باپ کی زندگی میں اور اُن کے علاقے میں مدرسے تھے نہ ہسپتال اور نہ ڈاکٹر، جو یہ جانتے تھے کہ ہسپتال میں داخلے سے پہلے کسی بڑے آدمی کی سفارش ضروری ہے اور داخلے کے بعد فرش پر سوئے بغیر چارہ نہیں' جو یہ جانتے تھے کہ تعلیم، دوا، مزدوری اور مستقبل اُن کے مقدر میں شامل نہیں۔

عوام کا اقتدارِ اعلیٰ

انقلاب نے فوری اور سب سے بڑا کام یہ کیا کہ عوام کی تحقیر اور تذلیل کا دور ختم کر دیا، اُن کی مایوسی اور بے آبروئی کے دن ختم کر دیے۔

اس انقلاب نے محتاج بورژوا ریاستی ڈھانچہ تباہ کر دیا' بیوروکریسی' پولیس اور کرائے کی قاتل فوج کو تباہ کر دیا۔ ایک ماہ کے اندر اندر کیوبا کا 1940 والا آئین بحال کر دیا گیا جسے فوجی آمریت نے معطل کر رکھا تھا۔ فیڈل کاسٹرو نے کچھ عرصہ بعد باضابطہ طور پر انقلابی حکومت سنبھال لی۔ اُس کا بنایا ہوا صدر، اُروشیا محض ناتجربہ کار ہی نہ تھا، وہ تو نااہل بھی تھا۔ سارے وزیر اُس سے بے زار ہو چکے تھے۔ اس نے تو باقاعدہ انقلاب دشمن دھندا شروع کر دیا۔ چنانچہ اسے سولہ جولائی 1959 کو ہٹا دیا گیا۔ کاسٹرو وزیر اعظم بن گیا۔

عجب انقلاب تھا یہ۔ لوگ انقلاب لا کر خارجہ امور سے متعلق اپنے پروگرام کو لاگو کرتے ہیں مگر کیوبا والوں نے ایسا نہیں کیا۔ حیرانگی کی بات لگتی ہے کہ انقلاب کے پہلے ہی سال کیوبا کو امریکہ نے تسلیم کر لیا۔ انقلاب کے اوائل ہی میں، یعنی 15 اپریل 1959 میں فیڈل نے امریکہ کا دس روزہ دورہ کیا۔ وہ وہاں امریکن سوسائٹی آف نیوز پیپر ایڈیٹرز کی دعوت پر گیا۔ اس نے نکسن سے ملاقات کی۔ نکسن نے بعد میں لکھا کہ ''ایک بات یقینی ہے۔ اور وہ یہ کہ کاسٹرو میں وہ تمام خوبیاں موجود ہیں جو ایک لیڈر کے لیے ضروری ہوتی ہیں۔ وہ کیوبا اور شاید پوری لاطینی امریکہ کی ترقی میں ایک اہم عنصر ثابت ہوگا۔ وہ مخلص لگتا ہے۔ وہ یا تو کمیونزم کے بارے میں بہت زیادہ سادہ ہے یا پھر کمیونسٹ ڈسپلن میں ہے''۔

کیا احمق لوگ ہیں یہ اقتدار والے امریکی!! ۔ ایک ہی سال بعد 28 ستمبر 1960 کو یہی ''بہت سادہ کمیونسٹ کاسٹرو'' انہی امریکیوں کے بارے میں کہہ رہا تھا: ''وہ عوام سے کھیل رہے ہیں اور وہ جانتے نہیں کہ عوام کیا ہوتے ہیں۔ وہ عوام سے کھیل رہے ہیں اور وہ جانتے نہیں کہ عوام میں کس قدر عظیم انقلابی قوت موجود ہوتی ہے''۔ سچ ہے کہ اگر عوام منظّم ہوں تو پھر کوئی سامراج، کوئی

گماشتہ، کوئی لوٹا' ترقی اور روشنی کے سفر کو نہیں روک سکتا۔ اور اگر عوام کو ساتھ ملایا جائے تو نقشے بدل جاتے ہیں، جغرافیہ، جھنڈے، ترانے اور کرنسی بدل جاتے ہیں ۔ اِن سب پر عوام کا ٹھپہ لگ جاتا ہے۔۔۔ اور، کیوبا پر عوام کا ٹھپہ لگ چکا تھا۔

زرعی اصلاحات

بلاشبہ، سوشلسٹ انقلاب اس قدر متحرک مظہر ہوتا ہے کہ کبھی کبھی حیرت زدہ کر دیتا ہے۔ اولین گھڑی سے اِس انقلابی فوج نے سوشلزم کو اپنی نگاہوں سے اوجھل ہونے نہ دیا۔ حتیٰ کہ جنگ کے عین بیچ میں بھی سوشلزم کو فراموش کرنے کی فضول خرچی نہ کی گئی۔ اس جلتی جنگ کے عروج پہ انقلابی فوج نے پہلا کسان کنونشن منعقد کیا تا کہ زرعی اصلاحات کی جائیں۔ تلخ زمینی، ہوائی اور سمندری جنگ کے بیچ میں 350 کسان مندوبین پر مشتمل ''کسان کنونشن'' منعقد کیا گیا۔ انسان حیران رہ جاتا ہے۔ یہیں سائرا مائیسترا کا قانون نمبر 3 جاری کیا جاتا ہے جس کے تحت جن زمینوں پر کسان محنت مشقت کرتے ہوں وہ انہی کی ملکیت قرار دی گئیں۔ یہ گویا اُن زرعی اصلاحات کا پہلا قانون تھا جس پر سائرا مائیسترا میں دستخط کر کے کاسترو نے کسی بھی جمہوری انقلاب کی اولین شرط پوری کر لی۔ زرعی اصلاحات بنیادی انصاف کا سب سے اولین اقدام ہوتا ہے۔ اُن لوگوں کو زمین دے دینا جو اُس پر محنت کر رہے ہوتے ہیں۔ کسان سالوں تک زمین کو پیداواری اور فائدہ مند بناتا رہتا ہے مگر سارا فائدہ جاگیردار کو ہوتا ہے۔ کیوبائی انقلاب نے اقتدار سنبھالنے سے قبل ہی یہ قانون جاری کر دیا۔ کیوبا کے دیہاتوں میں حتمی غربت جاری تھی۔

انقلاب تو پیہم برپا ہوتے رہنے والے چھوٹے چھوٹے انقلابات کا مجموعہ ہوتا ہے۔ روزانہ چھوٹے چھوٹے مگر منظم و منصوبہ بند انقلابات جاری رہتے ہیں۔ پہلا بہت بڑا انقلاب تو جابر و امیر نواز اقتدار کا خاتمہ کر کے محنت کے فلسفے پر مبنی حکومت بنانا ہوتا ہے۔ اور یہ اقدام کاسترو اور کیوبا کے انقلابیوں نے بہت لڑائیاں لڑ لڑ کر بہ حسن و خوبی سر کر لیا تھا۔

اسی عرصے میں وہاں بڑے پیمانے کی زرعی اصلاحات کی گئیں اور جاگیرداری کا مکمل خاتمہ کیا گیا۔ زبردست انداز میں مہم چلا کر بے روزگاری کو ختم کر دیا گیا اور ایک ایک کر کے اہم شعبوں میں بیرونی مالیاتی سرمایہ کو قومی ملکیت میں لیا گیا۔ پنگھوڑے سے لے کر زندگی کی آخری سانس تک ہر شہری کا علاج معالجہ مفت کر دیا گیا۔

انقلاب کے اولین برس یعنی 1959 (اکتوبر کے ماہ) میں کاسترو نے اُن مقبول عام زرعی اصلاحات کا اعلان کر دیا جو اُس سے قبل وہ اقتدار میں آئے بغیر محض سائرا مسترا کے آزاد کردہ علاقے میں کر چکا تھا۔ دنیا کے ہر ترقی یافتہ اور مہذب ملک میں اولین جمہوری کام زرعی اصلاحات کے نفاذ کا ہوتا۔ کیوبا کے جمہوری انقلاب نے بھی یہ کام اپنے ابتدائی زمانے میں ہی کر لیا۔ تمام زمینیں جن میں کاسترو کی اپنی زمینیں بھی شامل تھیں، کسانوں میں تقسیم کر دی گئیں۔

ایک نیم جاگیردارانہ معاشرے کے تحت غریب ترین بے زمین کسانوں کو نہ صرف زمین دی گئی بلکہ ملک کے سارے وسائل کو اِس بہت بڑی اکثریت کے معیارِ زندگی بلند کرنے پر جھونک دیا گیا۔

اس دلچسپ انقلاب کی زرعی اصلاحات کی کہانی بھی بہت دلچسپ ہے۔ یہ اصلاحات کسی دفتر وغیرہ میں تیار نہیں کی گئیں۔ ہوایوں کہ دمہ کے ہاتھوں مجبور، چے گویرا ساحل پہ رہتا تھا۔ باقی سارے انقلابی وہاں جاتے تھے اور زرعی اصلاحات کے فرمان پر بحث کرتے تھے۔ اس معاملے میں فیڈل سب سے سخت موقف رکھتا تھا۔ سارے دوست نرم اصلاحات کے حامی تھے۔ بالخصوص چے گویرا' جس کا خیال تھا کہ امریکی کمپنیوں سے بڑی لڑائی کا امکان ہوگا۔ وہ بہت محتاط رہنے پر زور دیتا تھا۔ اور بقول کاسترو اُس نے ''اپنی یہ رائے بہت ایمانداری اور عقلمندی سے دی۔ میں ایمانداری سے کہتا ہوں کہ چے حیران ہوگیا جب اس نے دیکھا کہ میں ریڈیکل اصلاحات چاہتا ہوں، اُس کی اپنی رائے سے زیادہ ریڈیکل اصلاحات''۔ (2)

نیشنلائزیشن

کیوبا میں پانچ لاکھ ایکڑ زرعی زمین غیر ملکی کمپنیوں کی ملکیت میں تھی ۔جن میں کچھ امریکن کمپنیاں تھیں جو گنے کی کاشت والے وسیع رقبوں پہ قابض تھیں ۔ وہاں تو ساری زرعی زمین غیر ملکی کمپنیوں کی تھی ۔ بالخصوص امریکی کمپنیوں کی ۔اور یہ کمپنیاں نہ سرکار کو ٹیکس دیتی تھیں اور نہ کسان کو مناسب اجرت ۔ظاہر ہے کہ یہ کمپنیاں بہت طاقتور اور بہت اثر ورسوخ والی تھیں ۔ان کی زمین کو قومی ملکیت میں لینے کے علاوہ کوئی راستہ ہی نہ تھا۔ دوسری طرف دیہات میں لاکھوں بے زمین انسان تھے جو اپنی سرزمین پر دوسروں کے ملازم کی حیثیت سے کاشتکاری کرتے تھے ۔چنانچہ جاگیرداروں اور امریکی کمپنیوں کی جاگیریں دولاکھ بے زمین کسانوں میں بانٹ دی گئیں (1)۔

کیوبا نے غیر ملکی غاصب حکومتوں کی جائیداد کو قومی ملکیت میں لینے کا کام بھی بہ حسن وخوبی سرانجام دیا۔ 1960 میں انقلابی حکومت نے کیوبا میں امریکی تیل ریفائنریز قومی ملکیت میں لے لیں ۔Nickel، اور شکر کی صنعتیں قومی ملکیت میں لی گئیں ۔صنعتوں کی ایک نئی وزارت بنائی گئی جس کا سربراہ ظاہر ہے اور کون ہوتا سوائے ڈسپلن، توجہ، اور محنت کے سچے بیٹے' چے گویرا کے ۔انقلابی حکومت نے ایک قانون منظور کیا جس کے تحت معدنیات پر موجود سامراجی اجاداریوں پر 25 فیصد ٹیکس لگایا گیا۔

امریکہ کی اجارہ داری میں قائم ٹیلی فون کمپنی کو قومی ملکیت میں لے لیا گیا اور اس کے نرخوں میں پچاس فیصد کمی کر دی گئی ۔(یہ گویا امریکی اجارہ داریوں کے ساتھ اولین تصادم تھا)۔اگلا قدم بجلی کے نرخوں میں کمی تھی ۔(یہ امریکی اجارہ داریوں کے ساتھ دوسرا تصادم تھا)۔

دوسرے لفظوں میں، جراتمند انقلابی حکومت بین الاقوامی الیکٹرک کمپنیوں کے مفادات سے ٹکرا چکی تھی، ٹیلیفون کمپنیوں کے مفادات سے ٹکرا چکی تھی، معدنیات کی اجارہ داریوں کے مفادات سے ٹکرا چکی تھی ۔۔۔اور یونائٹڈ فروٹ کمپنی کے مفادات سے ٹکرا چکی تھی ۔اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ تو بین الاقوامی سرمایہ داری نظام سے ٹکرا گئی، سامراج سے..........سامراج کے ہیڈ ماسٹر امریکہ سے ۔

پھر بھلا کیوں توقع کی جاتی کہ امریکہ خاموش رہے گا، سرمایہ داری خاموش رہے گی۔

سب سے پہلے تو قزاقی یعنی ڈاکوؤں کے جہازوں کے ذریعے ہوانا پر پروازیں کی گئیں اور بم گرائے گئے جن سے بہت لوگ مرے اور بڑی تعداد میں زخمی ہوئے ۔ پھر امریکہ نے کیوبا کے گنے کی فصلات کو آگ لگوایا تا کہ اس معاشی جارحیت سے کیوبا کی معیشت تباہ کی جائے ۔جھوٹا امریکہ جھوٹ ہی بولتا رہا کہ یہ جہاز اُس کے نہیں ہیں ۔ وہ تو جب ایک جہاز مار گرایا گیا اور اس کی شناخت بین الاقوامی طور پر ہوئی تب اس نے مجبور ہو کر معافی مانگی ۔انہی جہازوں نے فروری 1960 میں شوگر مل پر بھی بمباری کی ۔ اُسی سال مارچ میں فرانس سے اسلحہ بارود سے لدا ہوا بلجیم کا بحری جہاز ہوانا کی بندرگاہ پر تباہ کیا گیا جس سے سو آدمی مارے گئے ۔

یہی نہیں، امریکہ نے تو کیوبا کی چینی خریدنی بند کر دی ۔ کیوبا نئی منڈیوں کی تلاش میں نکلا ۔اس نے سوویت یونین سے معاہدہ کیا ۔جس کے تحت اسے ایک ملین ٹن چینی بیچ دی ۔اور اس کے بدلے اپنی ضرورت کی اشیا وہاں سے خریدیں ۔

کاسترو نے جواباً کیوبا کے اندر موجود امریکہ کی ساری تجارت پر قبضہ کر لیا اور سوویت یونین کے ساتھ تیل کا سودا کر لیا ۔مگر کیوبا میں موجود امریکی تیل کمپنیوں نے اِس تیل کو صاف کرنے سے انکار کر دیا ۔ چنانچہ انہیں بھی قومیانا پڑا ۔

امریکہ کے زیر اثر دولتمند لوگ ملک سے بھاگنے لگے اور امریکہ جا کر بسیرا کرنے لگے ۔ ان جلاوطنوں کو فلوریڈا میں انقلاب دشمنوں کی حیثیت سے تربیت دی جانے لگی ۔مگر کاسترو نے بار بار قاتلانہ حملوں اور سی آئی اے کی مدد سے جنگ کے باوجود انقلاب کو مستحکم بنایا ۔(کیوبا کے ایک وزیر کے بقول کاسترو پر سی آئی اے نے چھ سو سے زائد بار قاتلانہ حملے کئے)۔جوں جوں امریکہ اُس کی معاشی ناکہ بندی بڑھاتا جاتا وہ اسی شدت کے ساتھ کمیونسٹ قوتوں کے ساتھ مضبوط تعلقات بناتا جاتا اور عالمی سطح پر سامراج دشمن کاز کو بڑھاتا رہا ۔

حوالہ جات

1۔اسلم،سی آر۔کیوبا کے معاشرے کا طبقاتی ڈھانچہ۔ہفت روزہ عوامی جمہوریت لاہور،
16دسمبر1980 صفحہ 4

2۔کاسٹرو،فیڈل۔2008۔مائی لائف۔ پنگوئن۔صفحہ 244

امریکہ قہر میں آ گیا!

1۔بے آف پگز کی لڑائی

دنیا کا احمق انقلابی ہے جو بیسویں اور اکیسویں صدیوں میں امریکی سامراج اور اس کی ریشہ دوانیوں کو سنجیدہ نہ لے۔کیوبا کے انقلابیوں نے تو اس درندے کی بدبُو روز اول سے ہی سونگھ لی تھی۔کاسٹرو نے 1961 کے دوجنوری کو کیوبا میں موجود امریکی سفارت خانہ کو''جاسوسوں کا گھونسلا'' قرار دیا۔ اور اس کے ایک ہی دن بعد امریکہ نے اِس نوزائیدہ ملک سے سفارتی تعلقات توڑ دیے۔

انقلاب بالعموم ہمیشہ،اور بالخصوص اپنے اوائل کے دنوں میں ایک غیر معمولی خبر داری کا تقاضا کرتا ہے۔بلوچی میں کہتے ہیں: جو شخص قاتلوں کو پناہ دیتا ہے تو وہ دو پہروں کو قیلولے نہیں کرتا ۔چنانچہ انقلابی قیادت نے طے کر رکھا تھا کہ جونہی کوئی خطرہ ہو تو راؤل جہاز پکڑ کر اوریانٹے کے محاذ پر پہنچ جائے گا، چے گوارا'' پنارڈل ریو'' کی طرف لپکے گا، المید اوسطی کیوبا اور خود کاسٹرو، ہوانا کی کمان سنبھالے گا۔

انقلاب کے اوائل میں ان لیڈروں کو دو بار ایسا کرنا پڑا: ایک بار تو بے آف پگز کی لڑائی میں اور دوسری بار اکتوبر میزائل بحران میں۔دونوں بار،ہر شخص ممکنہ سبک رفتاری کے ساتھ اپنے اپنے کمانڈ پوسٹ پر پہنچ چکا تھا۔(1)

امریکہ میں اُس وقت آئزن ہاور کی حکومت تھی۔ اور وہ ریپبلکن پارٹی سے تھا۔ امریکہ نے اس کے دورِ حکومت میں کاسترو کی نئی نئی حکومت کا تختہ الٹنے کی ٹھان لی۔ سی آئی اے نے اس سے قبل خطے میں دیگر کئی ممالک کی حکومتوں کا تختہ الٹنے کی مہارت حاصل کر لی تھی۔ چنانچہ اُس نے آستینیں چڑھالیں اور کیوبا کی عوامی انقلابی حکومت گرانے کی تدبیریں کرنے لگی۔

مگر اُسی دوران آئزن ہاور کی حکومت ختم ہوئی اور بہت ہی ''جمہوری'' اور ''نیک چلنی'' میں مشہور کینڈی وہاں کا صدر بنا۔ اُس نے آئزن ہاور کے اِس ''نیک'' کام کو جاری رکھنے کا فیصلہ کیا۔ (بھیڑیا بھیڑیا ہوتا ہے، رنگ خواہ کچھ بھی ہو۔ سامراج سامراج ہوتا ہے، صدر خواہ کوئی بھی ہو)۔ چنانچہ اس نے ہوانا سے ڈیڑھ سو میل جنوب مشرق میں ''بے آف پگز'' کا مقام، فوجی حملے کے لئے چنا۔

حملے سے ذرا پہلے کیوبا میں تخریبی کاروائیاں شروع کی گئیں۔ اِدھر دھماکا، اُدھر بمباری۔ انقلاب سے قبل حکمرانی کے مزے لوٹنے والے لوگ یہاں وہاں تخریب کاری کر رہے تھے۔

15 اپریل 1961 کو کرائے کے کیوبائی قاتلوں نے امریکہ کی خدمت گذاری میں خود اپنی سرزمین پر حملہ کر دیا۔ امریکی نیوی کے ایک سکواڈرن نے ایک جہاز بردار بحری جہاز کے ذریعے گِرون، یعنی بے آف پگز پر حملہ کر دیا۔ اُن کے ساتھ درجنوں لڑاکا ہوائی جہاز تھے۔ مقصد یہ تھا کہ کیوبا کی ہوائی فوج کے جہازوں کو تباہ کر دیا جائے۔ پہلا دھاوا انہوں نے اس طرح بولا کہ اپنی زیرِ زمین چھاؤنیوں سے اچانک آٹھ عدد B-26 بمبار جہازوں کو اڑایا۔ اِن جہازوں کو Mystery Planes کے نام سے شہرت ملی۔ اس لیے کہ اُس مکار امریکی سامراج نے اِن جہازوں پر کیوبا کے نشان بنائے تاکہ دنیا کو یہ باور کرایا جاسکے کہ جیسے کیوبا کی اپنی فوجوں نے بغاوت کر دی ہو۔ امریکی سامراج تمھیں قرآن مارے!!۔

2۔ انقلاب کے سوشلسٹ ہونے کا اعلان

مگر امریکہ کی بدقسمتی دیکھیے کہ وہ پندرہ تاریخ کو حملہ کرتا ہے اور سولہ تاریخ کو کاسترو اپنے

انقلاب کو ''سوشلسٹ انقلاب'' ہونے کا اعلان کرتا ہے۔ وہ مشتعل اور مسلح عوام سے کہتا ہے:

''۔۔۔۔۔ یہ غریب کی طرف سے، غریب کے لیے، غریب کا انقلاب ہے۔ اور غریب کے، غریب کی طرف سے اور غریب کے لیے انقلاب کی خاطر ہم اپنی زندگیاں نچھاور کرنے کو تیار ہیں''۔

یکم جنوری 1959 کے انقلاب کو آئے دو سال تین ماہ ہو چکے تھے۔ اور اُس وقت تک سوویت یونین اور کیوبا کے بیچ بڑے پیمانے کی کوئی گرمجوشی نہ تھی۔

یہاں سے پورے لاطینی امریکہ میں حالات صفتی طور پر تبدیل ہو گئے۔ اب امریکہ، لاطینی امریکہ کے محض ایک ملک سے نہیں لڑ رہا تھا بلکہ وہ ایک سوشلسٹ ملک سے لڑ رہا تھا۔

امریکہ نے کیوبا پر پانچ دن تک خوفناک بمباری جاری رکھی۔ اُدھر، اس نے جو پندرہ سو کرائے کے قاتل جہازوں کے ذریعے رات کی تاریکی میں زمین پر اتار دیئے تھے، انہوں نے بھی تباہی مچا رہی تھی۔ اِن حملوں نے کیوبا کے لڑاکا جہازوں کا 27 فیصد حصہ تباہ کر کے رکھ دیا۔ اس لڑائی کی قیمت کیوبا کو ڈیڑھ سو جانوں اور سینکڑوں شدید زخمیوں کی صورت میں ادا کرنا پڑا۔ مگر عوامی انقلاب کی ڈائنامکس کو سامراج کبھی بھی نہ سمجھ سکا۔ عوامی انقلاب تو عاجزوں کا انقلاب ہوتا ہے، عاجزوں کی طرف سے اور عاجزوں کے لیے۔ اور عاجز کے دامن کو جب ایک بار کوئی پکڑنے کی کوشش کرے تو عاجز تو اپنی نجات کے لیے تن من دھن قربان کرتا ہے۔ اس لیے کیوبائی عوام خوب لڑے۔ انہیں پتہ تھا کہ زنجیریں بندھی غلامی کی زندگی شرم اور رسوائی میں زندہ رہنا ہے۔

کاسترو خود اس لڑائی میں شامل تھا۔ ایسی لڑائی جس میں سمندر میں کھڑا امریکی بحری بیڑہ صاف نظر آ رہا تھا۔ حملہ آور فوجوں کے ساتھ تین دن کی لڑائی کے بعد کیوبا نے امریکہ کو شکست دے دی۔ 21 اپریل کو جب یہ لڑائی ختم ہوئی تو اس وقت تک اس لڑائی میں ایک ہزار دو سو امریکی ایجنٹ ہتھیار ڈال کر قید کر لئے گئے۔ خود کاسترو نے ایک بڑی تعداد میں انہیں قیدی بنایا تھا۔ یہ تو دنیا بھر میں کسی ایک جنگ کے اندر سوشلزم کی جانب سے امریکی سامراج کو پہلی شکست تھی۔ اگر آپ بہت ساری انکساری سے بھی کام لیں تب بھی یہ بات پکی ہے کہ تاریخ میں براعظم امریکہ میں تو یہ

سامراج کے خلاف جنگ میں سوشلزم کی پہلی کامیابی تھی۔

قیدیوں پہ مقدمے کی کارروائی ٹی وی پر دکھائی جاتی رہی۔ اس دوران کاسٹرو نے مئی 1961 میں قیدیوں کو رہا کرنے کیلئے مذاکرات کی پیشکش کر دی۔ ''تاوانِ جنگ ادا کرو اور اپنے کرائے کے قاتل لے جاؤ''۔

جی ہاں۔ سپر پاور امریکہ سے تاوانِ جنگ کا مطالبہ!!۔ امریکہ تیار ہو گیا اور مذاکرات شروع ہو گئے مگر اس کی کمینگی تو دیکھئے۔ بے آف پگز میں بنائے گئے امریکی قیدیوں کی رہائی کے لئے جاری مذاکرات کا فائدہ اٹھاتے ہوئے سی آئی اے نے مذاکرات کے سربراہ امریکی وکیل ڈونووان کو کاسٹرو کو قتل کرنے کیلئے استعمال کرنے کی کوشش کی۔ اس نے کاسٹرو کو ہلاک کرنے والا ایک تحفہ اُسے پہنچانا تھا: یہ تحفہ تیراکی میں استعمال ہونے والا ایک جیکٹ تھا جسے ایسے جراثیم سے آلودہ کیا ہوا تھا جو جلد کو چھیل کر مسخ کرتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ تیراکی میں استعمال ہونے والا زیرِ آب سانس لینے والا ایک ایسا آلہ جسے ٹی بی کے جراثیم سے بھر دیا گیا تھا۔ یہ 1962 کا واقعہ ہے۔

بہرحال کیوبا کے کاسٹرو نے سُپر پاور امریکہ سے 53 ملین ڈالرز کی مالیت کی دوائیاں اور بچوں کی خوراک تاوانِ جنگ کی صورت لے لیں اور اکثر قیدیوں کو رہا کر دیا۔ کیا تاوانِ جنگ!۔ 500 ٹریکٹر ایک انسانی جان کے آگے بھی کچھ نہیں ہوتے۔ کمیونسٹ لوگ تو ویسے ہی اپنے شہریوں کی ڈالر میں قیمت متعین کرنے کے عادی نہیں ہوتے۔ پھر یہاں تو معاملہ بچوں کا تھا، عورتوں کا تھا جو بے آف پگز میں مار دیئے گئے تھے۔ بچے کی زندگی کی قیمت کون دے سکتا ہے، کون متعین کر سکتا ہے، کون اس بارے میں سوچ سکتا ہے؟۔

اس ناکام حملے نے کینیڈی انتظامیہ کو بہت شرمسار کیا۔ مگر اس نے استعفیٰ نہ دیا۔ ایسے ہی دو چار سی آئی اے والوں کو اِدھر اُدھر کر کے پھر کچھ عرصہ بعد بحال کر دیا۔ حتیٰ کہ کچھ تو بعد میں ویت نام کو تباہ کرنے کے انچارج بنا دیے گئے۔ مگر انقلابیوں کی اخلاقیات تو ہوتی ہے نا!۔ چے گویرا نے صدر کینیڈی کو یہ پیغام بھیجا: ''حملے کا شکریہ۔ حملے سے قبل انقلاب کمزور تھا۔ مگر اب یہ مضبوط تر ہو چکا''۔ اور بقول کاسٹرو: ''یہ یانکی سامراج کی پہلی شکست تھی''۔ اور ''اس جنگِ گرون کے بعد

براعظم امریکہ کی ساری قومیں ذرا سا آزاد تر ہو گئیں''۔

اس کے بعد تو سامراجی شکست اور انقلاب کی فتح کے مظہر نے خود کو بے شمار بار دہرایا۔ حقیقت یہ ہے کہ کیوبا کے انقلاب کے ساٹھ برسوں کے ہر روز اسی شکست و فتح کی دہرائیاں ہوتی رہیں۔ کاسٹرو کی سوانح حیات کی سب سے بڑی حاصلات میں سرفہرست، امریکی سامراج کی روزانہ کی شکست ہے۔

بے آف پگز کی فتح دراصل ایک بے وقار ماضی پر سوشلزم کی فتح تھی اور ایک باوقار مستقبل کی تعمیر کا امکان۔

سوویت یونین کے وزیراعظم نے بیان دیا تھا کہ وہ ہلکے اور بھاری ہتھیاروں اور ٹینکوں کی سپلائی کر کے جزیرے کی حفاظت کرنے کے لیے تیار ہے۔ اس نے کیوبا سے وہ ساری شکر خرید لی جسے امریکہ نے خریدنے سے انکار کیا تھا۔ خروشچیف نے کہا کہ اگر ضرورت پڑی، اور پنٹاگون کی جارح فوجوں نے کیوبا پر حملے کی جرات کی تو سوویت آرٹلری، راکٹ فائروں سے کیوبائی عوام کی مدد کرے گا۔ اس نے پنٹاگون کو یاد دلایا کہ سوویت یونین کے پاس وہ راکٹ ہیں جو تیرہ ہزار کلومیٹر دور موجود، اپنے نشانے کو ٹھیک ٹھیک مار سکتے ہیں۔

3۔ کمیونسٹ پارٹی کا قیام

بے آف پگز کی تاریخی فتح کے دو ماہ بعد 24 جون 1961 کو پاپولر سوشلسٹ پارٹی کی لیڈر شپ کی اہم میٹنگ ہوئی۔ اس میں 26 جولائی تحریک اور 31 مارچ انقلابی ڈائریکٹوریٹ کے لیڈروں کی بھاری اکثریت نے شرکت کی۔ اس میٹنگ میں ان تینوں قوتوں کو متحد کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔

اس یادگار اجلاس میں فیڈل کو قوم کا سب سے بڑا لیڈر تسلیم کیا گیا۔ یوں پاپولر سوشلسٹ پارٹی کو تحلیل کیا گیا اور اس کے فوراً بعد 26 جولائی تحریک اور 13 مارچ انقلابی ڈائریکٹوریٹ نے ایسا ہی کیا۔

اس کے بعد گراس روٹ اور صوبائی ڈھانچے قائم کرنے کا شدید پراسیس شروع ہوا۔ یوں آٹھ مارچ 1962 کو نئی پارٹی کا قومی ڈائریکٹوریٹ قائم کیا گیا، اور بائیس تاریخ کو باڈی تشکیل پائی۔ فیڈل فرسٹ اور راول کاسٹرو سیکنڈ پارٹی سیکرٹری بنا دیے گئے۔

سنگل سیاسی پارٹی اور سنگل لیڈرشپ انقلاب کی مضبوطی کے لیے بہت کارآمد ثابت ہوئے۔ مارٹی اور لینن کے تصورات کو تخلیقی صورت دے کر پارٹی کا آئین و منشور بنے۔ اس راہبر تنظیم کے ممبر بہت احتیاط سے چنے گئے جن کا عوام الناس سے گہرا تعلق تھا اور جو پارٹی کے لیے نیک نامی کا باعث تھے۔

4۔ امریکی ریاستوں کی تنظیم (OAS)

براعظم امریکہ کی ریاستوں پر مشتمل یہ تنظیم انقلاب سے قبل موجود تھی اور کیوبا اُس کا ممبر تھا۔ یہ امریکی سامراج کے زیر اثر تنظیم تھی، آج بھی ہے۔ دنیا میں ایسے ہزاروں ادارے ہیں جنہوں نے انسانیت کو برسوں تک نوآبادی بنائے رکھنے کے اوزار کی طرح کام کیا۔ امریکہ اس تنظیم کو بھی کیوبا کے خلاف استعمال کرنا چاہتا تھا۔ مگر اُس نے انقلابی کیوبا کو امریکی ریاستوں کی اِس تنظیم (OAS) سے 1961 کے شروع میں نہیں نکالا۔ سازش یہ تھی کہ امریکہ پہلے کاسٹرو کی حکومت کا تختہ الٹ دے گا اور وہاں پر ایک کٹھ پتلی حکومت قائم کرے گا۔ تب یہ تنظیم (OAS) اُس کٹھ پتلی حکومت کو تسلیم کرلے گی۔ وہ کٹھ پتلی حکومت فوراً ہی امریکی افواج سے حملہ کرنے کی درخواست کرے گی اور OAS نے کوئی شکایت، کوئی احتجاج نہیں کرنا تھا۔

اس حقیقت کے باوجود کہ اناج اور دیگر اشیائے خوراک کی ضرورت اہم تھی، امریکہ ہر اُس چیز پر ایک حد نافذ کرتا تھا جو اس کی اپنی قومی پیداوار سے مقابلہ کرسکے، بشمول سبسڈی یافتہ چقندر والی شکر کے۔

بلاشبہ خوراک کی پیداوار سے متعلق یہ بالکل سچ ہے کہ ایک چھوٹے سے ملک کے جغرافیائی حدود کے اندر (جو کہ گرم ملک ہو، بارشوں والا ہو، اور آندھیوں والا ہو، جو مشینری، ذخائر

اور آبپاشی کے نظام سے خالی ہو، کیوبا کے اپنے پاس وسائل نہیں ہوسکتے تھے، نہ ہی وہ امریکہ میں سویابین، سورج مکھی، مکئی، دالوں اور چاول کے مشینی پیداوار سے مقابلے کے قابل تھا۔ اُن میں سے کچھ یعنی گندم اور جو ہمارے ملک میں پیدا نہیں ہوسکتے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ کیوبائی انقلاب نے امن کا ایک لمحہ بھی نہ دیکھا۔ زرعی اصلاح ایکٹ نافذ ہی ہوا تھا (انقلاب کی فتح کے محض پانچ ماہ بعد) جب سبوتاژ، آگ لگانے کی حرکتوں، رکاوٹوں اور نقصان دہ کیمیکلز کے استعمال کے پروگرام ہمارے ملک کے خلاف شروع کیے گئے۔ اُن میں حتیٰ کہ بیالوجیکل ایجنٹ بھی شامل کیے گئے تاکہ لازمی پیداوار اور حتیٰ کہ انسانی صحت کو تباہ کیا جائے۔

مگر جب ہر طرح کی سازشیں ناکام ہوئیں تو اس تنظیم سے کیوبا کو جنوری 1962 میں نکال دیا گیا۔ اس لئے کہ امریکہ کی طرف سے اب سازشوں کی بجائے براہِ راست حملے کی منصوبہ بندی کی گئی تھی۔ یہ وہ غمناک حقیقت تھی جو اکتوبر 1962 میں میزائل بحران تک لے گئی۔ جب کیوبا کو تنظیم سے نکالنے کی قرارداد منظور کی گئی تو اُس وقت کے کیوبا نے اس موقع پر کیا خوبصورت باتیں کہی تھیں:

''............اگر یہاں کی کوششوں کا مقصد یہ ہے کہ کیوبا کو ایک طاقتور ملک کے فیصلوں کو تسلیم کرنے پر مجبور کیا جائے، اگر یہ کوششیں ہورہی ہیں کہ کیوبا کو ترقی، امن اور بہبود کی اُن آرزوؤں کو ترک کرنے، اُن سے دستبردار ہو جانے پر مجبور کیا جائے جو کہ اُس کے سوشلسٹ انقلاب کی قوتِ متحرکہ ہیں، اور یہ کہ، وہ اپنی سالمیت ترک کردے، اگر یہ سب کوششیں اس لئے ہورہی ہیں کہ کیوبا اُن ممالک کی طرف پُشت کرلے جنہوں نے اس کی طرف اپنی دوستی اور تکریم دکھائی، اگر ارادہ یہ ہے کہ ایک ایسے ملک کو غلام بنایا جائے جس نے ڈیڑھ سو سال کی قربانیوں کے بعد اپنی مکمل آزادی حاصل کی ہے تو ایک ہی دفعہ یہ معلوم ہونا چاہیے کہ: ''کیوبا ہتھیار نہیں ڈالے گا''۔............''غیر ملکی کمپنیوں کی جائیداد ضبط کرنا' سامراجی اجارہ داریوں کو قومیالینا، سماجی مساوات قائم کرنا، تعلیم حاصل کرنے کا حق استعمال کرنا، ناخواندگی ختم کرنا OAS کو اچھا نہیں لگتا

..........اور اس طرح کیوبا کو OAS میں نہیں ہونا چاہیے.......... یہ ہوسکتا ہے کہ ہم OAS میں نہ ہوں مگر سوشلسٹ کیوبا' براعظم امریکہ میں ہوگا۔ ہوسکتا ہے ہم OAS میں نہ ہوں مگر امریکہ کی سامراجی حکومت، اپنے ساحلوں سے 90 میل دور ایک انقلابی اور سوشلسٹ کیوبا کو ہمیشہ موجود پائے گی..........''۔(2)

اس ساری بات سے ایک بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ کیوبائی انقلاب کی فتح مندی میں سوویت یونین کا بالکل کوئی تعلق نہ تھا۔ انقلاب نے اپنی سوشلسٹ فطرت سوویت یونین کی مدد کی وجہ سے اختیار نہیں کی، بلکہ یہاں معاملہ بالکل الٹ ہوا۔ سوویت یونین کی مدد کیوبائی انقلاب کے سوشلسٹ نیچر کی وجہ سے آئی۔ چنانچہ اس انقلاب کے تیس برس بعد بعد جب سوویت یونین غائب ہوگیا تو اس کے باوجود، ہم نے دیکھا کہ کیوبا سوشلسٹ ہی رہا۔

5۔ میزائل بحران

بے آف پگز کے ڈیڑھ سال بعد اکتوبر 1962 میں دنیا اُس وقت تباہی کے دہانے تک آن پہنچی جب ''کیوبائی میزائل بحران'' پر امریکہ اور سوویت یونین ایٹمی جنگ کے دہانے پر پہنچے تھے۔ ہوا یوں کہ امریکہ تُل گیا تھا کہ وہ کیوبا پر حملہ کردے گا۔ امریکی سامراج کے ہاتھوں دلیل زخمی ہے۔ سوویت یونین کو اُس کی خبر ہوگئی۔ اس نے اپنے دوست ملک کی آزادی کے تحفظ کا فیصلہ کرلیا۔ کاسٹرو اور خروشچیف نے اپنے اپنے وفود کو سر جوڑ کر بٹھا دیا اور فیصلہ ہوا کہ امریکہ کو پہل کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ چنانچہ جس خفیہ طرز پر امریکہ نے کیوبا پر حملہ کرنے کا فیصلہ کیا، اُسی خاموشی سے سوویت یونین نے درمیانے فاصلے کے اپنے میزائل کیوبا کو منتقل کردیے۔ جب یہ میزائل نصب ہوچکے تب کہیں جا کر امریکہ کو اس کی خبر ہوگئی۔ اُس کے تو سارے عزائم خاک میں مل گئے۔ یہ میزائل نہ صرف اُس ''وقتی'' امریکی جارحیت کو روکنے کیلئے کافی تھے بلکہ اُن کی کیوبا میں موجودگی نے دونوں سپر پاورز کے مابین فوجی توازن کو الٹ پلٹ کر کے رکھ دیا۔ امریکی سامراج تلملا اٹھا۔ اُس نے فوری طور پر جہاز بردار بحری جہازوں سے کیوبا کو گھیرے میں لے لیا۔

اور جنگ تیار ہوگئی۔ اور جنگ بھی ایٹمی جنگ تھی۔ دنیا میں ایک بحران آ گیا۔ ایٹمی جنگ کے دہانے پر پہنچ کر امریکہ کو ہوش آ گیا۔ چنانچہ معاہدہ اس بات پر ہوا کہ امریکہ نے کیوبا پر حملہ نہ کرنے کی ضمانت دے دی اور ترکی میں موجود اپنے وہ میزائل بھی ہٹا دیے جو اس نے سوویت یونین کو نشانہ بنانے کیلئے نصب کیے تھے۔ سوویت یونین نے کیوبا سے اپنے میزائل ہٹا دیے۔ اور یوں نہ صرف عالمی جنگ کا بحران ٹل گیا بلکہ کیوبا پر براہِ راست حملے کی سازش بھی ناکام ہوگئی۔

6۔ بلاکیڈ

1961 میں امریکہ کے صدر آئزن ہاور نے فیصلہ کیا کہ کیوبا کے انقلاب کو برباد کیا جائے۔

اس کا سب سے اہم ذریعہ اُس نے کیوبا کی معاشی ناکہ بندی کو قرار دیا۔

1962 میں امریکہ نے کیوبا پر ناکہ بندی لگا دی۔ انقلاب کی اس قدر وسیع مقبولیت کو صرف ایک راستے سے کم کیا جاسکتا تھا۔ وہ یہ کہ معاشی طور پر عوام کے اندر گہری بے اطمینانی اور مشکلات پیدا کی جائیں۔ ایسا طریقہ جس میں کیوبا کے پاس نہ پیسہ جائے اور نہ اشیا اور خوراک۔ وہاں بھوک برامد کی جائے، ہیجان برپا کیا جائے اور حکومت کا تختہ الٹا جائے۔ مصنف گبرئیل گارشیا مارکوئیز جس نے اُس زمانے کو بہترین طور پر بیان کیا تھا' وہ ''نسل کُشی کا ایک غضبناک دور تھا''۔

''ایک ایسا دور جو آج تک جاری ہے'' فیڈل نے مجھے مطلع کیا۔

''بلاکیڈ ہمیشہ کی بہ نسبت آج زیادہ ہے، اور موجودہ زمانے میں بدتر بنانے والا عنصر یہ ہے کہ یہ امریکہ کے آئین کا حصہ ہے۔ صدر نے اس کے حق میں ووٹ دیا' سینٹ نے بھی اور ایوانِ نمائندگان نے بھی.......... یہ ہیلمز برٹن ایکٹ کا دخل اندازی اور قبضہ کرنے والا ایکٹ ہے، اور ٹورسیلی ایکٹ ہے..........

''مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ اس دن 1996 میں جب سینٹر ہیلمز یاد کا پیش کردہ بل منظور ہوا تو وہ بہت خوش تھا اور صحافیوں کو اپنے منصوبے کے بارے میں دُہرا دُہرا کر بتا رہا تھا:

''کاسٹرو کو کیوبا چھوڑنا پڑے گا۔ مجھے کوئی پرواہ نہیں کہ کاسٹرو کس طرح ملک چھوڑتا ہے: وہ خواہ افقی حالت میں ملک چھوڑے یا عمودی حالت میں............مگر کاسٹرو کو کیوبا چھوڑنا پڑے گا''۔

''1962 میں جب امریکہ نے بلاکیڈ مسلط کردی تو کیوبا نے جلد ہی خود کو اس حالت میں دیکھا کہ اُس کے پاس ایک درخشاں و تاباں اور بغیر دفاع والے جزیرے پر چھ ملین مصمم کیوبائیوں کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے............

''کوئی بھی، جی ہاں' کوئی بھی ملک کیوبا کے ساتھ تجارت نہیں کرسکتا تھا، کوئی خرید و فروخت نہیں ہوسکتی تھی، جو کمپنی یا ملک امریکہ کی تجارتی خوف و ہراس کے سامنے نہ جھکتی اس کا تو خدا ہی حافظ تھا۔ جو بات مجھے ہمیشہ کھٹکتی رہی یہ تھی کہ ابھی چند سال پہلے تک علاقائی سمندروں میں گشت کرنے والی سی آئی اے کی کشتیاں ایسی کشتیوں کو روک دینے کے لئے موجود تھیں جو اس جزیرے کیطرف تجارتی مال لا رہی ہوتیں۔

''البتہ سب سے بڑا مسئلہ ہمیشہ سے دوائیوں اور خوراک کا رہا ہے اس کے باوجود کہ ہم بڑے پیمانے کی تجارت کرنا چاہتے تھے، یا ہم ایڈوانس میں نقد پیسے دیتے تھے۔

''کیوبا کو بھوک سے مارنے کی سزا سنائی جا چکی تھی' جیسے کہ گارشیا مارکوئیز نے کہا'' کیوبا والوں کو شروع سے ازِ سرِ نو زندگی ایجاد کرنی پڑی''۔

انہوں نے'' ضرورت کی ایک ٹیکنالوجی'' کو فروغ دیا اور ''تنگی کی ایک معیشت'' کو فروغ دیا''، ''تنہائی کا ایک پورا کلچر'' فروغ دینا پڑا۔

فیڈل کاسٹرو کے چہرے پر پشیمانی کی کوئی علامت نہیں، تلخی تو بالکل نہیں جب وہ تسلیم کرتا ہے کہ دنیا کے ایک بڑے حصے نے کیوبا کو مکمل طور پر ترک کر دیا۔ اس کے برعکس...........

''جو جدوجہد، جو جنگ ہمیں لڑنی پڑی اس نے ہمیں بڑی کوششوں پر لگا دیا جو ہم بلاکیڈ کے بغیر شاید ہی کرسکتے تھے''۔ فیڈل نے کہا۔

مثال کے طور پر وہ فخر کے ساتھ، اُس بہت ہی بڑے آپریشن کو یاد کرتا ہے جو پچاس لاکھ

نوجوانوں نے شروع کی۔ وہ'' انقلاب کے دفاع'' کی کمیٹیوں میں بٹ گئے۔ محض ایک آٹھ گھنٹے کے دن میں انہوں نے پورے ملک میں بڑے پیمانے کی ویکسینیشن مکمل کرلیا، اور کئی مہلک بیماریوں کا خاتمہ کر دیا۔ یا ڈھائی لاکھ سے زیادہ خواندگی کے اساتذہ نے (جن میں سے ایک لاکھ بچے تھے) بالغوں کی اکثریت کو پڑھانے کا کام سنبھالا جو کہ پڑھ اور لکھ نہیں سکتے تھے۔

مگر ''عظیم چھلانگ'' تو بلاشبہ طب اور بائیوٹکنالوجی میں تھی۔ کہتے ہیں کہ خود فیڈل نے سائنس دانوں اور ڈاکٹروں کی ایک ٹیم ٹریننگ کے لیے فن لینڈ بھیجی جو بعد میں دوائیوں کی پیداوار کے ذمے دار ہوگئے۔

''دشمن نے ہمارے خلاف جراثیمی ہتھیار استعمال کیے۔ وہ ''ڈینگی وائرس ٹو'' یہاں لایا۔ قبل از انقلاب والے کیوبا میں ''ڈینگی وائرس ون'' تک بھی موجود نہ تھا۔ پھر وائرس ٹو یہاں لایا گیا۔ یہ بہت ہی خطرناک ہے اس لئے کہ اس میں خون بہت بہتا ہے اور یہ خصوصاً بچوں پر حملہ کرتا ہے۔ انقلاب دشمن اسے لائے۔ وہی لوگ جنہیں بُش نے معافی دے دی، وہی لوگ جنہوں نے باربیڈوس کے اوپر'' کیوبانا'' کے جہاز کو تباہ کرنے کی منصوبہ بندی کی تھی............ انہی لوگوں کو یہ وائرس یہاں متعارف کرنے کی ذمہ داری دی گئی تھی'' فیڈل نے بتایا۔

''انہوں نے کیوبا پر الزام لگایا کہ یہاں مچھر بہت تھے'' میں نے فیڈل کو بتایا۔

''اور وہ زیادہ کیوں نہ ہوتے جب ان سے نجات کا واحد راستہ ابیٹ (ایک مچھر مار دوا) تھا اور ہم ابیٹ نہیں لے سکتے تھے؟ صرف امریکہ وہ پیدا کرتا تھا''۔ اس نے انکشاف کیا۔

کمانڈر کا چہرہ مغموم ہوا: ''ہمارے بچے مرنے لگے'' اسے یاد آ رہا تھا'' ہمارے پاس کچھ بھی نہ تھا جس سے اس مرض پہ حملہ کیا جاسکتا۔ کوئی بھی ہم پر وائرس کو ختم کرنے کی دوائی یا آلات بیچنے کو تیار نہ تھا۔ ایک سو پچاس افراد اس بیماری سے مرے تھے۔ تقریباً سارے کے سارے بچے تھے''۔

''ہم چیزیں خریدنے پر مجبور تھے، گو کہ وہ بہت زیادہ مہنگی تھیں۔ انہوں نے ہر جگہ انہیں ہم پر بیچنے کی ممانعت کی تھی۔ جب حالات قابلِ ترس حد تک پہنچے تب انہوں نے انہیں تھوڑی

مقدار میں اندر لانے کی اجازت دے دی‘‘۔

’’مکمل طور پر قابلِ ترس حالات تو نہیں، بلکہ ہماری یک جہتی میں کیوبا کے کچھ دوستوں نے بالکل ایسا ہی کیا‘‘۔ فیڈل نے میکسیکو کا ذکر کیا، ایچیوریا خاندان، لوئیس اور ماریا ایستر کا ذکر کیا (جو گو کہ اس زمانے میں حکومت میں نہ تھے) وہ کچھ مشینری حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے جس نے کیوبا کو اس وبا کو ایک حد تک کم کرنے کے قابل بنا دیا۔

’’ہم انہیں کبھی نہ بھولیں گے‘‘ اس نے کہا۔ نظر آتا تھا کہ وہ بہت متاثر تھا۔

حوالہ جات

1۔ کاسترو، فیڈل۔ 2008۔ مائی لائف۔ پنگوئن۔ صفحہ 245

2۔ http://www.granma.cu/2009mayo.html

انقلاب کی نعمتوں کا دوام

صحت

کیوبا کو تین میدانوں میں حیرت انگیز ترقی کی بنا پر دنیا بھر میں ایک قابلِ ذکر ملک بننا تھا: تعلیم، صحت اور بایوٹکنالوجی۔ کیوبائی انقلاب نے عوام الناس کے لیے جو اولین چار ترجیحات مقرر کی تھیں وہ آج تک چلی آ رہی ہیں اور ان میں مسلسل بہتری آتی جا رہی ہے۔ وہ چار ترجیحات تھیں: مفت کوالٹی تعلیم، مفت کوالٹی علاج، سب کیلئے سوشل سیکیورٹی، اور سب کیلئے رہائش۔

ایک بار کاسترو نے کہا تھا:

’’ہم انقلاب کا دفاع محض بندوق اور فوجی ٹریننگ سے نہیں کرتے۔ ہر شخص اپنے اپنے مقام پر انقلاب کو مضبوط کرنے کا فریضہ سرانجام دے رہا ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر نرس جس کا کام ایک مریض کی دیکھ بھال کرنا ہے، وہ جتنا بہتر کام کرے گی، یا ایک لیب ٹکنیشن جتنی جلد ایک ٹیسٹ کرے گا، تو اس کا مطلب انقلاب کا مضبوط کرنا ہے، اِسے سیاسی طور پر مضبوط کرنا ہے، وہ خواہ مرد ہو یا عورت، وہ دراصل انقلاب کا ایک سپاہی تیار کر رہا ہے‘‘۔

فیڈل کاسترو کو فخر ہے کہ اس کے ملک میں مائیں بچوں سمیت ہر رات دروازے کھٹکھٹا کر دوسروں کا بچا کھچا کھانا نہیں مانگتیں۔ اب جب کسی خاندان کا کوئی فرد بیمار پڑ جائے تو وہ ہسپتال جاتا ہے نہ کہ ماضی کے کسی طاقتور شخص کے پاس ایک سفارشی رقعہ لینے۔ ڈاکٹروں کی تعلیم کے لئے صرف

ایک یونیورسٹی موجود تھی ۔ جب 1962 میں امریکہ نے 3500 (یا50 فیصد) کیوبن ڈاکٹروں کو اپنا وطن چھوڑنے کا منصوبہ کامیابی کے ساتھ بنایا تھا جس سے صحت کے شعبے میں ایک بحران پیدا ہو گیا تھا اور سینکڑوں انسانوں کی موت واقع ہو گئی تھی۔ اُسی وقت کاسٹرو نے ایسے ادارے کھولے جہاں ایسے ڈاکٹر پیدا ہوں جو دیہات میں جائیں، جو سب کی رسائی کے اندر طبی سہولتیں مہیا کریں اور جو بین الاقوامیت پسند ہوں۔ ایسے ڈاکٹر جو انسان دوستی کی نفیس ترین مثال ہوں۔ اب اگر وہی امریکہ چار کی جگہ چالیس ہزار ڈاکٹرز کو بھی باہر لے جانے پہ اُکسا پائے، اور 22 میڈیکل کالجز تباہ بھی کر دے تب بھی کیوبا کے پاس واشنگٹن سے زیادہ بہتر مریض، ڈاکٹر تناسب رہے گا۔ وہاں تو نصب العین ہی یہ بنا ہے کہ اگر وقت پر اقدامات نہ اٹھانے کی وجہ سے ایک بھی زندگی ضائع ہوئی تو یہ انقلاب کے لئے ایک شرم کا مقام ہوگا۔

آئین میں شعبہ صحت کو، لوگوں کے لئے وقف کر دیا گیا۔ لوگوں کے لئے میڈیکل صحت کے لئے حفاظتی اقدامات، ہیلتھ ایجوکیشن، طبی معائنے کے پروگرام اور قوتِ مدافعت بڑھانے کے پروگرام بھی مفت کر دیئے گئے۔ کیوبا میں انتہائی نگہداشت کے یونٹ، دل کی جراحی، ٹرانس پلانٹ، گردوں کے امراض اور تمام نازک بحالی کا کام مفت ہوتا ہے۔

جی ہاں، کیوبا میں سارا علاج مفت ہوتا ہے۔ وہاں کل ستر ہزار ڈاکٹر ہیں۔ اس اعداد و شمار میں قارئین کو دلچسپی نہیں ہوگی۔ اس لیے یہ اچھا رہے گا کہ حساب کتاب لگا کر آپ کو بتا دیا جائے کہ کیوبا میں 194 انسانوں کے لئے ایک ڈاکٹر موجود ہے۔ (ان میں سے تیس ہزار ڈاکٹر دنیا کے ساٹھ ممالک میں خدمات انجام دے رہے ہیں)۔ ملک میں 700 ہسپتال ہیں۔ ہر بچے کو تیرہ ویکسین ملتے ہیں جس کی وجہ سے پولیو، خناق، خسرہ، کالی کھانسی، تشنج، روبیلا، ممپس اور ہیپاٹائٹس بی کا مکمل خاتمہ ہو چکا ہے۔ وہاں انفنٹ مارٹلٹی ریٹ 5.3 فی ہزار ہے۔ کیوبا میں اوسط عمر 77 سال ہے۔

کیوبائی عالمی فخر کے مستحق ہیں کہ وہ بغیر ایک پیسہ لئے سالانہ دس لاکھ انسانوں کو بینائی دینے والے آپریشن کرتے ہیں۔ کیا امریکہ کیوبا کا مقابلہ کر سکتا ہے؟۔

دیکھیے ناں، کہ کیوبا کے انقلاب کو ابھی دو سال بھی نہ گزرے تھے جب اُس نے پہلا بڑا انٹرنیشنلسٹ فریضہ سنبھالا۔ الجیریا کے عوام فرانس سے اپنی آزادی کیلئے لڑ رہے تھے۔ کیوبا اُس کی مدد کرنے آن موجود ہوا۔ اُس نے یورپ کے ساتھ اپنے سیاسی معاشی تعلقات کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ایک بحری جہاز اسلحہ سے بھر کر اُن کے لئے بھیجا۔ اسلحہ پہنچا کر یہی جہاز واپسی پہ تقریباً ایک سو الجیریائی بچے ساتھ لایا جو جنگ میں یتیم اور زخمی ہو چکے تھے۔ اسی طرح 1963 میں محبِّ وطن کاسٹرو اور اُس کے انسان دوست ملک نے اپنا طبی دستہ وہاں روانہ کر دیا۔ ڈاکٹروں کے دستے کی جانب سے بین الاقوامیت پسندی اور انسان دوستی کی طرف یہ اِس سلسلے کا پہلا بڑا قدم تھا۔ پھر ایسی میڈیکل ٹیمیں انگولا، گنی بساؤ اور اپنی آزادی کے لیے برسرِ پیکار دیگر افریقی ملکوں میں جاتی رہیں۔ آج تو دنیا کے ہر کونے میں ضرورت پڑنے پر کیوبا کا یہ سب سے تیز رفتار طبی دستہ چوبیس گھنٹے کے اندر اندر پہنچ جاتا ہے۔ ہر جگہ مصیبت کے وقت کیوبا کے ڈاکٹر پہنچ جاتے ہیں۔

1963 کی یہی چھوٹی سی ابتدا آج ایک بہت بڑی بین الاقوامی قوت بن چکی ہے۔ انسان کے یہ خدمتگار ڈاکٹر ہمہ وقت تیار رہتے ہیں کہ خدانخواستہ دنیا کے کسی کونے میں کوئی آفت آ جائے تو یہ لوگ مختصر ترین وقت میں وہاں پہنچ جاتے ہیں۔ وہ صرف خود نہیں جاتے بلکہ مرہم پٹی کی معمولی اشیاء سے لے کر پیچیدہ ترین آپریشن کا سارا ساز و سامان اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔ سیلاب ہو، سمندری طوفان ہو، یا زلزلہ، کیوبائی ڈاکٹر بہادری، قربانی اور موثر ایکشن کی تاریخ میں ایک سنہرا صفحہ لکھ کر، اور اپنے ملک کے انقلاب کی بے مثال حاصلات کی پاک ضخامت بڑھا کر، واپس چلے جاتے ہیں۔ پاکستان کے زلزلے میں انہوں نے نہ صرف جسم و دل و روح کے زخموں سے چُور انسانوں کا مفت علاج کیا بلکہ جاتے ہوئے اپنا سارا ساز و سامان' سارا ہسپتال پاکستانی عوام کو تحفہ دے دیا۔ مزید برآں وہ ہمارے ایک ہزار بچوں کو مفت میڈیکل تعلیم دینے لے گئے۔ یہ ایک ایسی اچھی اور خوبصورت روایت ہے جو الجزائر کے زمانے سے لے کر آج تک جاری ہے ۔ایک زبردست انقلابی روایت!!۔

تعلیم

کاسٹرو کے انقلابیوں نے ساری تعلیم کو قومی ملکیت میں لے لیا۔اور ملک کے تمام تعلیمی اداروں میں بلا امتیاز رنگ ونسل سب کو تعلیم حاصل کرنے کی اجازت دی گئی۔اس نے مسیحیوں کے سارے مشنری سکول بھی قومی ملکیت میں لے لیے۔مگر اس پورے انقلاب میں ایک بھی پادری قتل نہ ہوا۔

تعلیمی اداروں کو قومی ملکیت میں لینے کے بعد اُس نے سب سے پہلے یہ فریضہ سنبھال لیا کہ عوام الناس کو پڑھنا سکھانے کی مہم شروع کردی۔ پورے ملک کے طول وعرض میں سکولوں کا ایک جال بچھایا گیا اور تین لاکھ استاد ملازمت میں لے لیے۔

کاسٹرو کو اپنی ڈائری میں لکھا ہوا وہ پیراگراف سب سے اچھا لگتا ہے جب اس کی فوجوں نے پہلی کامیابی حاصل کی تھی۔ وہ فقرہ یوں تھا: ''وہاں میں نے فاصلے سے جبر کی چھاؤنیوں کے اوپر آزادی کے شعلے جلتے دیکھے۔ایک روز ہم ان کی راکھ پر سکول کھڑے کریں گے''۔اسی آزادی کے شعلوں کیلئے تو انسانیت کاسٹرو کی شکرگزار رہے۔یہ مشعل تو ''پرومی تھی اُس'' کی پیروی ہے۔کاسٹرو کو انسانی دماغ اور بنی نوع انسان پہ اعتبار رہا ہے۔اسے انسانیت کی بقا کی ناگزیریت پہ پختہ ایقان رہا ہے۔........... اور یوں کاسٹرو نے انقلاب کے محض دو برس بعد اعلان کیا تھا کہ اس کا ملک براعظم امریکہ میں ناخواندگی سے پاک، اولین ملک ہے۔ وہ اعلان آج تک سچ ہے۔اس نے چھاؤنیوں کو واقعی سکول بنالیا۔اس نے کیوبا کے عوام سے کہا ''پڑھو، محض اعتبار نہ کرو''۔اُس شخص نے عوام الناس تک تحریری لفظ کی رسائی عطا کی۔

کاسٹرو کے کیوبا نے درس وتدریس کا بالکل ہی انوکھا طریقہ استعمال کیا جس کا نام ہے: ''ہاں، میں یہ کرسکتا ہوں''۔ یہ فقرہ، بعد میں لاطینی امریکہ کے دیگر ترقی پسند حکومتوں بالخصوص شاویز کے وینزویلا نے اپنا لیا۔

کیوبا کی شرح خواندگی بھی بہت زیادہ ہے کیونکہ آئین کے آرٹیکل 5 کے مطابق تعلیم ہر شہری کے لئے مفت قرار دے دی گئی ہے جس کے باعث ناخواندگی کا مکمل طور پر خاتمہ ہوا ہے۔

چنانچہ اس وقت سے لے کر آج تک کیوبا نے اپنی ناخواندگی صفر فیصد تک ہی جاری رکھی ہوئی ہے۔تعلیم کا اوسط نو جماعتوں تک ہے۔واضح رہے کہ خواندگی، اوسط عمر کی طوالت اور رہائشی مکانات کے حوالے سے کیوبا امریکہ کو بھی پیچھے چھوڑ چکا ہے۔کیوبا کی گلیوں سے اَن پڑھ انسان مکمل طور پر غائب ہیں۔سکول کی عمر کے بچوں کا سو فیصدی سکولوں میں موجود ہے۔98 فیصد ایلیمنٹری تعلیم مکمل کرتا ہے اور 91 فیصد جونیئر ہائی۔آج وہاں ہر گیارہ لوگوں میں سے ایک یونیورسٹی گریجویٹ ہے اور ہر آٹھ میں سے ایک ٹکنیکل پیشہ ورانہ ڈگری رکھتا ہے۔آج وہاں ساڑھے چھ لاکھ شاگرد یونیورسٹیوں میں موجود ہیں........... اور یہ ساری تعلیم مفت ہے۔ ابتدائی مدارس سے لے کر یونیورسٹی تک طلبا کے جملہ اخراجات (فیسیں، رہائش، خوراک، وردی، کاغذ، قلم دوات وغیرہ) سب حکومت کے ذمے ہیں۔ اِس کے علاوہ چھٹی جماعت کے بعد بالائی خرچ کے لیے بہت سے وظائف ہیں۔یونیورسٹی کے طلباء 20 ڈالر سے لے کر 27 ڈالر تک وظیفے پاتے ہیں۔وہاں کوئی بچہ گلیوں میں لوگوں کے جوتے چمکانے کے لیے موجود نہیں ہے۔

جہاں جہاں انقلابی تحریک میں لہو بہا وہاں مقبرے اور مینار کھڑے کرنے کے بجائے یادگار کے طور پر بچوں کے سکول قائم کیے گئے۔ مانسادا کی فوجی بارک بچوں کا سکول، بے آف پگز کے ساحل پر ماہی گیروں کے بچوں کے لیے تربیت گاہ، اور سب سے عظیم الشان سکول سائرا میسٹرا پہاڑیوں کے دامن میں۔جس میں بیس ہزار بچے ہیں۔ ہسپتال، سینما، کارخانے، بجلی گھر اور بہت سی اراضی اس درسگاہ سے متعلق ہیں۔

بہت سے لوگ سمجھتے ہیں کہ پیسہ فیصلہ کن عنصر ہے۔غلط۔علم کی سطح، اور بالخصوص سماجی طبقات میں علم کی سطح فیصلہ کن عنصر ہے۔خود یہ دلچسپ شخص کہتا ہے کہ جس کسی کے پاس کمپیوٹر موجود ہے سارا شائع شدہ علم اس کے پاس ہے۔مگر وہ ایک دوسری بات بھی کہتا ہے کہ نظریات تو علم اور اخلاقی اقدار دونوں سے جنم لیتے ہیں۔مسائل کا ایک اہم حصہ ٹیکنالوجی کے ذریعے حل ہوسکتا ہے، مگر دوسرے حصے کی انتھک انداز میں آبیاری کرنی چاہیئے۔ورنہ سب سے بنیادی جبلتیں حاوی ہوجائے گی۔

اب ان کے وطن میں پیدائش کے وقت ٹھپہ نہیں لگتا، بچوں کا مستقبل طے نہیں ہوتا۔ نہ ہی بارہ تیرہ سال کے لڑکوں کو کھیتوں اور لڑکیوں کو ملازماؤں کے بطور گھروں میں بھیجا جاتا ہے۔ آج پچاس برس قبل والی خستہ حالت موجود نہیں ہے۔

روزگار

انقلاب کے وقت کیوبا میں محنت کرنے کے قابل بے روزگار انسانوں کی تعداد چھ لاکھ تھی۔

کیوبا میں شہریوں کی لگی ہوئی کوئی لائن موجود نہیں جو روزگار کی تلاش میں کھڑے ہوں ۔روزگار سرکار کی ذمہ داری۔ بے روزگاری کا لفظ کیوبا کی سیاسی معاشی ڈکشنری میں موجود نہیں ہے۔

زچہ و بچہ

کیوبا میں کام کرنے والی حاملہ عورتوں اور کم عمر لڑکیوں کی مدد کی جاتی ہے اور انہیں بچوں کی پیدائش سے پہلے اور بعد کی چھٹیوں کی بھی تنخواہ دی جاتی ہے۔ علاوہ ازیں پبلک ہیلتھ کا قانون بھی تمام شہریوں کی صحت کو بہتر بنانے کی یقین دہانی کراتا ہے جس میں جسمانی اور ذہنی معذور افراد کی بحالی کے اقدامات شامل ہیں۔

سائنس وٹکنالوجی

کیوبا، خطے میں بائیوٹیکنالوجی انڈسٹری کا لیڈر ہے۔ حکومت نے چھوٹی مصنوعات بنانے والی انٹر پرائز کی حوصلہ افزائی کی ہے۔ حکومت نے کمپیوٹر سائنس کی اعلیٰ تعلیم کیلئے سکولوں میں سرمایہ کاری بھی کی۔ واضح رہے کہ سوشلسٹ انقلاب کے لئے کمپیوٹر سائنس کی ترقی آکسیجن کا کام دیتی ہے۔ اُس کے بغیر کوئی گزارہ نہیں۔

سوشل سیکورٹی

سوشل سیکورٹی کے نظام کے تحت ہر خاندان کی قومی انشورنس، ہر کارکن کی انفرادی انشورنس اور ہر معذور کے لیے ڈس ایبلٹی الاؤنس میسر ہے۔

ملازمین کو ریٹائرمنٹ پر پنشن ادا کی جاتی ہے۔ مستحق افراد کے لئے خوراک کی سہولیات کے علاوہ دیگر ضروریات زندگی میں بھی رعایت دی جاتی ہے۔

رہائش

انقلاب نے اپنے اولین ایام سے ہی کم آمدنی والے طبقات کے لئے مکانات کے کرائے میں پچاس فیصد تخفیف کا اعلان کردیا۔

کیوبا میں مکانوں کے کرائے بھی کم ہیں اور اشیاء بھی انتہائی ارزاں نرخوں پر ملتی ہیں۔

سیاحت و سپورٹس

فیڈل کاسترو بہت خوبصورتی سے دماغی محنت اور جسمانی محنت دونوں کی قدر کرتا ہے۔

ابھی 2008 کے اوائل میں وہ گرانما اخبار میں لکھ رہا تھا: ”جس طرح ہم نے ہائر ایجوکیشن کو عام کردیا اسی طرح ہمیں آئینی تبدیلیوں کے بعد سیاحت کے شعبہ میں پرائیویٹ سرمایہ کاری کو فروغ دے کر سیاحت کو ایک سادہ جسمانی محنت کو عام کرنا چاہیے“۔

فیڈل کاسترو نے ایک اچھے انقلابی کی طرح ہمیشہ اپنے جسم، دماغ اور کردار کی زبردست حفاظت کی ہے۔ وہ جوانی ہی سے ورزش اور کھیلوں کا دلدادہ رہا ہے۔ وہ ایک زبردست سپورٹس مین رہا ہے۔ وہ بیس بال کا ماہر ہے، زبردست باسکٹ بال کھیلتا رہا ہے اور گہرے سمندر کی ماہی گیری کرتا ہے۔ اس کی صحت، اس کی خوش مزاجی، صبر، اور محنت اسی سپورٹس مین شپ کی برکت سے ہیں۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ جوانی میں باسکٹ بال کے کوچ نے جب اسے ٹیم میں شامل کرتے وقت مسترد کردیا تھا تو فیڈل نے خود کو سخت ترین پریکٹس میں ڈال دیا۔ جنونی مشق کے بعد وہ نہ صرف ٹیم میں شامل ہوا بلکہ اگلے برسوں میں وہ اسی ٹیم کا کیپٹن بنا۔ کاسترو اٹھارہ برس کی عمر میں کیوبا کا

ممتاز کالج اتھلیٹ منتخب ہوا۔اس طرح ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ مصمم ارادہ،مرکوز محنت، زبردست یادداشت اور سپورٹس' اس کے انقلابی کیرئیر کی بنیاد بنے۔وہ پوری زندگی خود کو فٹ فاٹ رکھنے کے لئے روزانہ کئی گھنٹے ورزش کرتا رہا ہے۔اِسی عمل کو اس نے ملک بھر میں کامیابی سے رائج کر دیا۔

جسمانی محنت پر زور دینے کی بات ہے تو دیکھیے کہ کیوبا:

1- دنیا کا وہ واحد ملک ہے جہاں پیشہ ور سپورٹس پر پابندی ہے۔اُس ملک میں نام نہاد پروفیشنل سپورٹس مین آپ کو نہیں ملے گا۔ یہ مصیبت تو دنیا میں اُس وقت شروع ہوئی جب ترقی یافتہ سرمایہ داری نظام اولمپک گیمز کے اندر گھسنے میں کامیاب ہو گیا۔ اُس کے بعد کھیلیں عوام الناس کی صحت اور تعلیم کا معاملہ نہ رہیں جیسا کہ ساری تاریخ میں چلا آ رہا تھا۔ بلکہ اب بدصورت پرائیویٹ کمپنیوں نے کھلاڑیوں کے حقوق اپنے نام کر دیے اور اُن کی خرید و فروخت انہی پیمانوں پر ہونے لگی جن پیمانوں پر گندم کی ایک بوری خریدی یا بیچی جاتی ہے۔مگر کیوبا نے ایسا نہ کیا اور اپنا تاریخی طریقہ جاری رکھا۔وہاں کھیلوں کو صحت، تفریح اور تعلیم کے بطور فروغ ملتا رہا۔کیوبا شاید اپنی آبادی کے تناسب سے دنیا کا واحد ملک ہے جس کی فی کس گولڈ میڈل شرح بلند ترین ہے۔

2- یہ وہ واحد ملک ہے جس نے کئی برس قبل کھیلوں اور جسمانی تربیت کے لئے ایک بہت بڑا بین الاقوامی سکول کھولا جس نے تیسری دنیا کو ہزاروں گریجویٹ مہیا کیے اور جس میں آج 1500 شاگرد ایک ٹکہ خرچ کیے بغیر زیر تربیت ہیں۔

3- اس ملک کے سینکڑوں پروفیسر کھیلوں اور جسمانی تربیت سکھانے کے لئے تیسری دنیا کے ملکوں میں بغیر معاوضے کے خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔

4- یہ وہ واحد ملک ہے جو دنیا کے طاقتور اور امیر ترین سپر پاور کی ناکہ بندی کے باوجود اولمپکس کھیلوں میں حصہ لیتا ہے اور تمغے جیت لیتا ہے۔

ثقافت اور ادب وفنون

کاسٹرو ثقافت کے معاملے میں بہت محتاط اور متوجہ رہا ہے ۔ وہ سماجی معاملات کی موجودگی کی بنا پر لاطینی امریکہ کی فلموں کو ترجیح دیتا ہے: ''میں انہیں یورپی اور امریکی فلموں سے زیادہ پسند کرتا ہوں اس لئے کہ امریکی اور یورپی فلموں میں تشدد، مافیا، جنس، کار دوڑ وغیرہ کی بھرمار ہوتی ہے''۔(1)

کاسٹرو اور اس کا کیوبا علم و ادب اور فنون میں کارنامے سرانجام دینے والوں کی تکریم میں آنکھیں بچھا دیتے ہیں۔اُس کا سب سے بڑا دوست گارشیا مارکوئیز تھا۔ مارکوئیز نے لکھا کہ :''ہماری دوستی ایک دانشورانہ دوستی ہے۔فیڈل ایک بہت ہی مہذب شخص ہے۔ہم جب بھی اکٹھے ہوتے ہیں تو زیادہ تر ادب کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں''۔اسی طرح ہیمنگوے، سارتر، سائموں ڈی بوائر، اور پبلو نرودا، جیسے دانش کی شخصیات سے کاسٹرو نے ہمیشہ شخصی تعلق رکھا۔وہ اِن لوگوں کے کیوبا آنے کے دوران خصوصی طور پر اُن سے ملتا ہے، ان کی خدمت کرتا ہے اور گھنٹوں بحثیں کرتا ہے۔کاسٹرو بہت بے قراری سے علم و ادب کے ان پیامبروں کا انتظار کرتا ہے۔

ماحولیات

کیوبا اور انقلاب اپنی شعبہ جاتی کارکردگی اور ترقی پر تواتر سے توجہ مرکوز کیے رہتے ہیں۔مگر ساتھ ساتھ وہ عمومی طور پر ماحولیات کے تحفظ پہ بھی ہر دم چوکس رہتے ہیں۔

کیوبا بین الاقوامی معاہدے، مانٹریال پروٹوکول کا دستخطی ہے جو اوزون کی تہہ کی حفاظت سے متعلق ہے۔ برسوں قبل ریوڈی جانیرو میں اقوام متحدہ کے زیر اہتمام ایک کانفرنس میں کاسٹرو نے یوں کہا تھا:''ایک مخلوق کے ختم ہو جانے کا خطرہ ہو گیا ہے' اور وہ مخلوق ہے: انسان''۔فیڈل کاسٹرو کی دلیل یہ ہے کہ امریکہ نے ہر براعظم میں درجنوں ممالک کے اندر سینکڑوں فوجی اڈے قائم کر رکھے ہیں۔ جہاں جہاز بردار اور نیوی کے جہاز، اس کے ہزاروں ایٹمی ہتھیار، اس کی فتوحات والی جنگیں، اس کی فوجی صنعتی کمپلیکس اور ہتھیاروں کی اس کی فروخت بنی نوعِ انسان کی بقاء کی نفی

کرتی ہیں۔اسی طرح کنزیومر معاشرے اور مادی وسائل کی ناترس فضول خرچی بھی معاشی ترقی اور ایک صاف ستھری کائنات کی نفی کرتی ہیں۔لاکھوں کروڑوں سالوں کے عمل کے بعد وجود میں آنے والے (مگر دوبارہ پیدا نہ کئے جاسکنے والے) قدرتی وسائل کا لامحدود اصراف' بالخصوص تیل وگیس و کوئلہ کا اصراف ماحولیات کی بربادی کا باعث بن رہے ہیں۔کیوبائی یونیورسٹی سٹوڈنٹس کے نام پیغا م میں کاسترو نے کہا تھا:

''آج ہمیں دو بڑے چیلنج درپیش ہیں:

عالمی امن کو مضبوط کرنا اور کرہ ارض کو موسمی تبدیلیوں سے بچانا۔اول الذکر کا مطلب ہے ٹھوس بنیاد پر ایک مستقل امن کا حصول، ثانی الذکر موسمی تبدیلی کو الٹ دینا۔ہمیں اِن مسائل کا ادراک کرنا ہوگا جو خود ہم نے پیدا کیے ہیں۔آج اسلحہ زیادہ پیچیدہ اور مہلک ہے اور کرۂ زمین مزید کمزور اور مزید آلودہ ہے۔

''ہماری ماں یعنی کرۂ زمین ایک Passive تمباکو نوش (سموکر) کی طرح ہے، جو ابھی تک نشئی نہیں ہوئی ہے۔ہم اسے دھڑا دھڑ بیمار بنا رہے ہیں۔

''کوئی آدمی درخت کاٹنے کا حقدار نہیں جب تک کہ وہ تین درخت نہ لگا چکا ہو۔ہم فطرت سے منہ نہیں موڑ سکتے۔ہمیں اسے مضبوطی سے بانہوں میں لینا چاہیے۔اس لیے کہ ہم خود فطرت ہیں، ہم کئی رنگوں، آوازوں، توازن اور ہارمنی کے کا حصہ ہیں''۔

شہری آزادیاں

کیوبا نے ایک ہی بار طے کیا تھا کہ وہ آئی ایم ایف کے حکم پر نہیں چلے گا۔اس نے فیصلہ کیا کہ ریاست اپنے ہر شہری کا ذمہ دار ہے۔کسی بھی کیوبائی کو بے حفاظت نہیں چھوڑا جائے گا۔سوشل ویلفیئر نظام اس طرح ترتیب دیا گیا ہے کہ سب سے ضرورت مند تک پہنچا جائے۔کوئی ڈرگ ٹریفکنگ نہیں، کوئی منظّم جرائم نہیں، کوئی بھکاری نہیں، کوئی چائلڈ لیبر نہیں۔پولیس لوگوں پر لاٹھیاں نہیں برساتی، کوئی ماورائے قانون قتل نہیں ہوتے، خفیہ جیل خانے نہیں ہیں۔

کیوبا نے کبھی بھی غیر قانونیت، جھوٹ، دوغلاپن، عوام سے دھوکہ، بناوٹ، منافقت، موقع پرستی، رشوت، اخلاقیات کے خاتمے، اقتدار کے غلط استعمال بشمول جرم اور ٹارچر کے اقدامات کا انتخاب نہ کیا جو کہ قابل تعریف استثناؤں کے باوجود، امریکہ کے صدور کے برتاؤ کی خصوصیات رہی ہیں۔

جمہوریت

جو ملک اپنے تمام شہریوں کو صحت، تعلیم، روزگار اور سماجی تحفظ فراہم نہ کر سکے وہ کیسے جمہوری کہلا سکے گا۔جمہوریت میں تو سب شہریوں کی شراکت ہونی چاہیے نفع ونقصان سمیت۔

کیوبا جمہوریت کے حوالے سے ''مزید جمہوریت' مزید سوشلزم'' کے فارمولے پر آگے کی جانب رواں دواں ہے۔کیوبا میں ایک سیاسی پارٹی ہے مگر یہی پارٹی دنیا کی سب سے بڑی جمہوری پارٹی بننے کی تگ و دو میں ہے جہاں زیادہ بحث ومباحثہ ہو، جہاں اختلافات موجود ہوں ---۔ بنیادی نہیں۔اور وہ اختلافات مناسب جگہ پر ظاہر کئے جائیں، تاکہ ہر شخص وہ کچھ کہہ سکے کہ جو اس کے دماغ میں ہو، اپنے اصل موقع پر، اصل جگہ پر اور درست انداز میں۔

کیوبا میں ہر تنظیم کی آزادی ضروری ہے۔سب کچھ کمیونسٹ پارٹی کے اشارہ ابرو کا محتاج بالکل نہیں ہے۔مثلاً کیوبا والوں نے یہ جدت پیدا کر دی کہ اگر کمیونسٹ پارٹی کا کوئی ممبر عورتوں کی تنظیموں میں کام کرے تو اسے پارٹی ڈسپلن کی پابندیوں سے آزاد کیا جاتا ہے۔یوں یہ الگ تنظیم کے لئے بھی فائدہ مند رہتا ہے اور پارٹی کے لئے بھی۔کیوبا میں پارٹی عوامی تنظیموں کی مدد تو کرتی ہے مگر اُن کی اپنی پیشہ ورانہ سرگرمیوں اور حکومت پہ چیک رکھنے کی اہلیت پہ کوئی نگرانی' رکاوٹ اور کنٹرول نہیں رکھتی۔

کیوبا کی پارلیمنٹ' ایک کونسل آف سٹیٹ منتخب کرتی ہے جو کہ قوم کا سب سے بڑا حکومتی ادارہ ہوتا ہے جو کہ صدر کو منتخب کرتا ہے۔

پھر وہ کمال کا معاشرہ ہے جہاں لیڈر عوام سے جھوٹ نہیں بولتے۔آیئے ہم اِس کے ثبوت

میں آپ کو وہ دستاویز دکھاتے ہیں جو وہاں کا اہم ترین ڈاکومنٹ ہوتا ہے: پارٹی کانگریس میں سیکریٹری جنرل رپورٹ۔ یہ گویا پانچ سال کی اہم ترین رپورٹ ہوتی ہے۔ ہم نے چھٹی پارٹی کانگریس میں سیکریٹری جنرل رپورٹ سے یہ ٹکڑا لیا ہے:

''۔۔۔۔راشن بک اس طرح مہیا کی گئی کہ یہ گیارہ ملین کیوبائیوں کا مساوی طور پر احاطہ کر سکے۔لیکن یہاں چند لغویات کی مثالیں ہیں۔مثلاً ایک نوزائیدہ کو کافی کا کوٹا دینا۔اسی طرح ستمبر 2010 میں بھی ہوا تھا جب تمباکو نوشی کرنے اور نہ کرنے والوں دونوں کو تمباکو سپلائی ہوئی تھی''۔

تعصّبات کو قابو کرنا

کیوبا میں جب انقلاب آیا تو اُس وقت یہ ملک مندرجہ ذیل بدقسمت قسم کے تعصّبات میں گھرا ہوا تھا۔

1۔ سیاہ فام کے خلاف تعصب: ایک بہت بڑی (اور دیر تک چلنے والی) بیماری وہاں پر نسل پرستی کی تھی۔وہاں سیاہ فام لوگوں کو حقیر جانا جاتا تھا۔(چمڑے کی رنگت پر دنیا میں جتنی قتل و غارت گری ہوئی، اتنی شاید ہی کسی اور معاملے پر ہوئی ہو)۔

کیوبا نے سب سے پہلے تو انٹرنیشنلسٹ ہو کر نسل پرستی کو برباد کرنے کا کام کیا۔اُس نے افریقہ میں اپارتھائیڈ کی زبردست مخالفت کی۔اور وہاں نسل پرستی کی مخالف جمہوری تحریک افریکن نیشنل کانگریس (اے این سی) کی بھرپور مدد کی۔جس وقت کیوبا کی فوجیں انگولا میں جا کر سفید فام نسل پرستی کے خلاف لڑ رہی تھیں تو اس نے افریکن نیشنل کانگریس کے ملٹری ونگ کو اس طرح مدد کی کہ اُسے باقاعدہ ایک علاقائی Base مہیا کر دی جسے اپارتھائیڈ رجیم نے ملک بدر کر دیا تھا۔

اسی طرح 1983 میں امریکہ نے جب گرینیڈا پر حملہ کیا تو امریکہ کے خلاف کیوبا نے اپنی فوجیں بھیجیں۔

خود کیوبا کے اندر بھی زبردست انداز میں سیاہ فاموں کے خلاف نفرت کو ختم کرنے کی کوشش کی۔

سیاہ فاموں کو ساحل پر (جو کہ پرائیویٹ سرمایہ داروں کی ملکیت تھے) تفریح کے لئے جانے کی اجازت نہیں تھی، سکولوں میں بھی وہ ممنوع تھے۔ہوٹلوں میں اُن کا داخلہ ممنوع تھا۔

ظاہر ہے انقلابی اُس تعصب سے نمٹے، کبھی تیز رفتاری سے اور کبھی دھیرج سے۔گوروں اور کالوں کے لئے علیحدہ علیحدہ سہولیات (پیراکی کے تالاب، ہوٹل، قبرستان وغیرہ) کا نظام ختم کر دیا گیا۔ کیوبا کے انقلابیوں نے نسل پرستی کے خاتمے کیلئے کچھ انتظامی قدم شروع میں ہی اٹھائے۔مگر اِس معاملے کے حتمی اور مستقل حل کو بھی کبھی نظروں سے اوجھل نہ کیا۔نظریاتی تعلیم، انتظامی، معاشی اور ثقافتی اصلاحات کے نتیجے میں انقلاب کے بیس برس کے اندر اندر کیوبا کے سماج میں رنگ اور نسل کی بنیاد پر ہر طرح کے امتیاز خاتمہ ہو گیا۔

2۔ ہم جنسی کے خلاف تعصب: اس کے علاوہ ہم جنس پرستوں کے خلاف بھی حقیر ترین جذبات موجود تھے۔

پانچ دہائیاں گزریں اور homophobia (ہم جنس پرستی سے خوفزدگی) کے نتیجے میں، کیوبا کے اندر ہم جنس پرست کونے میں دھکیل دیے گئے۔اور اُن میں سے کئی لوگوں پر ''انقلاب دشمنوں'' کا الزام لگا کر انہیں ملٹری زراعتی کیمپوں میں بھیج دیا گیا۔

''ہاں'' ایک انٹرویو میں فیڈل یاد کرتے ہوئے کہتا ہے ''وہ بہت ہی بے انصافی کے وقت تھے، بے حد ناانصافی کے۔جو بھی اِس کا ذمہ دار تھا۔میں خود کو اس کی ذمہ داری سے دور رکھنا چاہتا ہوں اس لئے کہ بلاشبہ ذاتی طور پر مجھے اس طرح کا تعصب نہ تھا''۔

فیڈل کا خیال ہے کہ یہ سب کچھ انقلابی صفوں کے اندر خودرَو انداز میں پیدا ہوا، جو کہ پرانے رواجوں سے آیا۔

مگر، اس کے باوجود فیڈل نے کہا۔''اگر کوئی ذمہ دار تھا، تو وہ میں تھا''۔

''یہ صحیح ہے کہ اس زمانے میں، میں نے اس معاملے پر توجہ نہ دی............ میں زیادہ تر میزائل بحران میں' جنگ، سیاسی معاملات میں ....ڈوبا ہوا تھا''۔............ ہر وقت سبوتاژ کی منظّم کارروائیاں ہو رہی تھیں، مسلح حملے ہو رہے تھے۔ہمیں بہت سارے خوفناک مسائل کا سامنا تھا،

زندگی اور موت کے مسائل کا، اس لئے ہم اِس پر کافی توجہ نہ دے سکے‘‘۔

مگر مختصراً، کسی بھی صورت اگر کسی پر بھی ذمہ داری آتی ہے تو وہ میں ہوں۔ میں دوسرے لوگوں پر الزام نہیں لگانا چاہتا...........‘‘۔

اسے صرف یہ افسوس ہے کہ اس نے اُس وقت صورتحال کو ٹھیک کیوں نہ کیا۔ آجکل، البتہ اس معاملے کا سامنا کیا جارہا ہے۔ اس ملک میں 1990 کی دہائی میں ہم جنس پرستی کو ’’بے جرمی‘‘ قرار دیا گیا۔ اب وہاں پارٹی اور حکومت نے ایک نعرہ وضع کیا ہے: ’’ہم جنس پرستی ایک خطرہ نہیں ہے، خطرہ تو ہم جنس پرستی سے خوف یعنی ہوموفوبیا ہے‘‘۔ اس نعرے کے تحت ملک کے کئی شہروں میں ابھی حال ہی میں ہوموفوبیا کے خلاف بین الاقوامی دن، کیوبا میں تیسری بار منایا گیا۔

اریولا کے بقول صدر راؤل کاسترو کی بیٹی اور 47 سالہ سوشالوجسٹ ماریلا کاسترو جنسی تعلیم کے لئے قومی مرکز کی ڈائریکٹر ہے۔

3۔عورتوں کے خلاف تعصب: کیوبا میں بدترین تعصب کا شکار تیسرا نشانہ عورتیں تھیں۔ کیوبا نے اپنی عورتوں کی جمہوری تنظیم کے ساتھ مل کر عورت کو نجات دلائی۔ ہم اس کا تفصیلی ذکر پہلے ہی کر چکے ہیں۔

حوالہ

1-لائیل بریان۔آفٹر فیڈل 2007۔Palgrave۔صفحہ 70۔

انٹرنیشنلزم کا جھنڈا

کیوبائی یونیورسٹی سٹوڈنٹس کے نام پیغام میں کاسترو نے کہا تھا:

’’نیشنل لبریشن کی ہماری جدوجہد ہمارے ملک کے مزدوروں کی اپنی سماجی آزادی کی مضبوط کوششوں کے ساتھ مکس تھی۔ اس میں خواہش کا عمل دخل نہ تھا، یہ مقدر تھا۔ کیوبائی عوام کا کمال یہ ہے کہ وہ اِن دونوں کے بیچ ناقابلِ شکست رشتوں کو سمجھتے ہیں اور انہیں مضبوط کرتے ہیں۔‘‘

پاکستان کے حکمرانوں اور اُن کے دانشوروں کی زبانی ہم ہر وقت سنتے رہتے ہیں کہ ہر ملک بین الاقوامی معاملات میں ’’اپنا‘‘ مفاد دیکھتا ہے۔ ذرا غور کریں تو معلوم ہوگا کہ یہ فقرہ کسی بھی صورت اچھا فقرہ نہیں ہے۔ یہ انتہائی خودغرضی والے فلسفے کو عام انسانوں کے دماغ میں راسخ کرنے کی زبردست چال ہے۔ ایک ابلیسی اور وحشیانہ فلسفہ۔ یہ سامراجی نکتہ نگاہ ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ، اچھا ملک وہ ہے جو اپنے مفادات عمومی انسانی مفادات کے مطابق رکھے۔ جو عالمی امن، ماحولیات، ترقی، خوشحالی اور جمہوریت کی مطابقت میں اپنے قومی آدرش متعین کرے۔ خود اپنی آزادی اور سالمیت برقرار رکھتے ہوئے کُل جہاں کی خیر کا سوچے اور اُس کے لیے کام کرے۔

لہٰذا، بین الاقوامیت پسند ہونا ایک نعمت ہوتی ہے۔ مگر ایک فرد، قوم یا ایک ملک انٹرنیشنلسٹ بنتا ہی اُس وقت ہے جب وہ بہت زیادہ حب الوطن ہو۔ اپنی زندگی سے پیار ہو تو آپ من جملہ زندگی سے پیار کر پائیں گے۔ آپ کو اپنا آپ اچھا لگتا ہو تو آپ انسان دوست بن سکیں گے۔

سوشلزم کی دنیا خامیوں کمزوریوں سے پاک تو نہیں۔مگر یہ حقیقت ہے کہ یہ نیکیوں، اچھائیوں میں اس قدر غنی اس قدر امیر ہے کہ موازنہ مشکل ہو جاتا ہے کہ کون سا سوشلسٹ ملک زیادہ انسان دوست ہے، بین الاقوامیت پسند ہے۔چلیں ہم مبالغہ سے بچنے کیلئے یوں کہتے ہیں: کیوبا میں بین الاقوامی یکجہتی کا مادہ بہت زیادہ ہے۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ کیوبا نے جنوبی افریقہ میں بھی آزادی کی تحریک کو خوب مدد دی۔ اُس نے وہاں نسل پرست سفید فام رجیم کو گرانے میں بہت مدد دی۔جنوبی افریقہ کی سفید فام حکومت نہ صرف اپنے ملک میں نسل پرستی پر مبنی حکمرانی کر رہی تھی بلکہ علاقہ بھر میں سامراج کے حلیف کا کام کر رہی تھی۔فیڈل کاسٹرو کی پارٹی نے فیصلہ کیا کہ جنوبی افریقہ کو پورے خطے میں بدمعاشی کرنے سے روکا جائے۔کاسٹرو نے دیکھا کہ جنوبی افریقہ' انگولا میں بدصورت مداخلت کر رہا ہے اور عوام کی مقبولِ عام حکومت اور تحریک کا گلا دبانے میں رجعتی اور سامراجی عزائم کا ساتھ دے رہا ہے۔چنانچہ 1975 میں کاسٹرو نے ایک زوردار تقریر میں اعلان کیا کہ ماضی میں کیوبا کے اندر بہت سارے غلام انگولا کے ساحلوں سے لائے گئے تھے۔انقلابی کیوبا اُن کا قرضدار ہے۔کیوبا جنوبی افریقہ کو اجازت نہیں دے گا کہ وہ نو آزاد انگولا کو غلام بنائے۔چنانچہ اس نے باقاعدہ اپنی فوجیں اور اسلحہ وہاں بھیج دیا اور اپنے سروں اور سینوں کو ڈھال بنا کر انگولا کی آزادی کی حفاظت کرنے لگا۔

اسی موقع پر امریکی کارٹر انتظامیہ نے کیوبا کو ایک پیشکش کی کہ اگر وہ اپنی فوجیں انگولا سے نکال دے تو اس پر لگی ناکہ بندی ختم کر دی جائے گی۔ناکہ بندی، جس نے کیوبا پر بدترین اثرات چھوڑ رکھے تھے۔اِس ناکہ بندی نے بیرونی دنیا سے اس کے سارے روابط روک رکھے تھے۔کوئی درآمدی برآمدی تجارت ممکن نہ تھی۔اور آج امریکہ یہ ساری ناکہ بندی اٹھانے کی پیشکش کر رہا تھا۔صرف شرط یہ تھی کہ کیوبا انگولا سے اپنی فوجیں واپس بلالے۔مگر خوبصورت کاسٹرو کے منہ میں پانی نہیں آیا اور نہ اُس کا من للچایا۔اُس نے اُس پیشکش کا یہ خوبصورت انسانی جواب دیا:

''اس بات میں کوئی غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے کہ ہم نہ تو دباؤ میں آئیں گے، نہ متاثر ہونگے، نہ رشوت لیں گے اور نہ خریدے جاسکیں گے''۔

کیوبا کی فوجیں پندرہ سال تک وہاں رہیں اور 1990 تک انگولا کی آزادی اور انقلاب کے دفاع میں لڑتی رہیں۔جنگ تو پھر جنگ ہوتی ہے۔جنوبی افریقہ،انگولا پر بمباری میں کیوبا کی فوجوں کو نشانہ بناتا رہا۔کیوبا کا خون انگولا کے آزادی پسند سپاہیوں کے ساتھ گرتا رہا۔کیوبا انگولا کے سینکڑوں زخمی بچوں کو نکال لایا تھا۔اُس نے انہیں اپنے ہاں پڑھایا لکھایا اور پھر واپس اُن کے اپنے وطن روانہ کیا۔نہ صرف انگولا کی، بلکہ اس نے تو نمیبیا کی آزادی میں بھی موثر مدد کی۔میں نے کہیں پڑھا ہے کہ اِس صدی کے اوائل میں کیوبا میں نمیبیا کی جو خاتون سفیر تھی وہ انہی بچوں میں سے ایک تھی۔چنانچہ جب نیلسن منڈیلا رہا ہوا تو اس نے کیوبائی انٹرنیشنلزم کو خراج عقیدت پیش کرنے 1991 میں پہلا جذباتی دورہ کیوبا کا ہی کیا: ''ہم یہاں ایک عظیم قرض کا احساس لئے آئے ہیں جو کیوبا کے عوام کا ہم پر ہے۔۔۔۔دنیا کا کوئی ملک اُس بےلوثی کی نظیر پیش نہیں کر سکتا جو کیوبا نے افریقہ میں دکھائی''۔

یوں ہم دیکھتے ہیں کہ کیوبا شروع دن سے دنیا بھر کے محنت کشوں اور ان کی تحریک سے گہری وابستگی رکھتا چلا آ رہا ہے۔اُس ملک کی انقلابی لیڈر شپ روزِ اول سے دنیا بھر کی سامراج دشمن اور بشر دوست تحریکوں کی مدد و حمایت کا عہد رکھتی ہے۔چے گویرا تو اس معاملے میں زیادہ آزادی سے کام کر سکتا تھا۔اس لیے کہ ایک تو وہ سربراہِ مملکت نہیں تھا اس لئے مغربی پروپیگنڈہ کی زد سے بچ کر کام کر سکتا تھا۔دوسرا وہ کیوبا کی شہریت سے کسی بھی وقت دستبردار ہو کر جہانی انقلاب کے کسی بھی گوشے کو سنبھال سکتا تھا۔

کیوبا دنیا میں سامراج اور جاگیرداری کے خلاف لڑی جانے والی ہر جنگ میں مادی مالی، اخلاق اور سفارتی طور پر موجود تھا۔مگر ایسا کرتے ہوئے ہمیشہ اس بات کا خیال رکھا گیا کہ بین الاقوامی قانون کی پاسداری رہے۔کیوبا نے ہر طرح کی انقلاب دوستی کو بین الاقوامی قانون کے تابع بنا دیا۔ویسے بھی آپ خواہ جس قدر بھی بڑے انقلابی ہوں اور خواہ دنیا بھر میں انقلاب دیکھنا چاہتے ہوں مگر آپ باہر سے ایسا نہیں کر سکتے۔انقلاب کے لئے ضروری ہر چیز دوسرے ملک سے بھیجی جا سکتی ہے ماسوائے معروضی حالات کے۔معروضی حالات ہر ملک اندر مخصوص اور مقامی

ہوتے ہیں۔ انقلاب برآمد درآمد اس لئے نہیں کیا جاسکتا کہ اُس کے لئے ضروری شرط یعنی معروضی حالات درآمد برآمد نہیں کیے جاسکتے۔ کیوبا صرف ''ہمت کرو آگے بڑھو'' ہی کہہ سکتا تھا۔ کاسٹرو اور اُس کے ساتھی تیسری دنیا پر زور دے سکتے تھے کہ وہ دو ویتنام پیدا کریں، تین ویت نام سامنے لائیں، بہت سارے ویت نام پیدا کریں۔ مگر کسی خاموش قبرستان جیسے ملک کے اندر انقلابی لڑائی باہر سے جاری نہیں کی جاسکتی۔

اسی طرح آپ دیکھیں کہ کانگو کے پیٹرس لومبا کی آزاد ریاست میں مدد کے لئے کیوبا موجود تھا۔ 1965 میں چے گویرا کے ساتھ ایک سو کیوبن ماہرین اپنا خون دے دے کر افریقیوں کو سفید فام قاتلوں سے دفاع میں مدد دے رہے تھے۔ پرتگالی سامراجیوں کے خلاف کبرال کی قیادت میں کیپ وردے اور گنی کی آزادی کی جدوجہد میں کیوبا کا خون بھی بہا تھا۔

اُسی زمانے میں چے گویرا نے بلیویا کے اندر جا کر اُس کی جاری لڑائی میں حصہ لینا چاہا، جہاں کہ ابھی تک حالات پختہ نہ تھے۔ یکم اپریل 1965 کو انٹرنیشنلسٹ چے گویرا نے انٹرنیشنلسٹ کیوبا کی شہریت سے استعفےٰ دے دیا اور لاطینی امریکہ میں مسلح جدوجہد کرنے نکل پڑا۔ یکم مئی کو اُس نے فیڈل کاسٹرو کو الوداعی خط لکھا جس میں اس نے یہ خوبصورت بات کہی: ''شاذ و نادر ہی کوئی سیاست دان اس قدر زیرک ہوگا جتنا آپ ہیں۔ مجھے فخر ہے کہ میں بغیر کسی جھجک کے آپ کے پیچھے چلتا رہا، خود کو آپ کے طرزِ فکر کے ساتھ شناخت کرواتا رہا ہوں۔۔۔''

چے گویرا نے ایک اور موقع پر اپنے ساتھی سے محبت و تکریم ''فیڈل کاسٹرو کے لئے'' نامی اپنی نظم میں یوں بیان کیا تھا:

تم نے کہا تھا کہ سورج طلوع ہوگا
آؤ! بے نشان راہوں پر چلیں!
ہم اس لہکتے سنگیت کو آزاد کریں گے
جس سے تم پیار کرتے ہو
اور بھنویں جو تاروں کے ساتھ جڑی ہیں

انہیں ساتھ لے کر تمام بے حرمت لوگوں کو متحد کریں! ہم جیتیں گے
یا موت سے بھی گزر جائیں گے۔۔۔۔
جب پہلی بندوق چلے گی
تو جنگل کو ایک تازہ حیرانگی ہوگی!
اور وہاں۔۔۔۔ اُسی وقت روشنی کو ساتھ لئے
ہم تیرے ساتھ ہونگے

جب تیری آواز
چاروں ہواؤں کو سمت بخشے گی
انصاف مانگے گی، روٹی اور آزادی کا تقاضا کرے گی
ہم۔۔۔۔۔ تیرے ساتھ ہونگے

تیری زبان۔۔۔۔ تیرے لہجے میں بولتے ہوئے
اور سورج غروب ہونے پر، جب ظالموں کا وار ختم ہوگا
تم وہیں۔۔۔۔۔ انصاف کا وار کرنا
اور ہم تیرے ساتھ ہونگے

اور جب وہ جنگلی درندے زخموں کو چاٹیں گے
اور جہاں کیوبا کی برچھی وار کرے گی
ہم سب فخر سے بھرے، تیرے ساتھ ہونگے
تم کبھی مت سوچنا
کہ سوغاتوں کے ساتھ ناچتے اور تمغوں سے بھرے چمگادڑ
ہماری سالمیت کو توڑ سکتے ہیں
ہمیں صرف بندوقوں کی خواہش ہے اور ان کی گولیوں کی،

ہم اور کچھ نہیں چاہتے
اور۔۔۔ اگر راستے میں لوہا بھی رکاوٹ بنے
امریکی تاریخ کی طرف جاتے اِس راستے پر
تو ہم۔۔۔۔ صرف
کیوبا کے آنسوؤں کا کفن چاہیں گے
جو ہماری گوریلا ہڈیوں کو ڈھک دے

اور یوں، نو اکتوبر 1967 کو چے گویرا بلیویا کے اندر وہاں کے انقلابیوں کے شانہ بشانہ لڑتے ہوئے شہید ہو گیا۔ چے گویرا کی شہادت پورے کیوبا کے لئے ایک بہت بڑا صدمہ تھی۔ مگر کاسٹرو کے لئے تو یہ ایک تباہ کن نقصان تھا۔ اُس کا تو بازو ٹوٹ گیا تھا۔ مگر اتنی بڑی چوٹ کھانے کے باوجود کیوبا اور اس کے انقلاب نے اپنا بین الاقوامی انسانی فریضہ کبھی فراموش نہ کیا۔

1973 سے لے کر 1975 تک اسرائیلی جارحیت کے خلاف کیوبا کا ٹینکوں کا ایک پورا بریگیڈ شام کی طرف سے گولان کی پہاڑیوں پر پہرہ دیتا رہا۔

اسی طرح کیوبا ایتھوپیا میں جا موجود ہوا جسے صومالیہ کی رجعتی فوجوں کے حملے کا سامنا تھا۔

پندرہ سال تک کیوبا ویت نام کے بہادر عوام کے دلوں میں موجود رہا جنہوں نے خونخوار امریکی سامراج کے خلاف خونی جدوجہد میں کیوبا کو ہر دم ساتھ پایا۔

1979 میں نکاراگوائے کے اندر گوریلوں کی زبردست مدد و تربیت کے دوران بے شمار کیوبائی شہید ہوئے۔ وہاں انقلاب کے بعد کیوبا بے لوث انداز میں انقلابی حکومت کے ساتھ مکمل مدد کرتا رہا ہے۔

اسی طرح 1980 میں گرینیڈا کے ساتھ یکجہتی کے لئے کیوبا اپنے خزانوں اور انسانی وسائل کے دروازے کھول دیتا ہے۔ گرینیڈا کی سرزمین پہ کیوبا کا خون بھی بہا۔

کاسٹرو دھیرے دھیرے ایک بین الاقوامی مدبر کی صورت دھارتا رہا۔ لاطینی امریکہ اور افریقہ کے غریب ترین ممالک میں کاسٹرو ایک ہیرو سمجھا جاتا ہے۔ وہ تیسری دنیا کا لیڈر گردانا جاتا

ہے، اور امیر و لالچی لوگوں کا دشمن نمبر ایک مانا جاتا ہے۔ کاسٹرو سامراج دشمن تحریک کیلئے راہنمائی اور فیض کا سرچشمہ ہے۔ وہ بین الاقوامی سوشلزم کی علامت ہے۔ وہ عوام کے وقار کی خواہش وجدوجہد کا اخلاقی نمونہ بن چکا ہے۔ اب پتہ نہیں کہ یہ نیا والا پوپ ان سے کب معافی مانگے گا اس لئے کہ پچھلے کسی پوپ نے 1962 میں اس بڑے انسان کو مسیحی برادری سے خارج کیا تھا اور سارے مسیحیوں کو حکم دیا تھا کہ وہ کمیونسٹ حکومتوں کی حمایت نہ کریں۔ اُسی پوپ نے اس ملک کی آبادی کو انقلاب سے ہٹانے کے لئے ایڑھی چوٹی کا زور لگایا مگر کیوبائی عوام اپنے لیڈر کے ساتھ سختی سے جڑے رہے۔ اسی طرح امریکہ نے بدترین دہشت گردی میں 1976ء میں ہنگامے برپا کرانے کے لئے کیوبا کے مسافر ہوائی جہاز پر حملہ کر کے 73 معصوم انسانوں کو ہلاک کر دیا۔ مگر کیوبا کا انقلاب کبھی خوفزدہ نہ ہوا۔ اس کی انٹرنیشنلزم کبھی مدہم نہ پڑی۔

پوپ اور امریکہ کی تمام سازشوں کے باوجود کاسٹرو اور کیوبا قائم ہیں۔ کاسٹرو کو غیر وابستہ ممالک کا چیئرمین منتخب کیا گیا اور وہ ترقی پذیر دنیا کا ترجمان بنا۔ 1979 میں اِس تنظیم کی سربراہی کانفرنس کیوبا میں منعقد ہوئی تھی۔ اور فیڈل کاسٹرو اس کی صدارت کر رہا تھا۔ کیوبا نے 2006 میں دوبارہ اس تحریک کی سربراہی سنبھال لی۔ اس ملک اور اس کے لیڈر کی عالمی پذیرائی دیکھ کر پچھلا پوپ وہاں کا دورہ کرنے پر مجبور ہوا تھا۔ بیسویں اور اکیسویں صدی کے اس گیلیلیو کے ساتھ کلیسیا کے ناروا سلوک کا مداوا پوپ کو معافی مانگ کر کرنا پڑا۔

جس بات کو فیڈل کاسٹرو نے اپنی زندگی کا مقصد بنائے رکھا وہ اس کی سامراج دشمنی ہے۔ اس زیرک شخص کا ایمان ہے کہ سامراج انسانوں اور انسانیت کا اولین دشمن ہے۔ بالخصوص وہ قومیں تو سامراجی تباہی کا ہمیشہ سے نشانہ رہتی ہیں جنہوں نے انصاف، وقار اور سلامتی کا خواب دیکھنے کی جرات کی ہو۔ فیڈل کاسٹرو وہ فلاسفر ہے جس نے سب سے پہلے یہ جان لیا کہ غریب ممالک پر سامراجیوں کے چڑھے ہوئے قرضے ناقابل واپسی ہیں۔ اس نے سامراجی قرضوں کی پوری اناٹومی اور فزیالوجی بیان کر دی۔ اور ہر لحاظ سے انہیں بلاجواز قرار دیا۔ سود کی شکل میں اصل زر سے کئی گنا زیادہ ادائیگی کے باوجود یہ قرض جوں کا توں ترقی پذیر ممالک پر تلوار کی طرح لٹک رہا ہے

۔سامراج ان قرضوں کے طفیل، مقروض ممالک سے گھناؤنے سیاسی فائدے لیتا رہتا ہے۔

کاسٹرو اور کیوبا کی بربادی کی ہر کوشش ناکام رہی تو جون 2007 میں امریکی صدر بش نے دعا کی کہ ایک دن خدا فیڈل کاسٹرو کو موت دے گا۔تو کاسٹرو نے انہی دنوں بش کو یہ جواب دیا تھا ''خدا نے مجھے بُش سے بچالیا''۔

سچ ہے کہ سامراج دشمنی کے بغیر انٹرنیشنلسٹ ہونا ناممکن ہے۔فیڈل نے سوشلزم اور کیوبا کو اس طرح باہم مدغم کر دیا کہ انہیں جدا کر کے ان پر حملہ کرنا امریکہ جیسے خونخوار اور بے رواج ملک تک کیلئے بھی ناممکن رہا۔ سچی بات یہ ہے کہ گزشتہ نصف صدی سے یہ چھوٹا سا ملک دنیا کی توجہ کا مرکز بنا رہا۔بقول گارشیا مارکویز'' کاسٹرو دو ممالک کے بارے میں سب سے زیادہ معلومات رکھتا ہے ایک کیوبا، اور دوسرا امریکہ۔وہ امریکہ کے لوگوں کی فطرت کے بارے میں، ان کی اقتدار کے ڈھانچے کے بارے میں، اور اس کی حکومتوں کے ثانوی اداروں کے بارے میں خوب جانتا ہے اور انہی معلومات کی بناء پر ہی وہ ناکہ بندی سے نمٹتا رہا ہے۔کاسٹرو نے دس امریکی صدور کی سازشیں کامیابی سے جھیلیں۔اور وہ اب بھی اُتنا ہی سامراج دشمن ہے جتنا ساٹھ برس قبل انقلاب کے وقت تھا۔

بارہ فروری 2009 کو اقوامِ متحدہ کے صدر نے فیڈل کاسٹرو کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا کہ وہ ایک ہیرو سے بڑھ کر ہے اور ہماری ہیجان بھری دنیا میں وہ ایک ولی ہے۔اس نے کہا کہ ''وہ پوری انسانیت کی طرح فیڈل کاسٹرو کا مقروض ہے کہ وہ ایک ایسا شخص ہے جس نے اپنی زندگی دنیا کے محکوم و مظلوم لوگوں کے ساتھ یک جہتی کے لئے ان تھک کام کرنے کے لئے وقف کر دی''۔(1)

حوالہ

1۔http://www.granma.cu/ingles/index.html۔ بارہ فروری 2009

سپیشل پیریڈ

یہ بات تو اب سب جانتے ہیں کہ سوویت یونین میں سوشلزم کی موت قدرتی اسباب سے نہ ہوئی تھی۔ بلکہ یہ صرف خودکشی بھی نہ تھی اور قتل خالص بھی نہ تھی۔وہ یہ دونوں تھے۔سوشلزم محض مرا نہیں، قتل بھی ہوا تھا۔اسے کچھ کچھ سامراج اور اس کی سازشوں نے مار دیا، اور کچھ کچھ شوق اُسے خود بھی تھا گہری نیند سونے کا۔

ہم سب کی طرح ایک اچانک مکاّ کیوبا کو اُس وقت سر پر لگا جب ایک دن سپر پاور سوویت یونین ڈوب گیا اور کیوبا سمیت دنیا کو حیرت سے کانپتا چھوڑ گیا۔کیوبا کی چینی فروخت ہونے کی منڈی گئی، اشیائے خورد و نوش، تیل اور حتیٰ کہ مُردوں کو دفن کرنے والی تابوت سپلائی کرنے والی منڈی گئی۔ایسی منڈی جو کیوبا کے لئے سب سے زیادہ اعتماد کی منڈی تھی۔کیوبا کی تجارت کا 75 فیصد اسی منڈی سے وابستہ تھا۔

سرد جنگ کے خاتمے کے وقت سے فیڈل کاسٹرو اور کیوبائی لیڈر شپ نے اپنا تاریخی سوشلسٹ کمٹ منٹ جاری رکھا ہوا ہے۔انہوں نے اپنے جزیرے کی زندگی کی شاہراہ، یعنی اپنی متعین مزاحمت جاری رکھی۔اس نے چند اصولوں کا دفاع کرنے کی ٹھان لی جو کہ دنیا میں کنفیوژن کی گھڑی میں حد سے زیادہ اور غیر معمولی طور پر بیش بہا ہیں۔یاروں نے سوویت تحلیل کے بعد کیوبا میں سوشلسٹ اقتدار کو دنوں اور مہینوں کی بات قرار دیا تھا۔اس لئے کہ سوویت یونین تو کیوبا کی تقریباً ساری چینی خریدتا تھا اور امریکی ناکہ بندی کے سارے زمانے میں ضروری چیزوں سے بھرے بحری

جہاز کیوبا کی جانب دوڑاتا رہتا تھا۔سوشلزم کا یہ اصول رہا ہے کہ معاشی طور پر زیادہ ترقی یافتہ کو سوشلزم کی تعمیر کرنے والے کم ترقی یافتہ کی مدد کرنی ہے۔ یہی اصول سوویت یونین اور کیوبا کے درمیان عملی طور پر لاگو تھا۔اب جبکہ یک دم یہ ملک نہ رہا تو زندگی کی گویا شاہ رگ کٹ گئی۔جس سے بین الاقوامی رجعت کی طرف سے تنہا کردہ کیوبا کی ضمانت یافتہ برآمدات کی پوری منڈی دنوں کے اندر اندر ختم ہوگئی۔سستا تیل درآمد ہونا بند ہوا۔روزمرہ زندگی خلفشار کا شکار ہوگئی، پانی گیس اور بجلی کا بحران پیدا ہوا اور اشیائے خوردونوش پر راشن نافذ ہوگیا۔سوشلزم کے قلعے سوویت یونین کے انہدام نے اعتماد کا ایک بحران پیدا کردیا۔ بلاشبہ 1990 کی دہائی فیڈل کی بہادری، عزم، استقلال اور دانائی کی دہائی رہی جو پھیل کر اکیسویں صدی کی دوسری دہائی تک چلی۔اور اب بھی جاری ہے۔

ساتھی ممالک میں سوشلزم کے ڈھے جانے سے جو معاشی تباہی کیوبا نے دیکھی وہ ناقابل بیان ہے۔سب امید میں تھے کہ کیوبا اب گیا کہ گیا۔مگر اس بہادر ملک کے بہادر عوام اور ان کے بہادر لیڈر نے ان تمام معاشی ونفسیاتی دھچکوں کا بڑی پامردی سے سامنا کیا۔سامراج اور رجعت کی طرف سے ہزاروں پمفلٹ، مضامین، انٹرویو اور کتابیں اس موضوع پر لکھی گئیں کہ کیوبا گھٹنے ٹیکنے والا ہے۔مگر سامراج کی ساری خواہشیں، ساری پیشن گوئیاں باطل ثابت ہوئیں۔ کیوبا تو اسی کروفر کے ساتھ زندہ ہے۔اس لئے کہ کاسترو نے نیا نعرہ تخلیق کیا: ''سوشلزم یا موت''۔

سوویت یونین کی موت نے دنیا کے کمیونسٹوں کو تاریخی مزاحمت کے ایک طویل اور سخت دور میں پھینک دیا۔ بہت سے ممالک، سیاسی پارٹیاں، گروہ اور افراد سوویت موت کے ساتھ ہی سیاسی طور پر انتقال کر گئے۔کسی نے کھال بدل لی، کسی نے قطب نما تبدیل کیا اور کسی نے راہ بدل دی۔ بہت کم لوگ ہی اپنے ایمان کی عصمت بچا پائے۔کاسترو اور کیوبا اُن بہت کم لوگوں میں سے ایک ہیں۔

خود اپنے انقلاب کے علاوہ کیوبا کی سب سے بڑی تاریخی اہمیت یہ ہے کہ اس نے سوشلسٹ بلاک کے تحلیل ہونے اور سوویت یونین کے غائب ہوجانے کے بعد آگے بڑھتے رہنے

اور مشکلات وچیلنجوں کا سامنا کرتے رہنے کا فیصلہ کیا۔اور اس فیصلے میں وہی معمر اور باریش فیڈل ہی پیش پیش تھا۔اس نے اپنے عوام کے لیے انقلاب کے کسی بھی بنیادی فائدے سے دستبردار ہونے سے انکار کردیا۔انکار زندہ باد!!، کاسترو کا انکار زندہ باد۔ہم سب کا انکار زندہ باد!!۔

تمام مصائب وآلام کے باوجود لاطینی امریکہ کے آسمان کی تاریک ترین پنجاہ سالہ رات میں کیوبا ایک سرخ ستارے کی مانند چمکتا رہا۔ناامیدی کے لئے ملک الموت' کیوبا زندہ رہا۔پبلو نرودا نے اپنی کتاب ''یادداشتیں'' میں لکھا تھا: ''اچانک یہاں فیڈل کاسترو تھا، ایک کیوبائی جس کے بارے میں کسی نے نہ سنا تھا۔وہ امید کو بالوں یا پیروں سے پکڑے ہوئے تھا۔وہ اسے اُڑ جانے نہیں دے رہا تھا بلکہ اُس نے اُسے اپنی میز پہ بٹھا رکھا تھا۔امید' براعظم امریکہ کے عوام کی میزوں پر تھی۔اور ان کے گھروں میں تھی۔

''اُس وقت سے ہم نے امید کی اس سڑک پر بہت ساری پھلانگیں پھلانگیں جو کہ اب حقیقت میں بدل چکی ہے۔مگر ہم دَم سادھے زندگی بسر کر رہے ہیں۔ایک پڑوسی ملک، بہت ہی طاقتور اور حد سے زیادہ سامراجی ملک، کیوبا کو کچل ڈالنا چاہتا ہے، امیدوں کو کچل ڈالنا چاہتا ہے۔ہمارے براعظم کے عوام ہر روز اخبار پڑھتے ہیں، ہر رات ریڈیو سنتے ہیں۔اور وہ اطمینان کی لمبی سانس لیتے ہیں کہ کیوبا زندہ ہے، ایک اور دن کیلئے، ایک اور سال کے لیے، ایک اور پنجسال کے لیے۔ہماری امیدوں کا سرقلم نہیں کیا جاسکتا۔اس کا سرقلم نہیں کیا جاسکتا''۔اور واقعی نرودا نے ٹھیک کہا تھا۔کاسترو کا' اس کے نظریے کا، اس کے انقلاب کا اور اس کے ملک کا سرقلم نہیں کیا جاسکا۔

کیوبا کی جانب سے اِس وسیع اور گہری مجاہدانہ مزاحمت کے متعلق جاننا اس لئے ضروری ہے کہ اُس ملک کی تاریخی قدروقیمت کا اندازہ تبھی ہوسکے گا۔

کاسترو ڈٹا رہا۔کیوبا خود اپنی روشنی سے چمکتا رہا۔وہ کسی کی نوآبادی تو نہ تھا، اس لئے کاسترو ادھر اُدھر کے پینترے بدل کر نہیں بلکہ اپنے الفاظ پر، اپنے عہدوقول پر اور اپنے نظریے پر ڈٹا رہا۔ذرہ بھر کمپرومائز کئے بغیر وہ یہ ہلاکت آمیز جنگ لڑتا رہا۔دنیا کی کئی لیفٹ پارٹیاں 70 سے زائد برس تک سوشلزم کی تعمیر کی اپنی پہلوانی جدوجہد کے بعد سوویت یونین کی تحلیل کے موقع پر

مایوس ہوگئیں۔مگر کیوبا سرمایہ داری نظام کے معذرت خواہوں کی قوالی میں شامل نہ ہوا۔پورے کیوبا میں مارکسزم کے تخلیق کنندوں یا ماننے والوں کا ایک بھی مجسمہ نہیں گرایا گیا۔ایک بھی سکول یا فیکٹری کا نام تبدیل نہ ہوا...... کیوبا جسے آج دنیا فخر سے دیکھتی ہے۔

کیوبا والوں نے اِس ’’خصوصی زمانہ‘‘ کی ہنگامی صورتحال سے نمٹنے کے بے شمار طریقے نکالے۔وہ یک دم سائنسی عروج سے واپس سائیکلوں، ریڑھیوں اور بیل گاڑیوں پر چلے گئے۔اور اپنے انقلاب کو انتہائی ہنرکاری سے بھیڑیے کے جبڑوں کے اندر سے کامیابی کے ساتھ نکال لائے۔یہ تاریخ میں ایک نئی مثال تھی۔۔۔۔ نیا پن ہی تو انقلاب کی خصوصیت ہوتی ہے۔اس بدترین انارکی کے دور میں بھی کاسترو نے ثابت کردیا کہ انقلاب انارکی اور بدنظمی نہیں ہوتا۔

کاسترو نے بیس برس تک بغیر سوشلسٹ بلاک کے تن تنہا سوشلزم کا چراغ روشن کیے رکھا۔سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ان تمام مشکلات کے باوجود کیوبا جیسا چھوٹا ملک باوجود کم وسائل کے تعلیم اور صحت جیسے فیصلہ کن شعبوں میں اس قدر عظیم اہداف پورا کرچکا ہے اور اسے برقرار رکھے ہوئے ہے۔

سوویت یونین کے غائب ہوجانے کے مشکل دنوں میں ویت نام، لاؤس اور کوریا نے کیوبا کے ساتھ اپنی دوستی اور یکجہتی برقرار رکھی۔انہی ممالک نے کیوبا کے ساتھ مل کر اُن سیاہ ترین ایام میں سوشلزم کا پرچم بلند کیے رکھا جب امریکہ، نیٹو، آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک دنیا پر لوٹ مار والا نظام مسلط کر رہے تھے۔

ذرا سا سانس لینے کا موقع ملا تو اس نے لاطینی امریکہ اور یورپی یونین سے تعلقات بہتر کیے۔اُن سے لین دین شروع کی۔چین کے ساتھ تجارت نے بھی بڑا سہارا دیا۔پھر انہیں امیر ترین پڑوسی وینزویلا اور اس کے دلبر سربراہ، شاویز کی صورت میں ایک مخلص وسچا دوست عطا ہوا جس نے ان کی تیل کی ضروریات پوری کردیں۔اشیاء اور خدمات کے تبادلے کو صفر سے سات ارب ڈالر سالانہ تک جا پہنچایا جس سے دونوں قوموں کو زبردست فائدہ ہوا۔کیوبا نے اس ملک کے طبی شعبے کو مالا مال کردیا۔واضح رہے کہ وینزویلا کے لوگ گزشتہ ڈیڑھ درجن برس سے سوشلزم کو پاپولر ووٹ

کے ذریعے منتخب کرتے چلے آرہے ہیں۔ان کا یہ انقلابی عمل لاطینی امریکہ کی دوسری قوموں کے لئے ایک مثال بن چکا ہے۔اور وہاں ایک کے بعد دوسرا ملک سرمایہ داری نظام ڈھا کر سوشلزم کی تعمیر میں جت رہا ہے۔یہ گویا نسلِ انسانی کو بچانے کا فریضہ ہے۔

پھر کیلے برآمد کرنے والا براعظم کا سب سے بڑا ملک ایکواڈور سوشلزم کا راستہ اختیار کرکے، کاسترو کا دوست بنا۔یہ لاطینی امریکہ میں وینزویلا کے بعد پیٹرول برآمد کرنے والا دوسرا بڑا ملک ہے۔یہ ممالک محض کیوبا کے کاسترو کے دوست نہیں ہیں بلکہ اب پورے براعظم کے لئے امید کا مرکز ہیں۔بولیویا کے صدر مورلیز نے کاسترو کیلئے ’’دادا جان‘‘ کا لفظ چنا۔

ذرا توجہ دیں تو آپ اندازہ کرسکیں گے کہ آج سے قبل کوئی قوم اپنے زمانے (یا شاید تمام زمانوں) کے طاقتور ترین قوم کی جانب سے اتنی طویل گھیراؤ نہیں سہہ سکا۔مزید برآں ایسی بھی کوئی قوم نہیں ملے گی جس نے اس بہادری سے اپنی آزادی اور سلامتی کو برقرار رکھتے ہوئے اس جارحیت کی مزاحمت کی ہو۔ایسی کوئی قوم موجود نہیں جس نے اس بڑی طاقت کی طویل ترین دشمنی کا مقابلہ کرتے ہوئے بھی اپنی پسند کے سیاسی، معاشی اور سماجی نظام کی تعمیر سے ایک لمحہ کے لیے بھی غفلت نہ کی ہو۔

پورا براعظم انقلابی ہوگیا!

طارق علی نے لکھا کہ اُس کے لاطینی امریکہ کے لگا تار دوروں میں فیڈل کاسٹرو کی ''موجودگی کے احساس سے بچنا بہت مشکل ہے''۔(1)۔آج لاطینی امریکہ مکمل بدل چکا ہے۔میں نے شروع میں سوچا تھا کہ مارٹی اور بلیوار کی طرح ان کا شاگرد کاسٹرو بھی بنک بیلنس کے بجائے براعظموں کا سوچتا رہا ہے' اور اب جب انٹرنیٹ دیکھتا ہوں تو اندازہ ہوتا ہے کہ پورا براعظم براعظموں کے بارے میں سوچنے لگا ہے۔

کاسٹرو کا یہ فقرہ پڑھیے تو معلوم ہوگا کہ سوشلزم کے ساتھ استواری کے ساتھ اُس کی وفاداری نے اُسے کس کس طرح کی نعمتیں عطا کیں:''جب میں 19 جولائی 1989 کوسانڈینو پلازا میں نکاراگوائیوں اورسنٹرل امریکیوں کےایک مجمعے سے تقریر کررہا تھا،تو اُس وقت میں نہیں جانتا تھا کہ ستر سالہ ہنڈوراسی،ملک کا مستقبل کا صدر،اُن میں موجود تھا''۔(2)

خوش قسمت کاسٹرو ایک پوری نصف صدی انقلاب کی خدمت کرتا رہا۔بالخصوص جب اس کے نظریے پرصدی کا سب سے براوقت آیا' یعنی جب سوشلسٹ بلاک تحلیل ہوااوراس کا سب سے بڑامرکزسوویت یونین بکھر گیا تو یہ کیوبا ہی تھا جس نے لڑائی جاری رکھنے کا فیصلہ کرلیا' اکیلا۔اور دیکھتے دیکھتے اُس کا سارا پڑوس انقلابی ہوگیا۔

اِن میں سب سے اہم انقلاب وینزویلا کا تھا جہاں عوام کی بھرپور مدد کے ساتھ شاویز نے صدارت کا الیکشن جیتا اور ایک مقبولِ عام لیڈر کی حیثیت سے صدارت کا عہدہ سنبھالا

اورانقلاب شروع کردیا۔اُس کے بعدتو انقلابات کی لائن لگ گئی۔آج لاطینی امریکہ میں کاسٹرو کی تعلیمات ہی راج ہورہی ہیں۔سوشلزم کی لہر ہے وہاں۔اور یہ لہرعوامی ووٹ کی لہر ہے۔ووٹ کی لہران لوگوں کے خلاف جنھوں نے 1990 کی دہائی میں جام ٹکراٹکرا کر، یورپ میں سوشلزم کے زوال کا،جشن منایا تھااور کہا تھا کہ''تاریخ ختم ہوگئی''۔اب برازیل،ارجنٹینا،یوروگوائے،بولیویا، نکاراگوائے ، وینزویلا اور کیوبا مل کرسوشلزم کے اس براعظم میں سے دنیا کوآگاہ کررہے ہیں کہ:سرمایہ داری ہمارے ممالک کی کشتی کے لئے محفوظ بندرہ گاہ نہیں ہے۔اب تو پیراگوائے بھی اس لشکر میں شامل ہوگیا ہے۔

بولیوار اورمارٹی کی بصیرت کاسٹرو نے عملی کردکھائی کہ آج لاطینی امریکہ ایک مربوط،اورخودمختار کمیونٹی بن گیا ہے جودنیا کی تقدیر بدلنے کے قابل ہے۔

اِس سب کچھ کا بہت کچھ، کیوبا اور کاسٹرو کے مرہون منت ہے۔کاسٹرو، چھلاوا کاسٹرو، لاوا کاسٹرو۔ذرادیکھیے تو کہ وینزویلا کے صدرشاویزنے چوتھی بارالیکشن جیت کراپنی اولین تقریر میں کیا کہا:''ہم اس فتح کو کیوبائی عوام اورصدرفیڈل کاسٹرو سے منسوب کرتے ہیں کہ وہ بھائی ہے،وہ کامریڈ ہے''۔ہم نے لوگوں کوکتابیں ایک دوسرے کے نام منسوب کرتے دیکھا تھا مگرایک ملک کے انقلاب کودوسرے ملک کے کسی شخص کے نام منسوب کرنا پہلی بارسنا ہے۔سوشلزم ایسا کرتا ہے، ایسا ہی کرتا ہے۔

بلاشبہ کاسٹرواوراس کا نظریہ نہ ہوتے تولاطینی امریکہ میں بچے اگر''زندہ'' پیدا ہوتے بھی اوراگر''دیرتک'' زندہ بھی رہتے تو ڈرگ ڈیلر بنتے،نشہ ای بنتے،دلال بنتے،طوائف بنتے یا پھر کمسنی میں حاملہ بنتے۔اوران کا براعظم امیرگرینگوؤں کے لئے مافیا کے زیرکنٹرول چکلا ہی بنا رہتا۔بڑا ہے وہ شخص جس نے''منافع نہیں،انسان چاہیے'' کے نعرے کو پورے براعظم میں مروج کرادیا۔ جس نے''انسان افضل ہے سرمایہ سے'' کوعملی شکل دی۔اس کی نظر میں ترقی محض گاڑیاں بنانے سے نہیں آتی بلکہ لوگوں کے دماغوں کوترقی دینے،لوگوں کوعلم دینے،اُن کی ثقافت کوترقی دینے، انہیں جسمانی طورپرفٹ رکھنے،اورانسانوں کی دیکھ بحال کرنے سے ترقی آتی ہے۔کاسٹرو کے

انقلاب کی قوت کا راز یہی ہے۔اوراس کے لئے اس نے صرف معاشی اور انتظامی اقدامات نہیں کئے بلکہ فیڈل کاسٹرو نے انسانی ضمیر کو جگائے رکھ کر یہ سب کچھ ممکن بنا دیا۔اسے معلوم ہے کہ انسان پہ چھائی جبلتوں پرصرف اورصرف جاگے ہوئے اورخبر دار ضمیر کے ذریعے قابو پایا جا سکتا ہے۔ پوری ترقی ، پوری ٹیکنالوجی اور پورے علم کوضمیر کے حوالے کر دیں اور پھر ان کے ملاپ سے حیران کن نیک کام ہوتے دیکھتے جائیں۔

کیوبا اور وینزویلا نے مل کر ''بلیویرین آلٹرنیٹو فار دی امریکاز'' (ALBA) قائم کیا جو لاطینی امریکی ملکوں میں ماحولیات، تجارت، سائنس اورتوانائی کے شعبوں میں تعاون وہمکاری کے لئے چوکھاٹ ہوگی۔دوسرے پڑوسی ممالک بھی اس تنظیم میں دھڑا دھڑ شامل ہوتے رہے ۔ یہ گویا سرمایہ داری نظام کے متبادل کے بطور ایک کثیرالمملکتی تنظیم ہے۔

حوالہ جات

1-طارق علی۔ پائریٹس آف دی کیربیین۔صفحہ 123

2۔کاسٹرو۔مائی لائف۔صفحہ 100

زندگی نے بالآخر لڑکھڑانا ہی ہے!

جتنے قاتلانہ حملے سخت جان کاسٹرو پر ہوئے ، میرا خیال ہے دنیا میں کسی اور لیڈر پہ نہ ہوئے ہونگے۔ وہ اس معاملے میں گینز بک میں درج کرنے کے قابل ہے۔وہ اپنی محتاط زندگانی، ہمہ وقت ہوشیار فطرت ،اور انقلابی ڈیوٹی کے احساس کے تحت ہر حملے سے محفوظ رہا۔اُس کے اپنے الفاظ میں پڑھیے:

''میں کہیں بھی نہیں ہوسکتا تھا، میں حتیٰ کہ کسی بھی جگہ رہ نہیں سکتا تھا............۔غداری روزمرہ کا معمول بن گئی تھی اور میں ہنگامی طور پر یہاں وہاں منتقل ہونے پر مجبور تھا..........

''سی آئی اے کو چکمہ دے کر زندہ بچتے رہنا، جو کہ بے شمار غدار خرید رہی تھی، ایک آسان کام نہ تھا''۔

مگر بیماری اورموت سے بھلا کون مبرا ہوسکتا ہے۔ ہر سانس لینے والے کوموت کا ذائقہ بہرحال چکھنا پڑتا ہے۔ زندگی اگر ہر موت سے بچی بھی رہے تو یہ خودخود کو مار دیتی ہے، عمر اُسے مار دیتی ہے، بڑھاپا مار دیتی ہے۔

کاسٹرو کی زندگی میں بھی 26 جولائی 2006 کو ایک نیا واقعہ ہوگیا۔اُس روز سخت بیماری کے باعث فیڈل کاسٹرو ہسپتال کے حوالے ہوگیا۔ بہت سیریس بیمار۔ ''میرا خیال تھا کہ یہ اختتام ہے۔اور جس وقت ڈاکٹر میری زندگی بچانے کی لڑائی لڑ رہے تھے، سٹاف آفس کے سربراہ میرے اصرار پر میرا مضمون پڑھ رہے تھے اور میں اُسے اِس میں ضروری تبدیلیاں لکھا رہا تھا'' (1)۔اس

دن اپنی صحت کا اندازہ کر کے کاسٹرو پارٹی اور ریاست کے سربراہ کے بطور اپنی ڈیوٹیاں کسی دوسرے آدمی کو دینے سے ذرا بھی نہیں ہچکچایا۔ اس کے ترجمان نے اعلان کیا کہ صدر اور فرسٹ سیکرٹری کمیونسٹ پارٹی کی حیثیت سے فیڈل کے فرائض عبوری طور پر، راول کاسٹرو کو منتقل کئے گئے۔

چنانچہ مستحکم و مقبول راہنما اور کیوبا کے انقلاب کا سب سے بڑا لیڈر کاسٹرو قوم کو یہ کہہ کر صدارت سے الگ ہوگیا: ''میں کہہ رہا ہوں کہ میں نہ خواہش رکھتا ہوں اور نہ قبول کروں گا،................. میں پھر دوہراتا ہوں...... میں نہ خواہش رکھتا ہوں اور نہ قبول کروں گا صدارت اور کمانڈر انچیف کا عہدہ''۔ صرف اس لئے کہ وہ معمر ہے اور اس کی طبعیت ٹھیک نہیں رہتی۔ ذرا دیکھیے ایسا بھی ہوتا ہے دنیا میں کہ: ''میرا بنیادی فرض عہدوں سے چمٹے رہنا نہیں ہے، نوجوان تر اشخاص کے راستے میں کھڑا ہونا تو بالکل بھی نہیں............''۔

کاسٹرو بہت سچا انسان ہے۔ اِس موقع پر اِس سچے انسان کا ایک بیان چھپا: ''میں آپ سب لوگوں کو پر امید رہنے کو کہتا ہوں اور بہ یک وقت بُری خبر سننے کیلئے تیار رہنے کا بھی کہتا ہوں ۔۔۔ میں ان سب لوگوں سے جو میری صحت کی فکر کرتے ہیں، وعدہ کرتا ہوں کہ میں اپنی صحت کے لیے لڑوں گا''۔ (بھئی، یہ شخص متاثر کن ہے۔ اس ناقابلِ مزاحمت اور لڑکھڑاتی حالت کے وقار کی صرف وہی لوگ تردید کرتے ہیں جن میں اِسے محسوس کرنے کے شان کی کمی ہو)۔

چنانچہ 31 جولائی 2006 کو اس نے صدارت سے عارضی طور پر استعفےٰ دیا اور اس نے صدارت، نائب صدر کو عارضی طور پر سونپ دی۔ یہ اس لیے کہ پارٹی اور حکومتی راہنما اس کی لڑکھڑاتی صحت کے باوجود اسے پبلک لائف سے باہر رکھنے پر رضامند نہ تھے۔

مگر جس شخص کی تعلیمات دلوں میں حکمرانی کرتے ہوں، وہ صدر رہے یا نہ رہے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس کا کوئی مخصوص دفتر نہ رہا بلکہ اس کے دوست گبریل گارشیا مارکوئیز کے بقول ''وہی جگہ دارالحکومت ہوگی جہاں وہ ہوگا''۔(2)

فیڈل کاسٹرو صدارت چھوڑ کر اِس وعدہ کی تکمیل میں ایمانداری کے ساتھ لگا رہا۔ اس لئے کہ اس کی زندگی ساری انسانیت کو عزیز تھی، اور ہے۔ ابھی حال ہی میں انٹرنیشنل ڈیموکریٹک

ویمن فیڈریشن نے کاسٹرو کو عالمی شہری قرار دیا۔ وجہ یہ ہے کہ اس بڑے آدمی نے اپنی زندگی کے بہترین برس انسانوں کی زندگی کو بہتر بنانے پہ تج دیے۔ اب جب کہ وہ بیمار پڑ گیا تو اس کے چاہنے والے دنیا بھر سے جمع ہوگئے اور اس سے کہا:

''فیڈل تمہاری ڈیوٹی کہیں پر بھی نہیں لگی ہے، انسانیت کے لئے اب تمہاری ڈیوٹی صرف یہ ہے کہ اپنی صحت کا خیال رکھو اور زندہ رہو۔۔۔۔''

نہ صرف اس کی شدید بیماری، اور اقتدار چھوڑ دینا' بلکہ خود زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا ہو جانا ایسے مواقع تھے کہ کیوبا میں کچھ بھی ہوسکتا تھا۔ مگر جیسا کہ خود اس نے وعدہ کیا تھا' اس کی بیماری کے دوران راؤل' کمیونسٹ پارٹی' حکومت' قومی اسمبلی' ینگ کمیونسٹ لیگ اور عوامی سماجی تنظیمیں خبردار اور ہوشیار رہیں' اور مزدوروں کی قیادت میں اتحاد کے مضبوط اصول کی روشنی میں اس چیلنج کا کامیابی سے سامنا کرتی رہیں۔ کاسترو کے بقول ''۔۔۔۔بش 2001 سے اقتدار میں تھا اور اس نے کیوبا میں اپنی حکومت بنانے کا ارادہ بھی کر لیا۔ مگر ایک بار پھر اجرتی قاتل اور بورژوازی کے ممبر اپنے سوٹ کیسوں اور ٹرنکوں کے ساتھ اپنی سنہری جلاوطنی میں رہ گیے۔''

یہ تو کاسٹرو کی تعلیمات کا ہی اثر ہے کہ 2007 میں ایکواڈور کے صدر نے یہ کہا تھا: ''کیوبا اور سارا لاطینی امریکہ ایک قوم ہیں۔ اپنی مشترکہ قسمت کی تلاش کی گھڑی آ چکی ہے''۔

ذرا آیئے زندہ بچ جانے والے اِس بوڑھے کی زبانی بیماری، علاج، موت، زندگی اور انسان نامی فلسفیانہ اور عام سی باتیں سنتے ہیں:

''میں موت کے دہانے تک پہنچ چکا تھا'' اس نے حیران کن سکون سے انکشاف کیا۔ اس نے Diverticulitis کا نام نہ لیا جس میں کہ وہ مبتلا رہا تھا، نہ ہی اُن بار بار خون بہہ جانے کا جس کی وجہ سے ڈاکٹروں کی ٹیم کو بار بار اس کا آپریشن کرنا پڑا تھا، اور ہر بار اس کی جان کو خطرے میں ڈال کر۔

''مجھے مزید زندہ رہنے کی خواہش نہ رہی تھی............ میں کئی بار خود سے کہتا کہ میرے ڈاکٹر مجھے اُن حالات میں زندہ رہنے دیں گے یا وہ مجھے مرجانے دیں گے............ پھر میں بچ گیا،

مگر بہت ہی بری جسمانی حالت میں۔ میرا وزن گھٹ کر محض پچاس کلو رہ گیا تھا'۔

''چھیاسٹھ کلو' اس کی الگ نہ کی جاسکنے والی ساتھی ڈیلیا نے تصحیح کی جو گفتگو میں موجود رہیں۔ وہاں صرف وہ، اس کے دو ڈاکٹر اور اس کے دو اور قریب ترین رفقا موجود تھے۔ (اور یوں ہمیں، یا کم از کم مجھے، پہلی بار کاسٹرو کے خاندان کے بارے میں معلوم ہوا جس کے بارے میں وہ ہمیشہ بولنے سے کتراتا رہا۔ مجھے پہلی بار پتہ چلا کہ اس کی بیگم کا نام ڈیلیا ہے)۔

ہمیں فیڈل کاسٹرو کی نجی زندگی کے بارے میں بالکل بھی کم معلومات میسر ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ وہ اپنی ذاتی زندگی کے بارے میں کبھی بات نہیں کرتا۔ اس نے اپنا فوٹو یا مجسمہ کھڑے کرنے سے آئین میں منع کر دیا۔ شخصیت پرستی ایک عفریت ہے جو نہ صرف ایک انفرادی انسان کو برباد کرتی ہے بلکہ سماج کو بھی پیر پرست بنا ڈالتی ہے۔ اُس کی 90 برس کی زندگی (اور میری ساٹھ سالہ مطالعہ اور تحقیق بھری عمر) میں اُس کے بیوی بچوں، سالے سالیوں، سسر اور ساس بہو اور داماد کے بارے میں ہم کچھ بھی نہیں جانتے۔

ابھی حال میں اس کی بیوی کے بارے میں ہمیں ایک فقرہ ملا۔ وہ بھی اُس کے اپنے منہ سے نہیں نکلا، نہ ہی اس کی کسی تقریر سے ہم یہ نقل کر پائے۔ وہ تو، اُس کو انٹرویو کرنے والے کارمن لیرا سادے کا فقرہ ہے:

''اس سے قبل کہ ہم گفتگو ختم کر دیتے' ہم اُس کی بیگم، ڈیلیا سوتو ڈیل وال، کے ساتھ دوپہر کا کھانا کھانے گئے''۔

''اندازہ کرو، مجھ جیسے لمبے تڑنگے شخص کا وزن محض چھیاسٹھ کلو۔ اب میں 86,85 کلو تک آ گیا ہوں، اور آج صبح میں 600 قدم چل بھی سکا ہوں' بغیر کسی مدد کے، بغیر چھڑی کے۔

''میں آپ کو بتا رہا ہوں کہ آپ ایک ''دوبارہ جی اٹھنے'' والے شخص کے پاس موجود ہیں''۔ اس نے ایک طرح کے فخر سے زور دے کر کہا۔ وہ جانتا ہے کہ، اُن سارے برسوں میں شاندار میڈیکل ٹیم اس کا علاج کرتی رہی ہے، یہ کیوبائی صحت کے شعبے کا امتحان تھا، مگر وہ اپنے مصمم ارادے اور آہنی ڈسپلن پر بھی انحصار کرتا رہا۔ یہ آہنی ڈسپلن ہمیشہ اُس وقت آ جاتا ہے جب وہ کچھ کر گزرنے کا سوچتا

ہے۔

''میں نے ذرا سی بھی روگردانی نہیں کی''۔ اس نے تصدیق کی۔ ''مزید برآں میں ڈاکٹروں کے تعاون سے ایک ڈاکٹر بن چکا ہوں۔ میں اُن سے بحث کرتا ہوں' سوال کرتا ہوں (وہ سوالات بہت کرتا ہے) اور سیکھتا ہوں (اور وہ حکم مانتا ہے............)''۔

وہ اپنے حادثات اور گر جانے والے واقعات کے اسباب سے آگاہ ہے۔ ''پہلی بار تو اس لیے ایسا ہوا تھا کہ میں باسکٹ بال کھیلنے سے قبل ضروری وارم اپ نہ ہوا تھا''۔ پھر وہ سانتا کلارا والا واقعہ ہوا: فیڈل، چے کے مجسمے سے نیچے آ رہا تھا، جہاں وہ چے کو خراج عقیدت پیش کرنے والے اجتماع کی صدارت کرتا رہا تھا، اور گر گیا: ''وہ اس حقیقت سے ہوا تھا کہ وہ لوگ جو آپ کی دیکھ بھال کرتے ہیں خود بھی بوڑھے ہو رہے ہیں، اپنی استعداد کھو رہے ہیں اور احتیاط نہیں کرتے'' اس نے وضاحت کی۔

اس کے بعد ہولگوئن والا ہوا، وہ بھی شدید قسم کا تھا۔ دوسری بیماری سے قبل یہ سارے حادثات ایک بحران میں بدل گئے اور اسے ایک لمبے عرصے تک ہسپتال میں رکھا۔

''اُس بستر پر لیٹے' میں ہر وقت اپنے آس پاس دیکھتا۔ مجھے اُن ٹیوبوں نالیوں کا پتہ نہ تھا۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ وہ عذاب کتنے عرصے تک چلے گا اور میری واحد امید یہ تھی کہ دنیا تھم جائے گی''۔ ظاہر ہے کسی پشیمانی کے بغیر ''مگر میں موت سے اٹھ گیا'' اس نے فخر سے کہا۔

''اور کمانڈر، جب آپ موت سے اٹھے، تو آپ نے کیا دیکھا؟'' میں نے پوچھا۔

''بظاہر ایک پاگل دنیا............ ایک دنیا جو روزانہ ٹی وی پر اور اخباروں میں نظر آتی ہے، اور جسے کوئی بھی نہیں سمجھتا، مگر ایسا جسے میں کسی قیمت پر کھونا نہیں چاہتا'' وہ مسکراتا ہے۔

''میری بیماری کوئی ریاستی راز نہیں ہے' فیڈل کاسٹرو نے یہ بات اُس وقت کہی تھی جب یہ بیماری ابھی بحران نہ بنی تھی'' جو کچھ مجھے کرنا چاہیے تھا، میں نے وہ کیا۔ میں مزید جاری نہیں رکھ سکتا'' اس نے اُس وقت تسلیم کیا............ اِس نے صدر اور آرمی کمانڈ کو راؤل کے حوالے کر دیا، اور خود کو ڈاکٹروں کے حوالے کر دیا۔

وہ اپنی زندگی کے لئے چار سال تک لڑتا رہا۔ آپریشن تھیٹر میں جاتے آتے، انکوبیٹرز کے حوالے ہوتے، رگوں کے ذریعے خوراک موصول کرتے، کیتھیٹرز، نالیاں، نلکیاں، بار بار بیماری کے دوبارہ حملے اور اُس کی بار بار کی بے ہوشیاں............

اور پھر، جب وہ ابھی تک مکمل صحت یاب نہ ہوا تھا، اس نے غور و فکر کرنے اور اخبار میں ''ریفلیکشن'' نامی مضامین کا سلسلہ لکھنا شروع کر دیا۔

بہت بعد میں کارمن لیرا سادے کو اُس نے جو انٹرویو دیا تھا، اُس کے کچھ ٹکڑے پڑھ کر واقعات کا تسلسل دیکھیے: ''وہ اُس وقت تک باہر جا کر باتیں کرنے کے قابل نہ تھا، اس نے مجھے بتایا۔ وہ قدرے روانی کے ساتھ محض لکھ سکتا تھا، اس لئے کہ اسے ابھی تک دوبارہ چلنا پھرنا سیکھنا تھا، جبکہ 84 برس کی عمر میں اس نے دوبارہ لکھنا سیکھا۔

''میں ہسپتال سے باہر نکلا، میں گھر گیا، چلنے لگا، میں نے خود پہ بہت جبر کیا۔ پھر مجھے اپنے پیروں کی از سرِ نو بحالی کرنی پڑی۔ اس وقت تک میں لکھنا دوبارہ سیکھنے کے قابل ہو چکا تھا۔

''صفتی چھلانگ اس وقت آئی جب میں ان تمام عناصر پر حاوی ہو سکتا تھا جنہوں نے میرے لیے وہ سب کچھ کرنا ممکن بنا دیا جو میں اب کر رہا ہوں۔ مگر مجھے مزید بہتر کرنا چاہیے اور میں مزید بہتر کر سکتا ہوں۔............ میں اچھی طرح چل سکتا ہوں۔ آج، جیسے کہ میں نے آپ کو بتایا، میں 600 قدم چلا ہوں، بغیر چھڑی کے، بغیر کسی مدد کے، اور مجھے اب توازن پیدا کرنا ہے چڑھائی چڑھنے اور نیچے اترنے میں، سونے کے گھنٹوں میں اور کام کرنے کے گھنٹوں میں''۔

''کام کے اس جنون کے پیچھے ایسی کیا چیز ہے جو بحالی کی بجائے بیماری کے دوبارہ حملے کی طرف لے جا سکتی ہے؟''۔

فیڈل نے سوچا، آنکھیں بند کر دیں جیسے سو رہا ہو، مگر نہیں............ وہ لوٹ آتا ہے:

''میں ان دنوں غیر حاضر نہیں رہنا چاہتا۔ دنیا اپنے وجود کے سب سے دلچسپ اور سب سے خطرناک مرحلے میں ہے اور میں مصمم ہوں جو کچھ ہونے والا ہے۔ مجھے ابھی تک کچھ کام کرنے ہیں''۔

''مثلاً کیا؟''۔

''مثلاً ایک ایٹمی جنگ مخالف تحریک کی تشکیل''۔ (اسی بات پہ تو وہ اُس وقت سے لگا ہوا ہے جب سے وہ دوبارہ نمودار ہوا)۔

''ترغیب کی ایک بین الاقوامی قوت کی تشکیل جو اُس مہیب خطرے کے واقع ہونے سے بچائے''۔ یہ ایک بہت بڑا چیلنج ہے اور فیڈل کبھی بھی چیلنج کی مزاحمت کے قابل نہ رہا۔

''شروع میں میں نے سوچا کہ ایٹمی حملہ شمالی کوریا پر ہوگا، مگر میں نے جلد ہی اپنی تصحیح کر لی اس لئے کہ میں نے خود سے کہا کہ چین اُسے سلامتی کونسل میں اپنے ویٹو کے ساتھ روک دے گا............ مگر ایران پر حملے کو کوئی نہیں روک رہا، اس لئے کہ کوئی چین اور روس نہیں۔

کیوبائی یونیورسٹی سٹوڈنٹس کے نام پیغام میں کاسٹرو نے کہا تھا: ''اس جنگ کو لڑنے کے لیے عالمِ انسانیت کے پاس وقت بے حد کم ہے۔ تین ماہ کی نہ ختم ہونے والی جدوجہد میں میں نے انکساری کے ساتھ ایک غیر متوجہ دنیا کو ان خوفناک خطروں سے آگاہ کرنے کی کوشش کی جو ہماری زمین پر انسانی زندگی کو لاحق ہیں۔ یہ سب لوگ جانتے ہیں اور مجھے اس حقیقت کو یاد رکھنے کے علاوہ کچھ متبادل حاصل نہیں ہیں کہ ہم اب تلواروں ڈھالوں کے عہد میں نہیں ہیں، المختصر ایسے ہتھیار جو ہمیشہ ظالم تھے، مگر اُن کی تباہی کی قوت محدود تھی۔ عالمی جنگ اول اور دوئم تک جب آٹومیٹک ہتھیار استعمال ہوئے تھے، ٹینک، جیٹ، جہاز، سب میرین، تارپیڈو، آرمرڈ وہیکلز............ جنہوں نے موت کی تعداد دسویں ملینوں تک بڑھا دی، لاکھوں کروڑوں زخمی ہوئے، تباہ کاری ہوئی، بھوک آئی اور جنگ کے نتیجے کی ناگزیر تباہ کاریاں آئیں۔

آخری جنگ کے آخر میں دو ایٹمی ہتھیار استعمال کیے گئے۔ عالم انسان نے ایسی خوفناک تباہی اور بربادی کا پہلے تصور تک نہ کیا تھا............ کیوبا کے کاندھوں پر ذمہ داری آن پڑی ہے کہ دنیا کو ایٹمی ہتھیاروں کی تباہ کاری کے بارے میں خبردار کرتا رہے۔

میں سارے ممالک سے مخاطب ہوں جو آج فوجی جھگڑوں میں ہیں۔ براہِ کرم ہمیشہ اصل امن کے حصول کے بارے میں سوچیں جس کی ہمیں اشد ضرورت ہے۔ ہمارے بچے،

ہمارے بچوں کے بچے اور اس دنیا کے انسان، ہم سب آپ کو شکریہ بولیں گے۔ ہم ایک ایسے کرے پر امن اور حفاظت کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں جو روز بروز ''رہنے کے قابل نہیں'' بنتا جا رہا ہے۔ یہ سمجھنا بہت آسان ہے۔ ایٹمی ہتھیار غائب ہونے چاہئیں، کسی ملک کے پاس وہ نہیں ہونے چاہئیں۔ واحد اصل فتح، امن کے حصول میں ہے۔

''کسی انسان کو کسی انسان کے خلاف، کسی قوم اور ملک کو دوسری قوم اور ملک کے خلاف تشدد کے استعمال کا کوئی حق نہیں۔

''دشمن جنگ کرتے ہیں۔ آیئے ہم ان سارے اسباب کا خاتمہ کر دیں جو ایک انسان کو دوسرے انسان کا دشمن بناتے ہیں۔ جو لوگ جنگ کرتے ہیں وہ غلط سوچ رہے ہیں کہ امن کا راستہ جنگ ہے۔ میں کہتا ہوں کہ امن امن سے حاصل ہوتا ہے۔

ابھی بہت سارا کام باقی ہے۔ کیوبا میں نا بالغ اور غیر ترقی یافتہ کمیونزم (سوشلزم) رائج ہے۔ جہاں سماجی نا انصافیاں ابھی تک موجود ہیں، جہاں سماجی سطحیں ابھی تک موجود ہیں، اچھے خاصے امتیازات یا حتیٰ کہ تضادات موجود ہیں۔ مثلاً شہر اور دیہات کے بیچ تضادات، دانش کے کارکنوں اور جسمانی مزدوروں کے درمیان تضاد، ہنر مند اور غیر ہنر مند مزدوروں کے درمیان تضاد۔

یہ تضادات کاسٹرو کی زندگی میں ختم نہیں ہو سکتے۔ شاید اگلی نسل کی زندگی میں بھی نہیں۔ اس لئے کہ اِن ساری ناہمواریوں کو عالمی حالات کی مطابقت میں بتدریج اور ایک منصوبہ بند طریقے سے مکمل طور پر ختم کیا جا سکتا ہے۔۔۔۔۔ کاسٹرو عظیم ہی اس لئے ہے کہ اس نے اِس کام کے لئے قالب مہیا کر دیا۔

وہ اپنے وعدے کے مطابق اخبارات میں اپنے تفکرات لکھتا رہا۔ وہ سوالات پہ سوالات کرتا جاتا اور اس طرح بقول گارشیا مارکوئیز وہ ''کیوؤں کے کیوؤں کے آخری کیوؤں کو ڈھونڈ نکالتا ہے''۔ ایلس واکر نے سچ کہا کہ ''فیڈل ایک گاتا ہوا رقص کرتا ہوا دانش ہے..........''۔ اُنہی دنوں اس نے سرمایہ داری کے بارے میں ابھی ایک مضمون لکھا: ''جس نئے عہد میں ہم رہتے ہیں

وہاں سرمایہ داری ایک کارآمد اوزار بھی نہیں ہے۔ یہ ایک ایسے درخت کی مانند ہے جس کی جڑیں سڑ چکی ہیں۔ جہاں سے صرف بدترین قسم کی انفرادیت پسندی، کرپشن اور نابرابری پھوٹتی ہے''۔

ایک موت سے اٹھا ہوا ایک شخص حیران کن توانائی کے ساتھ، اور بالکل اُسی دانشورانہ حیرت کے ساتھ، وہ خود کو جدید ترین باتوں تک سے واقفیت کی حد تک لے آیا۔

جو لوگ اسے اچھی طرح جانتے ہیں، کہتے ہیں کہ وہ جو بھی پراجیکٹ (خواہ وہ بہت بڑا ہو یا بہت چھوٹا) لے لیتا ہے تو اسے شدید انہماک کے ساتھ لیتا ہے، اور جب معاملہ دشمن سے مقابلے کا ہو تو وہ اور زیادہ شدت کے ساتھ ایسا کرتا ہے۔

''اس وقت وہ بہترین مزاح میں ہوتا ہے'' اسے اچھی طرح جاننے والے ایک شخص نے اُسے بتایا ''یقیناً پھر صورتحال بہت خراب ہوگی، اس لئے کہ آپ عمدہ صحت کے ساتھ ہیں''۔

اب اِس بزرگ' اور شدید بیماری کے بعد تندرست ہوتے ہوئے مدبر کو' لکھنا آسان اور اچھا لگتا ہے۔ اس کے بعد کافی عرصے تک وہ اپنے ملک کی کمیونسٹ پارٹی کے عالمی شہرت یافتہ اخبار ''گرانما'' میں Reflections کے نام سے تقریباً روزانہ ایک مضمون لکھتا رہا۔ وہ نظریات کی لڑائی میں ایک سپاہی کی طرح لڑنے کی خواہش رکھتا ہے۔ کمانڈر فیڈل کاسٹرو اُس عہد میں لکھنے بیٹھ گیا جب سچ کو بپھرے سمندروں میں جہاز رانی کرنا پڑ رہی تھی۔ جہاں ذرائع ابلاغ اُن لوگوں کے ہاتھ میں تھے جو اپنے بے پناہ معاشی، ٹیکنالوجیکل اور ملٹری وسائل کے ساتھ انسانیت کی بقاء کو دھمکا رہے تھے۔

انقلابی کاسٹرو اُس وقت لکھنے بیٹھ گیا جب وہ تجربہ یافتہ تو تھا مگر جوان نہیں، توانا نہیں۔ لکھنا اُس کے لئے مشکل کام تھا۔ اور پھر انقلاب نے اُس کے عوام کی علمی سطح بہت بلند کر ڈالی۔ اس لئے یہ فریضہ مزید مشکل ہو گیا ہے۔۔۔۔۔ نجات یافتہ لوگ تو عجیب فلسفہ ہائے حیات بنا لیتے ہیں۔ مثلاً کاسٹرو لکھتا ہے کہ ''ہم اپنے عوام کے ساتھ تعاونی کام کی تشہیر کے عادی نہیں ہیں، کہ تعاونی کاوشیں تو جامع احساسات سے جنم لیتی ہیں جن کا پبلسٹی کی خواہش سے کوئی تعلق نہیں ہوتا..........''۔ کاسٹرو بہ یک وقت انقلاب کا بانی ہے، رہبر ہے، مگر وہ اس کا ناقد بھی ہے، صلاح

کار بھی ہے۔ معاشی بحران ہو تو وہ ایک ماہرِ معیشت بن کر وزیرخزانہ سے بحثیں کرتا ہے، سمندری طوفان آیا ہو تو وہ محکمہ موسمیات کے ساتھ ایک ماہر موسمیات کی طرح آنے والے طوفانی موسم کے بارے میں بات چیت کرتا ہے۔ آپ خود اندازہ کر سکتے ہیں کہ کاسٹرو اب اقتدار میں نہیں ہے۔ اور اس طرح اپنے برسرِ اقتدار کامریڈوں کے لئے مشکلات پیدا نہ کرنے کی خاطر سیاسی سفارتی ''آؤٹ آف باؤنڈ'' علاقے میں داخل ہونے سے بچ کر لکھنا کتنا مشکل ہوتا ہے۔ مگر وہ لکھتا رہا، بہت' اور لگاتار لکھتا رہا۔ اس لئے کہ ''میری خواہش رہی ہے کہ آخری سانس تک اپنے فرائض انجام دیتا رہوں۔ اور اب میں یہی کچھ پیش کر سکتا ہوں''۔ لہٰذا صدارت کو چھٹی، کمانڈی کو چھٹی اور یہ سب کچھ ''میں کسی بھی ڈرامہ اور واویلا کے بغیر کہہ رہا ہوں''۔

تجربہ تو سائنس اور خیالات کی ماں ہے۔ کاسٹرو اپنا تجربہ عالمِ انسانیت پر نچھاور کئے جا رہا ہے۔ سرمایہ داری ایک ایسا نظام ہے جسے اندھے، تباہ کن اور استبدادی قوانین چلاتے ہیں جو بنی نوعِ انسان پر مسلط ہوتے ہیں۔ کاسٹرو اور کیوبا نے انہیں بہت عرصہ قبل اکھاڑ پھینک دیا اور اس کی جگہ پر ایک اعلیٰ نظام قائم کر دیا۔ اس نے پچاس برس سے کامیابی کے ساتھ اس نظام کو چلایا اور صحت کی خرابی اور عمر کی طوالت کے ہاتھوں ریٹائر ہو گیا۔

اس زندہ بچ جانے والے شخص کا خبریں اکٹھے کرنے کا فریضہ اس کے جاگنے کے وقت ہی سے شروع ہوتا ہے۔ پتہ نہیں اس نے پڑھنے کی تیز رفتاری کس طریقے سے حاصل کی۔ وہ کتابوں کو ہڑپ کر جاتا ہے، وہ ہر روز 200 سے 300 اخباری کیبلز پڑھتا ہے؛ وہ انفارمیشن ٹیکنالوجی کی جدید ترین چیزوں کا استعمال جانتا ہے۔ وہ وکی لیکس سے مسحور ہے، وکی لیکس ''انٹرنیٹ کی گردن'' ہے جو کہ افغانستان پر نوے ہزار فوجی مسودات کا انکشاف کرنے کے لئے مشہور ہے، جس پر یہ نیا "Serfer" کام کر رہا ہے۔

وہ وکی لیکس کے علاوہ کچھ اور ویب سائٹس اور میڈیا کی کوششوں کو تسلیم کرتا رہا: لاطینی امریکہ کی طرف وینزویلا کے ٹیلی سُور، اینسوئنٹو، ارجنٹینا کا ٹی وی کلچرل چینل، اور سارا پرائیویٹ اور پبلک میڈیا جو کہ خطے کی طاقتور پرائیویٹ کنسورشیموں اور نیوز، کلچر اور تفریحی ٹرائس نیشنلز کے سامنے

کھڑے ہیں۔

طاقتور قومی اور علاقائی بزنس گروپوں کی طرف سے خبروں کو توڑ موڑ کر پیش کرنے، حکومتوں یا سیاسی شخصیتوں کا تختہ الٹنے یا خاتمہ کرنے، یا امریکہ کی طرف سے بذریعہ ٹرانس نیشنلز'' ڈکٹیٹر شپ'' مسلط کرنے کی رپورٹیں اب سارے انسانوں کی پہنچ میں ہیں۔

مگر کیوبا کے انسانوں کی پہنچ میں نہیں، جن کے پاس پورے ملک کے لئے ایک انٹرنیٹ پورٹ ہے جو صرف ایک ''ہلٹن'' یا ''شیریٹن ہوٹل'' جتنا ہے۔

اسی لئے کیوبا میں انٹرنیٹ کُنیکٹ ہونا ایک مشکل کام ہے۔ یہ سلوموشن میں ہے۔

''ایسا کیوں ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''یہ امریکہ کی طرف سے ہمارے ملک کو زیرِ آب فائبر آپٹک کیبل تک رسائی سے صاف انکار کی وجہ سے ہے جو ہمارے ساحل کے قریب سے گزرتا ہے۔ اس کے برعکس کیوبا ایک سیٹلائٹ سگنل کو ڈاؤن لوڈ کرنے پر مجبور ہے جو ایسا سروس مہیا کرتی ہے جس کے لئے کیوبا کو بہت مہنگی ادائیگی کرنی پڑتی ہے، اور جو ایک ''براڈ بینڈ'' کے استعمال سے روکتی ہے جس سے کہ مزید بہت سارے ''یوزرز'' رسائی حاصل کر سکیں اور پوری دنیا کی طرح براڈ بینڈ کی رفتار حاصل ہو''۔

یہی وجہ ہے کہ کیوبا حکومت نہ صرف اُن لوگوں کو کنکشن میں ترجیح دے رہی ہے جو کہ ادا کر سکتے ہیں بلکہ اُن کو بھی جنہیں اس کی سب سے زیادہ ضرورت ہے جیسے کہ ڈاکٹرز، اکیڈمکس، صحافی، پروفیشنلز، حکومتی اہلکار اور سماجی انٹرنیٹ کلبز۔ حکومت اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتی۔

میں اِن حالات کے اندر کیوبائی ویب سائٹ ''کیوبا ڈیبیٹ'' کی اُن غیر معمولی کوششوں کے بارے میں سوچتا ہوں جن کے تحت وہ ملک کے اندر یہ سہولت دیتی ہے اور ملک کی اطلاعات باہر بھیجتی ہے۔ مگر فیڈل کے بقول، کیوبا اس صورتحال کا ایک حل ڈھونڈ ہی لے گا۔

وہ وینزویلا کے لاگوائیرا' پورٹ سے زیرِ آب کیبل بچھانے کی تکمیل کی طرف اشارہ کر رہا تھا جو سنٹیا گو ڈی کیوبا تک جاتی ہے۔ اس پراجیکٹ سے' جسے ہیوگو شاویز کی حکومت چلا رہی ہے، جزیرے کو براڈ بینڈ دستیاب ہو سکتا ہے اور ''سرور'' کی بڑی ایمپلی فیکیشن کے امکانات پیدا

ہوسکتے ہیں۔

''دیکھو کامریڈ، کیا خوب بات ہے'' اس نے مجھ سے کہا'' انٹرنیٹ نے دنیا کے ساتھ رابطہ کرنے کا امکان ہمارے ہاتھ میں دے دیا ہے۔ ہمارے پاس یہ چیز پہلے نہ تھی'' اس نے تبصرہ کیا۔ وہ نیٹ سے کیبلز ڈھونڈ کر سلیکٹ کرتا ہے اور ٹیکسٹ ڈاؤن لوڈ کرتا ہے جو کہ اس کی میز پہ رکھا ہوا ہے۔

''رازوں کی پوشیدگی ختم ہوگئی، یا لگتا ہے کہ ختم ہوگئی۔ ہم بقول ''نیویارک ٹائمز'' کے ''ہائی ٹیکنالوجی ریسرچ جنرل'' کے آمنے سامنے ہیں جو کہ ہر شخص کی دسترس میں ہے۔

''ہم اب تک کی سب سے طاقتور ہتھیار کے سامنے ہیں، جو کہ کمیونیکیشن کا ہتھیار ہے'' وہ کہتا ہے، کمیونیکیشن کی طاقت امریکہ اور حریص پرائیویٹ گروہوں کے ہاتھ میں رہا' اور اب بھی انہی کے ہاتھوں میں ہے' جنہوں نے اس کا غلط استعمال کیا، اسی لیے میڈیا نے اس طاقت کو اپنے ہاتھ میں لیا''۔

میں اسے سنتا ہوں اور مجھے چومسکی یاد آتا ہے:''کوئی بھی دھوکہ دہی جس کی امریکہ کوشش کرتا ہے اسے لازماً پہلے میڈیا کی حمایت حاصل ہوتی ہے، بالخصوص اخباروں اور ٹیلیویژن کی حمایت، اور آج، قدرتی طور پر، انٹرنیٹ کے پیش کردہ سارے آلات کے ساتھ میڈیا کی حمایت''۔

یہ میڈیا ہی ہے جو کسی اقدام سے قبل رائے عامہ ہموار کرتا ہے''یہ تو بستر بچھانا جیسا ہے'' ہم کہہ سکتے ہیں............ یہ آپریشن تھیٹر کا تیار کرنا ہے۔

لیکن، فیڈل اضافہ کرتا ہے،''گو کہ انہوں نے اس طاقتور کو اپنے ہاتھ میں رکھنے کی کوشش کی مگر وہ اس طرح کر نہ سکے۔ وہ اسے روز بروز کھو رہے ہیں............

''کیوبا، اور بالخصوص آپ کو کئی بار سختی سے امریکہ مخالف پوزیشن لیتے دیکھا گیا اور آپ پر تو اُس قوم کی طرف نفرت رکھنے کا الزام لگایا جاتا رہا ہے''۔ میں نے اُن سے کہا۔

''اس میں کوئی حقیقت نہیں ہے۔ امریکہ سے نفرت کیوں کی جائے جبکہ وہ محض تاریخ کی ایک پیداوار ہے؟''۔(3)

کاسٹرو اچھا انسان ہے۔ پرامید، پراعتماد۔۔۔''مجھے یقین ہے کہ یہ دنیا بچائی جا سکتی ہے، سرزدشدہ غلطیوں کے باوجود، اور اس کے باوجود کہ بہت بڑے اور یک طرفہ سپر پاورز پیدا کیے جا چکے ہیں۔۔۔''۔

فیڈل اپنی عمر کے آخری برسوں میں حکومت سے ریٹائر ہوگیا اور ایک عام شہری کی حیثیت سے بقیہ زندگی گزار دی۔

اس نے ریٹائیرمنٹ کے آٹھ سال اپنی ساری توانائیاں عالمی سیاست کے بارے میں لکھنے پر صرف کیں۔ اس نے پوری دنیا کو گلوبل وارمنگ جیسے ماحولیاتی خطرے، اور عالمی جنگ کے خطرات سے خبردار کیے رکھا۔

ابھی اپریل 2016 کو کیوبائی کمیونسٹ پارٹی کی ساتویں کانگریس ہوانا میں منعقد ہوئی تھی۔ فیڈل 89 سال کی عمر میں اس کانفرنس میں موجود رہا۔ اُس کی موجودگی والی اِس کانگریس میں فیصلہ ہوا کہ ملک کی تقدیر حسبِ سابق تین نقاط پر مبنی ہوگی:

1- ذرائع پیداوار کی سماجی ملکیت

2- منصوبہ بند معیشت

3- پالیسیاں، سماجی

اس کانگریس میں کہا گیا کہ''معیشت تسلسل کے ساتھ ایک غیر حل شدہ فریضہ رہے گی اور سیاسی نظریاتی کام ایک مستقل معاملہ ہے، جو کہ معاشی جنگ سے قریبی طور پر جڑا ہے۔

''کیوبا کا انقلاب ایسا ہے جو معیارِ زندگی بہتر بنانے کی جدوجہد کرتا ہے، نہ صرف اجتماعی، بلکہ خاندان اور فرد کے لیے بھی''۔

اس کانگریس میں اُس نے کہا تھا:

''میں جلد ہی 90 برس کا ہو جاؤں گا۔............ ہوسکتا ہے کہ یہ آخری بار ہو کہ میں اِس ہال سے میں بول رہا ہوں............ ہم آگے کی طرف مارچ جاری رکھیں گے اور ہم وہ بات مکمل کریں گے جو ہمیں مکمل کرنا چاہیے، مکمل وفاداری کے ساتھ اور متحدہ طاقت کے ساتھ......''

''میں جلد ہی 90 برس کا ہو جاؤں گا۔ میں جلد ہی دوسروں (مرے ہوؤں) کی طرح ہو جاؤں گا۔ ہم سب کو یہ باری (موت) دینی ہے مگر کیوبن کمیونسٹوں کے نظریات اس بات کا ثبوت رہیں گے کہ اِس کرۂ ارض پر، سرگرمی اور وقار کے ساتھ کام کرتے ہوئے وہ مادی اور ثقافتی دولت پیدا کی جاسکتی ہے جس کی انسانوں کو ضرورت ہے اور ہمیں ان کے حصول کے لیے انتھک لڑنا چاہیے............

اُس شخص کا ضمیر کتنا مطمئن ہوگا جس کے اپنے اور اُس کی پارٹی کے دم سے اُس کے کیوبا میں ساٹھ برس سے نہ کسی شہری کو ٹارچر کیا گیا، نہ کسی مخالف کو قتل کرنے کے احکامات صادر ہوئے اور نہ عوام سے جھوٹ بولا گیا۔

اس کی موت سے ایک عہد کا خاتمہ ہوگیا۔ مگر اس کی انقلابی میراث برقرار رہے گی۔ اس کی زندگی اور مثال دنیا بھر میں آنے والے زمانوں میں انقلابیوں اور پروگریسیوں کو انسپائر کرتی رہے گی۔

کمزوروں پر اُس کی موت ایک کمر توڑ واقعہ تھی۔ دنیا بھر میں انسانوں نے انسانوں کے اس ہمدردترین انسان کی موت کو مایوسی سے سنا، برداشت کیا۔ پشتو کی اس ضرب المثل کا اطلاق ہوتا ہے یا نہیں کہ ''تمہارے سو مر جائیں، مگر ایک نہ مرے''۔ لیکن زند اور موت انسانی حیات کا ایک غیر حل شدہ معمہ ہے۔ جب حل ہوگا سو ہوگا، لیکن اب تو سچی بات یہ ہے کہ پورے مغربی کرۂ ارض (اور دعویٰ ہے کہ مشرق میں بھی) کا سب سے بڑا بشر دوست شخص مر گیا۔ نہ ہم سمو کی موت پر مست توکلی کے فقرے دہرا سکیں گے اور نہ بالاچ بن کر دودا برادران کی اموات کے مداوا جیسی بات ممکن ہے۔ بس کاروان ہے۔ کاروان کے حقائق ہیں۔

کاسٹرو، نے لاطینی امریکہ کو' تبدیلی کے ایک لمحے میں نہیں بلکہ تبدیلی کے ایک عہد میں ڈھال دیا ہے۔ اس نے انسان کو وقار اور عزت نفس کے ساتھ جینا سکھا دیا۔ اس کی روح کو خوشی نصیب ہو۔............ اسے انسانیت کبھی فراموش نہ کرے گی۔ کاسٹرو کو انقلابی تاریخ میں ہمیشہ یاد رکھا جائے گا، ایک استاد کی حیثیت سے، انقلاب کے ایک ہنر کار کی حیثیت سے، ایک تخلیق کار کی

حیثیت سے، ایک فلاسفر کی حیثیت سے، اور انقلاب کے ترجمان کی حیثیت سے۔

ہمیں یقین ہے کہ دنیا بھر میں کبھی بھی کوئی اُس کے انقلاب کی نقل نہیں کرے گا۔ بس، فطرت کا ہر مظہر چاہے گا کہ دنیا بھر میں ایسی حکومتیں قائم ہوں جو فیڈل کاسٹرو کی طرح اپنے ملک کے غریبوں کو خوش رکھیں۔

حوالہ جات

1۔ لائیل، بریان۔ آفٹر فیڈل۔ Palgrave۔ 2007۔ صفحہ 7

2۔ مینا گیانی۔ An Encounter with Fidel۔ اوشین پریس 1991۔ صفحہ 12

3۔ لائیل، بریان۔ آفٹر فیڈل۔ Palgrave۔ 2007۔ صفحہ 7